کتاب الفتاوی

زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب
اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں،
حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں

ساتواں حصہ

(ایمان، علم، طہارت)

تالیف

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

تقسیم کار

نام کتاب : کتاب الفتاویٰ (ساتواں حصہ)

مصنف : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب و کمپوزنگ : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری
(قبا، رائش، حیدرآباد، فون 09704172672)

طبع اول : ۲۰۱۳ء

صفحات : ۲۹۲

قیمت : روپے

باہتمام : [illegible]

ناشر : کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

فہرست مضامین

ایمانیات سے متعلق مسائل

علم سے متعلق مسائل

نماز سے متعلق مسائل

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مختلف اداروں اور تنظیموں سے وابستگی، نیز تدریسی، دعوتی اور انتظامی مصروفیت کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت مسائل شرعیہ کی رہنمائی کی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق بھی اس حقیر کو حاصل ہوتی رہتی ہے، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے دار الافتاء میں بحمد اللہ زندگی کے مختلف مسائل، خاص کر معاشرت ومعاملات اور عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل کثرت سے آتے رہتے ہیں، معہد میں ماشاء اللہ کئی اصحاب افتاء موجود ہیں، زیادہ تر سوالات کے جوابات یہی حضرات دیا کرتے ہیں، اور عزیز مکرم مولانا شاہد علی قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ آج کل اس کے ذمہ دار ہیں؛ لیکن گاہے گاہے بعض اہم مسائل کے جوابات مجھ کو بھی لکھانے پڑتے ہیں، جو دار الافتاء کے رجسٹر میں محفوظ ہیں، کوشش کی جائے گی کہ مستقبل قریب میں معہد سے جاری ہونے والے تمام فتاویٰ کا مجموعہ بھی طبع ہو جائے، وباللہ التوفیق،

بعض فتاویٰ مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، دہلی) کے دفتر پر بھی آیا کرتے تھے، پہلے تو ان سوالات کی تعداد اچھی خاصی ہوا کرتی تھی، اور شعبۂ علمی کے ایک رفیق خاص طور پر اس کام کے لئے مقرر تھے؛ لیکن اب باضابطہ طریقہ پر وہاں دار الافتاء نہیں رہا؛ کیونکہ دہلی اور اس کے مضافات میں کئی دار الافتاء پہلے سے موجود ہیں، اور اکیڈمی کے دوسرے علمی وتحقیقی کاموں میں اس کی وجہ سے خلل ہوا کرتا تھا۔

تاہم اب بھی اکا دکا سوالات ان حضرات کے آتے رہتے ہیں، جو خاص طور پر اکیڈمی سے جواب کے خواہش مند رہتے ہیں، یہ تمام فتاویٰ اکیڈمی کے ریکارڈ میں موجود ہیں،

جس میں اس حقیر کے جوابات بھی شامل ہیں، ہوسکتا ہے کہ کبھی اکیڈمی سے جاری ہونے والے فتاویٰ کے مجموعہ کی بھی اشاعت ہو؛ لیکن اس عاجز کے فقہی سوالات کے جوابات لکھنے کا سب سے بڑا محرک "روزنامہ منصف حیدرآباد" ہے، جس میں سوال وجواب کا کالم اس سے متعلق ہے، اس وقت "کتاب الفتاویٰ" کی جو مزید چار جلدیں قارئین کے سامنے ہیں وہ قریب قریب ان ہی فتاویٰ کا مجموعہ ہیں، جنھیں ۱۹۹۹ء سے یہ کالم یہ حقیر لکھ رہا ہے، درمیان میں چند مہینوں کا ایک وقفہ آیا، جب مسلکی تعصب کی بناء پر بعض حلقوں کی شورش کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع رہا؛ چنانچہ اس سے پہلے دسمبر ۲۰۰۳ء تک کے جوابات طبع ہوئے تھے، جو چھ جلدوں پر مشتمل ہیں، اب اس کے بعد سے لے کر دسمبر ۲۰۱۲ء تک کے جوابات اس نئے مجموعہ میں شامل ہیں، پہلی چھ جلدوں میں مسائل کی تعداد ۲۳۲۴ تھی، اب ان چار جلدوں میں مسائل کی تعداد ۱۷۵۸ ہے، اس طرح مجموعی طور پر کتاب کی دس جلدیں ۴۰۸۲ مسائل پر مشتمل ہیں۔

سالہا سال کے ریکارڈ کی حفاظت دشوار ہوتی ہے؛ اس لئے کچھ جوابات وہ بھی ہیں، جو محفوظ نہیں رہ سکے؛ لیکن بظاہر ان کی تعداد کم ہی ہوگی، خوشی کی بات ہے کہ یہ کالم دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، شمالی اور جنوبی ہند کے بعض علاقائی اخبارات اس کو مستقل طور پر نقل کرتے ہیں، اور ادھر کئی سالوں سے اردو ٹائمز بمبئی بھی اسے پابندی سے شائع کررہا ہے، جو بمبئی سے نکلنے والے روزناموں میں دوسرا سب سے کثیر الاشاعت اردو اخبار ہے، اور دور دور تک پہنچتا ہے۔

عام طور پر سماج میں پیش آنے والے مسائل کی نوعیت میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا، اس لئے سوالات میں بہت تکرار ہوتی ہے، اس مجموعہ میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ تکرار سے بچا جائے، پچھلی چھ جلدوں میں جو مسائل آچکے ہیں، وہ اس میں مکرر نہ ہوں، اور خود ان چار جلدوں میں جو مسائل بہ تکرار آئے تھے، وہ بھی حذف کرائے جائیں، پھر بھی آخری نظر ڈالتے وقت اندازہ ہوا کہ دو چار مسائل مکرر آگئے ہیں؛ لیکن چونکہ سوالات کی نوعیت میں تھوڑا سا فرق تھا

اور جوابات میں بھی تفصیل و اختصار کے لحاظ سے بالکل یکسانیت نہیں تھی، اور ساری ترتیب، کمپوزنگ وسیٹنگ مکمل ہونے کے بعد درمیان سے کسی حصہ کو حذف کرنا دشوار بھی تھا، اس لئے ان کو حذف نہیں کیا گیا، امید ہے کہ یہ تکرار بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔

بکھرے ہوئے مسائل کو فقہی ترتیب کے مطابق ابواب وفصول پر تقسیم کرنا آسان کام نہیں ہے، اسی طرح مکررات کو تلاش کرنا اور یہ دیکھنا کہ ان کو باقی رکھنا مفید ہوگا یا خالی از فائدہ ہوگا؟ ایک دشوار کام ہے، اس کے لئے فہم وبصیرت، محنت اور فقہی ذوق کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیز گرامی جناب مولانا مفتی محمد عبید اللہ سیمان مظاہری زادہ اللہ علماً وتوفیقاً کو، کہ انہوں نے توجہ اور سلیقہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا اور جیسے پہلی چھ جلدوں کو مرتب کیا تھا، ویسے ہی ان چار جلدوں کی ترتیب بھی ان ہی کے ذریعہ عمل میں آئی۔

اس حقیر کا عام معمول مسائل لکھتے وقت فقہی عبارتوں کو مع حوالہ ذکر کرنے کا ہے، اسی لئے حوالہ جات کی تخریج کا کوئی خاص کام ان جلدوں میں باقی نہیں تھا؛ لیکن جہاں کہیں ضرورت پڑی، وہاں احادیث کی تخریج کی خدمت عزیزی مولانا محمد جہانگیر اصلاحی سلمہ (شعبۂ تحقیق) نے انجام دی ہے، اور کہیں کہیں فقہی تخریج کی ضرورت تھی، اس کام کو معہد کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے سال دوم کے طلبہ نے پورا کردیا، آخری مرحلہ میں میرے ساتھ مل کر تصحیحات کا کام کرنے میں عزیز گرامی قدر مولانا محمد فرقان فلاحی (اورنگ آباد) اور مولانا محمد وزیر مظہری (بنارس) سلمہم اللہ کا تعاون خاص طور پر شامل رہا۔

میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس موقف میں نہیں تھا کہ پورے مسودہ پر خود نظر ڈالوں؛ لیکن دل چاہتا تھا کہ کسی صاحب علم کی نظر سے گزر جائے اور اچھی طرح پروف ریڈنگ بھی ہوجائے؛ چنانچہ یہ ذمہ داری اس حقیر نے عزیزان مولانا محمد اشرف علی قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مولانا شاہد علی قاسمی اور مولانا منور سلطان ندوی (بارك الله في حياتهم وجهودهم) کے حوالہ کی، اور یہی پروف ریڈنگ ان ہی حضرات کے ذریعہ انجام پائی، پھر خود آخری نظر ڈالنے سے پہلے چاروں جلدوں کا مسودہ عزیزی الاعز مولانا محمد شاہد علی

قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ (استاذ معہد) کے سپرد کیا، انہوں نے ماشاء اللہ بڑی توجہ کے ساتھ پورے مسودہ کو دیکھا، جہاں کہیں کوئی کھٹک پیدا ہوئی، اس کی طرف متوجہ کیا، اور پھر باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ حسب ضرورت بعض تبدیلیاں بھی کی گئیں، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

ترتیب کتاب کی اس روداد کے ساتھ اس بات کو واضح کرنا بھی مناسب محسوس ہوتا ہے کہ یہ حقیر اپنے بزرگوں کا خوشہ چیں ہے اور ان کی کاوشوں کو سرمۂ چشم بناتے ہوئے کوئی بھی کام کیا کرتا ہے؛ لیکن موجودہ دور کے حالات، عوام و خواص کے فکری رجحانات اور نئی نسل کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے سوالات کے جواب دینے میں درج ذیل امور کو خاص طور پر پیش نظر رکھتا ہے:

- کوشش ہوتی ہے کہ مسائل کی تشریح کے لئے آسان اور عام فہم زبان استعمال کی جائے، مشکل الفاظ اور دقیق اصطلاحات سے بچا جائے۔
- جواب لکھنے میں طول کلام بھی نہ ہو کہ سوال کرنے والے کو جواب میں اپنا جواب تلاش کرنا پڑے، اور اتنا اختصار بھی نہ ہو کہ ذہن مطمئن نہ ہو پائے۔
- موجودہ دور میں ہر بات کو عقل کی ترازو میں تول کر قبول کرنے کا مزاج پیدا ہو گیا ہے؛ حالاں کہ ہونا یہ چاہئے کہ ایک مسلمان کے لئے اتنا بتا دینا کافی ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان اس طرح ہے، یا اس فرمان سے مستنبط کی جانے والی بات یہ ہے؛ لیکن بہر حال علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے اذہان کو بھی مطمئن کریں؛ تاکہ "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ" کا تقاضا پورا ہو، بالخصوص اس وجہ سے کہ بہ حیثیت مسلمان ہم سبھوں کا ایمان ہے کہ شریعت کا کوئی حکم انسان کی عقل کوتاہ سے ماوراء تو ہو سکتا ہے، عقل اور مصلحت کے خلاف نہیں ہو سکتا؛ اس لئے جن مسائل کے بارے میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اس طرز فکر کی وجہ سے صرف حکم کی وضاحت سے مطمئن نہیں ہوں گے تو وہاں ایک حد تک ان احکام کی حکمت

مصلحت کو واضح کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اس کی ضرورت اخبار میں چھپنے والے سوال و جواب میں زیادہ پیش آتی ہے؛ کیونکہ اس کے قارئین میں ہر طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

- آداب افتاء میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مقلدین کو براہِ راست قرآن وحدیث کے حوالہ سے جواب نہیں دینا چاہئے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ تقلید کرتے ہیں، وہ ادلہ شرعیہ — کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس — کو ذکر کرنے کا حق ہی نہیں رکھتے؛ بلکہ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان کو براہِ راست اجتہاد واستنباط کا کام نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اگر ان دلائل کو نقل کر دیا جائے، جن سے ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے استدلال کیا ہے، تو اس میں مضائقہ نہیں، اس سے مکمل گریز کرنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ مقلدین صرف فقہاء کے اقوال کو اختیار کرتے ہیں، کتاب وسنت کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے؛ اس لئے یہ حقیر کوشش کرتا ہے کہ جو مسائل منصوص ہوں، ان میں کتاب وسنت کی نصوص ذکر کر دی جائیں، پھر کتب فقہ کی عبارات نقل کی جائیں۔
- اس بات کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں اور ان میں مشائخ کے مختلف اقوال ہیں، یا قول مفتی بہ میں اختلاف ہے تو جو قول موجودہ احوال کے مطابق یعنی فقہاء کی زبان میں ''اوفق بالزمان'' ہو، اسے اختیار کیا جائے، ایسی رائے بتقاضۂ مصلحت کبھی تیسیر وسہولت پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی حزم واحتیاط پر — اس سلسلہ میں اسی کتاب کے مندرجات میں سے خصوصی طور پر نصاب زکوٰۃ کے سلسلہ میں وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے جو نصاب مقرر فرمایا تھا، اس کی قدر تقریباً آج بھی اسی طرح باقی ہے، جو اس عہد میں تھی، حدیث میں ایک دینار میں ایک بکری خریدنے کی بات آئی ہے تو آج بھی ایک دینار کے بقدر سونے میں ایک بکری خریدی جا سکتی ہے، سونے کے کسی نہ کسی درجہ میں کرنسی سے مربوط ہونے کی وجہ سے اس کی قدر میں استحکام ہے؛ لیکن چاندی کا رشتہ چوں کہ کرنسی سے باقی نہیں رہا اور عملی طور پر ثمنیت سے اس کا تعلق ختم ہو گیا؛ اس لئے اس کی قدر انتہائی کم ہو گئی، یہاں تک کہ موجودہ دور میں اگر چاندی

کے نصاب کو معیار بنایا جائے تو یہ صورت حال بنتی ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف چھ تولہ سونا ہو تو زکوۃ واجب نہیں، اور اگر ایک ڈیڑھ تولہ سونا اور چند تولے چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہو جائے گی؛ اس لئے اس حقیر کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس چاندی کا پورا نصاب ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی؛ کیوں کہ اس پورے نصاب پر زکوۃ کا واجب ہونا منصوص ہے، اور اگر سونے کا پورا نصاب ہو تو ظاہر ہے کہ اس نصاب کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی؛ لیکن اگر کسی شخص کے پاس کرنسی ہو، مال تجارت ہو، یا کچھ سونا کچھ چاندی، یا کچھ سونا چاندی اور کچھ روپے ہوں تو سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا، اور یہی مقدار حرمت زکوۃ کے لئے بھی معیار ہوگی؛ کیوں کہ اگر چاندی کو معیار بنایا جائے تو خاص کر ان لوگوں کو متعین کرنا بہت دشوار ہو جائے گا، جن کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ آج کل خط غربت سے نیچے زندگی گذارنے والوں کے پاس بھی بنیادی ضروریات (حاجت اصلیہ) کے علاوہ ۵۲/تولہ چاندی کی قیمت کے اسباب موجود ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے اس حقیر کی وہ تحریر دیکھی جاسکتی ہے، جو اس مسئلہ پر شائع ہونے والے فقہی مجلہ (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) میں شائع ہوئی ہے۔

- یہ حقیر خاص طور پر اس کی کوشش کرتا ہے کہ اگر معاملات سے متعلق کوئی مروجہ صورت جائز نہیں ہو؛ لیکن اس کا کوئی جائز متبادل ہو سکتا ہو تو جو صورت دریافت کی گئی ہے، اس کے عدم جواز کو بتاتے ہوئے متبادل صورت کی بھی نشاندہی کر دی جائے؛ تاکہ لوگوں کے دلوں میں شریعت کی محبت پیدا ہو اور یہ تصور قائم نہ ہو کہ -نعوذ باللہ- شریعت میں موجودہ مشکلات کا حل موجود نہیں ہے۔
- فتاوی میں عام طور پر قانونی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے اور صرف شرعی احکام کی رہنمائی کر دی جاتی ہے؛ لیکن موجودہ دور میں دین سے دوری کی وجہ سے بہت سے مواقع پر یہ بات ناکافی محسوس ہوتی ہے؛ اس لئے یہ حقیر بعض مسائل میں حکم شرعی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دعوتی وتذکیری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے چند جملے ترغیب وترہیب کے بھی لکھ دیتا ہے؛ کیونکہ اصل مقصد لوگوں کو صرف احکام شریعت کا بتانا نہیں ہے؛ بلکہ ان کو احکام شریعت پر لانا

ہے، اور اس کے لئے یہ اسلوب مفید و مؤثر ہوتا ہے۔

کتاب الفتاویٰ کے جوابات میں امید ہے کہ اہل علم اور اصحاب ذوق اس منہج کی جھلک پائیں گے۔

ایک تجربات یہ ہے کہ قارئین کو اس کتاب میں جدید مسائل کی اچھی خاصی تعداد ملے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الافتاء میں سوالات کی زیادہ تر تعداد ان مسائل سے متعلق ہوتی ہے، جو عام لوگوں کو پیش آتے ہیں؛ لیکن اخبار کے قارئین میں ہر شعبۂ زندگی کے لوگ ہوتے ہیں، تاجرین، صنعت کار، ڈاکٹر، انجینئر، فنی ماہرین اور علماء و عصری تعلیم یافتہ حضرات، یہ بھی اپنے اپنے شعبہ میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اس لئے اخبارات کے ذریعہ عصری مسائل سے متعلق غالباً زیادہ سوالات آجایا کرتے ہیں۔

اس مجموعہ میں آنے والے بہت سے مسائل وہ ہیں، جن پر اس حقیر کی مستقل تفصیلی تحریریں موجود ہیں، لیکن یہاں اس کا جواب مختصر انداز پر دیا گیا ہے؛ کیونکہ فتاویٰ یا اخبار میں طبع ہونے والے جوابات میں زیادہ تفصیل و وضاحت کا موقع نہیں ہوتا، البتہ جن جدید مسائل میں دلائل اور تفصیل کے اعتبار سے تشنگی محسوس ہو، ان میں جدید فقہی مسائل، قاموس الفقہ، سہ ماہی بحث و نظر کے مقالات اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے مجلات سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اخباری کالم میں عام طور پر مختصر اور حسب ضرورت جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود کتاب الفتاویٰ کی مطبوعہ چھ جلدوں کو عوام اور اہل علم کے درمیان جو پذیرائی حاصل ہوئی، وہ میری امید سے کہیں بڑھ کر ہے، کم عرصہ میں یہ کتاب نہ صرف برصغیر کے تمام حلقوں میں پہونچ گئی؛ بلکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں اردو قارئین ہیں، وہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور بہت سے اہل قلم نے ایک حوالہ کی کتاب کی طرح اپنی کتابوں میں اس

کے اقتباسات نقل کیے، یہ محض اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے اور ہمارے اساتذہ اور بزرگوں کی دعائیں ہیں، جو ہمارے لئے سب سے بڑا اثاثہ ہیں۔

اخیر میں اہل علم سے گذارش ہے کہ ان کو جہاں کہیں کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے، وہ ضرور متوجہ فرمائیں؛ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے، یہ اس حقیر کے ساتھ ان کا بڑا تعاون ہوگا کہ کسی غلطی کرنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کر دینا ہی اس کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے!

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اپنے مقبول بندوں کے درمیان بھی اس کی پذیرائی کا سامان پیدا فرمادے اور لوگوں کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے۔ واللہ هو المستعان۔

۵ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۴ جولائی ۲۰۱۴ء

عرضِ مرتب

میری خوش قسمتی اور نصرت الٰہی کی بات ہے کہ "کتاب الفتاوی" کی پہلی چھ جلدوں کی ترتیب کے بعد اب چار جلدوں کی ترتیب بھی اسی بندہ کے حصہ میں آئی۔

استاذ الاساتذہ، صاحب فکر ونظر عالم دین، ممتاز فقیہ حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی - حفظہ اللہ ورعاہ - (بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، ورکن فقہ اکیڈمی رابطہ عالم اسلامی، مکۃ المکرمہ) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے آں مخدوم کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ ایسے خطیب ہیں، جو سامعین کے دل ودماغ کو فتح کر لیتے ہیں، آپ ایسے انشاء پردازوں میں سے ہیں، جن کی زبان کی حلاوت اور تعبیر وبیان کی سلاست عوام وخواص دونوں کو متاثر کرتی ہے، علوم قرآن اور فن تفسیر میں بھی آپ کو عبور حاصل ہے، اسلام پر اعتراضات اور الزامات کا جواب بھی خوش اسلوبی سے تشفی بخش طریقہ پر دیتے ہیں، تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے خوب ذوق سلیم پایا ہے، اسی طرح افراد کار تیار کرنے کا ملکہ علماء ہند وپاک میں جن چند حضرات کے حصہ میں آیا ہے، ان میں حضرت الاستاذ نمایاں طور پر شامل ہیں، اور المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اس کی زندہ مثال ہے، معہد کی چودہ سالہ تاریخ میں ہر میدان کار میں معہد کے فارغین ملیں گے، معہد میں ۷۰ سے زائد مختلف موضوعات پر طلبہ نے جو لکھا ہے، وہ سب حضرت الاستاذ ہی کا نتیجہ فکر ہے۔

چنانچہ حضرت الاستاذ - دامت برکاتہم - کے فتاوی حیدرآباد کے کثیر الاشاعت روزنامہ

''منصف'' کے جمعہ ایڈیشن ''مینارۂ نور'' میں ''آپ کے شرعی مسائل'' کے عنوان سے ۱۹۹۸ء سے شائع ہونے شروع ہوئے اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اسفار اور سماجی و ملی پروگراموں کی کثرت کے باوجود یہ سلسلہ بلا انقطاع جاری رکھا ہے، اس سے پہلے ان جوابات پر مشتمل ''کتاب الفتاویٰ'' کی چھ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، جو روزنامہ منصف میں ۲۰۰۳ء تک چھپ چکے تھے، اب ان چار جلدوں میں ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۲ء تک شائع ہونے والے جوابات شامل ہیں، اس کے علاوہ شخصی طور پر بھی کثرت سے آپ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے ہیں، وہ تمام سوالات وجوابات اس میں شامل نہیں ہیں۔

میری خوش نصیبی ہے کہ اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا ہے اور کمپوزنگ کی ذمہ داری بھی میرے ہی حصہ میں آئی، پہلی چھ جلدوں کی طرح ہی میں نے ان چار جلدوں کی ترتیب بھی رکھی ہے، وجہ ظاہر ہے کہ جن حضرات کے پاس پہلے کی چھ جلدیں موجود ہوں، ان کو اب چار جلدیں ہی حاصل کرنی ہوں گی، ان شاء اللہ جب بھی اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو پوری دس جلدوں کو ازسرنو مکمل ترتیب دے دوں گا، اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو مسائل پہلی چھ جلدوں میں آچکے ہیں، ان سب کو حذف کردیا جائے؛ تاکہ مکررات کی وجہ سے قارئین کو اکتاہٹ نہ ہو۔

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب واشاعت میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے، خاص طور سے مولانا مفتی شاہد علی قاسمی (استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)، مولانا مفتی اشرف علی قاسمی، (استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی کا بے حد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے کتاب کی مختلف جلدوں کو اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حضرت الاستاذ کے حسب ایماء حرفاً حرفاً پڑھا ہے —— اور نا انصافی ہوگی اگر مولانا محمد جہانگیر اصلاحی (شعبۂ تحقیق، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) مولانا محمد فرقان فلاحی (اورنگ آباد) اور مولانا محمد وزیر مظہری (شعبۂ تحقیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ انہوں نے ترتیب کے بعد نظر ثانی

میں حضرت الاستاذ کے ساتھ تعاون کیا، اور نا انصافی ہوگی اگر عزیزی مولانا محمد شمیم قاسمی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ انھوں نے فہرست سازی اور کمپوزنگ میں میرے ساتھ تعاون کیا، نیز بڑی نا سپاسی ہوگی اگر المعہد کے اختصاص فی الفقہ والافتاء کے طلبہ کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے بھی تخریج حوالہ جات میں اعانت کی ہے، فجزاھم اللّٰہ خیر الجزاء ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کارِ خیر کو ہمارے لیے اور ہمارے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین یارب العالمین !۔

۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ — محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

۱۱؍ جولائی ۲۰۱۴ء — (قباگرافکس، حیدرآباد)

کتاب الفتاوی

ساتواں حصہ

کتاب الایمان

ایمانیات سے متعلق مسائل

ایمانیات سے متعلق مسائل

پوجا کی مجلس استقبالیہ میں مسلمان

سوال:- دیویوں اور دیوتاؤں کی مخصوص پوجا میں شرکت کے لئے پوسٹرس آج کل شائع ہوتے ہیں، اس کے منتظمین اور مجلس استقبالیہ میں کئی مسلمانوں کے نام اور ان کی تصویریں بھی شامل ہوتی ہیں، کیا ایسے لوگوں کا اسلام سے تعلق برقرار رہے گا؟

(شمشیر پان شوپ، چکر پلی)

جواب:- اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنے مذہب پر قائم رہیں اور دوسروں کے مذہبی امور میں خلل نہ پیدا کریں، گو ہم انہیں غلط ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں؛ لیکن یہ بھی درست نہیں کہ ہم کوئی ایسا عمل کر گزریں جو ہمارے بنیادی عقیدہ اور فکر کے خلاف ہو، مسلمانوں کے لئے غیر اللہ کی پرستش کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی اور شرک کا ارتکاب جس طرح گناہ ہے اسی طرح مشرکانہ افعال میں شریک اور معاون ہونا بھی گناہ ہے: لہٰذا کسی مسلمان کے لئے پوجا کے انتظام وانصرام میں شامل ہونا قطعاً ناجائز وحرام ہے؛ البتہ ہوسکتا ہے کہ ان مسلمانوں نے بہ کراہیت خاطر کسی مجبوری یا مصلحت کے تحت اپنا نام دیا ہو؛ اس لئے ان کو کافر قرار دینے میں احتیاط برتنی چاہئے؛ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا یہ فعل قریب بہ شرک ہے، ایسے بھائیوں کو محبت وحکمت کے ساتھ سمجھایئے اور اس مشرکانہ عمل سے بچایئے۔ وباللہ التوفیق۔

بتوں پر چڑھائے ہوئے ناریل کو خرید کرنا

سوال:- غیر مسلم جب مندر کو جاتے ہیں تو پوجا پاٹ کرتے ہوئے ناریل عام طور پر پھوڑتے ہیں اور اس کا آدھا حصہ بہ طور تبرک گھر لے جاتے ہیں اور بقیہ آدھا حصہ جس پجاری کے ذریعہ پوجا کراتے ہیں، انہیں دے دیتے ہیں اور پجاری کے پاس روزانہ کئی لوگ آتے ہیں اور ہر آنے والا آدھا حصہ اس کو دے کر جاتا ہے، اس طرح شام تک پجاری کے پاس کئی ناریل جمع ہو جاتے ہیں اور پجاری نیلام کے ذریعہ ہوٹل والوں کو فروخت کرتا ہے اور ہوٹل والے اس ناریل کو اپنے پکوان میں استعمال کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ایسے ہوٹلوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا پجاری سے ناریل خریدا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (محمد علاء الدین ندوی، تنالی)

جواب:- یہ بات ظاہر ہے کہ ناریل خود ایک جائز اور حلال پھل ہے؛ لیکن اگر کوئی حلال چیز بھی غیر اللہ پر چڑھائی جائے تو وہ حرام ہو جاتی ہے اور قرآن مجید میں: ﴿ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ (۱) جو وارد ہوا ہے، یعنی وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ ایسی تمام چیزوں کو شامل ہے، خواہ وہ حیوان ہوں یا نباتات میں شامل ہوں؛ اس لئے جب وہ بتوں پر چڑھا دیا جائے تو اب یہ حرام ہو گئے، اگر چہ خریدار نے خود بت پر نہیں چڑھایا ہے؛ لیکن اصول یہ ہے کہ اگر کسی شئی کا حرام ہونا معلوم ہو تو ملکیت بدل جانے کے بعد بھی حرمت متعدی ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی دوسرا شخص اس کو خرید کر لے، یا بہ طور تحفہ کے وہ اس کے حصہ میں آئے، تب بھی وہ حرام ہی باقی رہے گی، ملکیت کی تبدیلی کی وجہ سے حرمت ختم نہیں ہوتی، چنانچہ درمختار میں ہے: "الحرمة تنتقل مع العلم" (۲) نیز شامی نے علامہ عبدالوہاب شعرانی سے نقل کیا ہے:

---

(۱) البقرة ۱۷۳ (۲) الدر مع الرد: ۹/۵۵۴

" و ما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى
إلي ذمتين ، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي ، فقال : هو
محمول علی ما إذا لم يعلم بذلك " (۱)

غرض کہ مسلمانوں کے لئے پجاری کے پاس سے ناریل خرید کرنا جائز نہیں ، رہ گیا اس ناریل میں پکا ہوا پکوان ہو اس میں چوں کہ ناریل کو سالن کے دوسرے اجزاء سے الگ کرنا ممکن نہیں اور ناریل بذات خود حلال ہے ؛ اس لئے اس کے کھانے میں کراہت تو ہوگی ، مگر بالکل حرام نہیں ہوگا ۔

بزرگوں کی تصویر پر پھول مالا چڑھانا

سوال :- کسی بزرگ کی تصویر کا فریم بنا کر دکان میں رکھنا ، اس پر پھول مالا چڑھانا اور اگربتی جلانا کیا جائز ہے ، جبکہ اس کا مقصد صرف احترام ہو پوجا نہیں ہو؟ (جاوید اختر ، سنتوش نگر)

جواب :- جاندار کی تصویر بنانا اور اس کو خریدنا اور بیچنا حرام ہے اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے ، خاص کر وہ تصویر جس کو بطور احترام کے لٹکا کر رکھا گیا ہو ، ان کے ناجائز ہونے پر تو جمہور فقہاء متفق ہیں اور تصویر کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے لوگوں کے ذہن میں اس کی عظمت و توقیر پیدا ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ لوگوں کو شرک کی طرف لے جاتی ہے ، پھول چڑھانا اور اگربتی جلانا تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ صاحب تصویر کی مبالغہ آمیز طریقہ پر تعظیم مقصود ہے ؛ کیوں کہ غیر مسلم حضرات اپنے دیوتاؤں اور دیویوں پر اسی طرح پھول چڑھاتے اور اگربتی جلاتے ہیں ، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تصویر کے حرام ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی دو علتیں ہیں : ایک تعظیم ، دوسرے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت :

---

(۱) رد المحتار : ۹/۵۵۳

"... وقد ظهر من هذا أن علة الكراهة في المسائل كلها إما التعظيم أو التشبيه" (۱)

اور یہ دونوں ہی باتیں اس صورت میں پائی جا رہی ہیں ؛ اس لئے بزرگوں کی تصویریں بنانا ، انھیں لٹکانا اور ان تصویروں پر پھول مالا چڑھانا یا اگربتی جلانا جائز نہیں اور یہ خود ان بزرگوں کی تعلیمات اور ہدایات کے بھی خلاف ہیں ۔

"سولہ سیدوں" کے نام سے روزہ

سوال :- آج کل حیدرآباد میں خصوصاً نوجوان لڑکیوں میں "سولہ سیدوں" کے نام سے روزے رکھنے کا رجحان پایا جا رہا ہے ، اس تعلق سے وضاحت کریں تو مہربانی ہوگی ۔

(عائشہ نسرین ، ہاشم آباد)

جواب :- روزہ ایک اہم ترین عبادت ہے ، اور تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہیں ، اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی جائز نہیں ، خواہ وہ کسی بھی درجہ و مقام کا آدمی ہو : ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (۲) اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا ، کسی اور کے لئے یا کسی اور کے نام سے روزہ رکھنا جائز نہیں ، فقہاء نے تو کسی اہم شخص کے احترام میں جانور ذبح کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے ؛ کیوں کہ اس میں بھی بندگی کا شبہ پایا جاتا ہے :

"ذبح عند قدوم الأمير ، ونحوه كواحد من العظماء يحرم" (۳)

---

(۱) رد المحتار ۲/۴۱۷

(۲) الذاریات ۵۶

(۳) ردالمحتار ۹/۴۴۹

البتہ کسی مسلمان کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی عمل کرنا درست ہے، اس میں عبادت اللہ کے لئے ہے اور دُعاء و اجر و ثواب اللہ کے بندوں کے لئے، عبادت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور بندوں کو دُعاء کی ضرورت ہے:

" إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة " (۱)

سولہ سیدوں کے نام ہر ماہ کی سولہ کو روزہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مسلمانوں میں خواتین کی ایک تعداد ایسی ہے کہ جو سولہ سیدوں کے نام سے روزہ رکھتی ہے، طریقہ یہ ہے کہ کسی مصیبت سے نجات پانے کے لئے خواتین ہر قمری ماہ کی سولہ تاریخ کو سولہ ماہ تک پابندی سے روزہ رکھتی ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا عمل درست ہے؟

(محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- روزہ ایک عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے؛ اس لئے ساری عبادتیں اللہ ہی کے لئے درست ہیں، کسی اور کے لئے نہیں، کسی اور کے لئے عبادت کرنا شرک ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا '' (۲) یعنی مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرو، امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ یہاں ''مسجدوں'' سے ''نمازیں'' مراد ہیں: ''المساجد هي الصلوات '' (۳)

اور چوں کہ عبادت ہونے کے لحاظ سے نماز و روزہ دونوں برابر ہیں؛ اس لئے تمام

---

(۱) ہدایہ: ۱/۲۹۶

(۲) الجن: ۱۸

(۳) مفاتيح الغيب: ۱۵/۲۲۹

عبادتوں کا حکم یکساں ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امیر کی آمد پر اس کی تعظیم کے طور پر جانور ذبح کیا جائے، تب بھی یہ حرام ہوگا ؛ کیوں کہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے مترادف ہے:

" ذبح لقدوم أمیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم ؛ لأنه أهل به لغیر الله " (۱)

لہٰذا اسول سیدوں کے نام سے روزہ رکھنا قطعاً جائز نہیں، یہ مشرکانہ عمل ہے اور سوا لہ ماہ تک ہر قمری مہینہ کی سولہ تاریخ کو خاص طور پر روزہ رکھنا قرآن وحدیث یا صحابہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہیں ہے ؛ اس لئے مسلمان خواتین کو ہرگز ایسی گمراہ کن باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے، اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگنے کے لئے نماز حاجت ادا کی جاسکتی ہے، سورۂ یٰس پڑھی جاسکتی ہے اور وہ دعائیں کی جاسکتی ہیں، جن کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔

کیا بے نمازی مرتد ہے؟

سوال:- ریاض سے ایک کیسٹ آئی ہے، مقرر کا نام عبد الحلیم ہے، انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے:

(۱) بے نمازی مرتد ہے۔

(۲) اگر کسی کی بیوی نمازی ہو اور شوہر بے نمازی، یا شوہر نمازی اور بیوی بے نمازی تو ایسوں کا نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے؟

(۳) بے نمازی اولاد کا میراث میں کوئی حصہ نہیں۔

کیا یہ تمام باتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں؟

(سید شاہنواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے اور اس کا اہتمام نہیں کرنا سخت گناہ

(۱) الدر المختار مع الرد : ۹ ؍ ۴۴۹

اور معصیت ہے، اس کا اہتمام نہ کرنے کی صورت میں آدمی فاسق ہو جاتا ہے؛ لیکن یہ موجب کفر نہیں، اس لیے نماز نہ پڑھنے والے کو مرتد کہنا اور اس پر ارتداد کے احکام جاری کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس کا نکاح ختم ہو گیا اور اس کی اولاد اس کے ترکہ میں حصہ دار نہیں سخت گمراہی اور انتہائی درجہ کی ضلالت ہے، اس غلو سے بچنا چاہیے، یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کے معاملہ میں بہت ہی احتیاط برتنی چاہیے۔

بتوں پر چڑھائے ہوئے ناریل

سوال:- آج کل حیدرآباد و سکندرآباد کی آندھرا ہوٹل — جسے ہندو ہوٹل بھی کہا جاتا ہے — کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان ہوٹلوں میں مندر میں چڑھایا ہوا ناریل چٹنی وغیرہ بنانے کے لئے استعمال ہو رہا ہے ہندو لوگ مندر میں ناریل چڑھاتے ہیں اور آدھا ناریل مندر کے پجاری کو دے دیتے ہیں: بلکہ زیادہ تر لوگ پورا ناریل پجاری کو دے دیتے ہیں، یہ پجاری ان ناریلوں کو جو سینکڑوں اور بعض مندروں میں ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں، ہوٹل والوں کو بیچ دیتے ہیں، کیا مسلمان ایسی ہوٹلوں میں کھانا کھا سکتے ہیں؟ (م م، معظم، مشیرآباد)

جواب:- جو ناریل بتوں پر چڑھایا گیا ہو، مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا درست نہیں؛ کیوں کہ وہ اعتقادی ناپاکی سے آلودہ ہے؛ البتہ جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے یا ثبوت و شواہد کی بنیاد پر غالب گمان حاصل نہ ہو جائے کہ اس ہوٹل میں مندر میں چڑھایا ہوا ناریل استعمال ہو رہا ہے، اس وقت تک محض شبہ اور بے دلیل گمان کی بنیاد پر ناریل اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ابھی بھی بت ہیں جماعت کی آستینوں میں!

سوال: - ایک مسلمان شخص نے چند مخصوص مسلمانوں کو خاندان اور ذات پات کی نسبت سے گالی دی ہے، یہاں تک کہ مسجد کی تقسیم کی بات آگئی ہے کہ مسلمانوں کے اونچے طبقہ کو اوپر کی منزل اور نیچے کے طبقہ کو نچلی منزل ملنی چاہئے، اس وقت سے دونوں فریقوں میں بات چیت بھی جاری نہیں ہے، مہینوں کا عرصہ گذر گیا، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (ایک شہری، گوداوری کھنی)

جواب: - اس سوال کو دیکھ کر مسلمان بھائیوں کی بے شعوری اور اسلام کے مزاج و مذاق سے محرومی و مہجوری کا احساس کر کے دل خون ہوتا ہے اور شرم محسوس ہوتی ہے کہ ہم اپنے اصل مرکز سے کتنی دور ہٹ گئے ہیں اور دوسری قوموں کی کمزوریوں کو ہم نے کتنی مضبوطی کے ساتھ اختیار کرلیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو اور شرافت و عظمت کا معیار انسان کا کردار اور اس کا تقویٰ ہے نہ کہ ذات پات، ان أكرمكم عند الله أتقاكم ، قرآن مجید نے واضح طور پر بتایا کہ خاندان کی تقسیم بڑائی یا چھوٹائی کی بنیاد پر نہیں ہے؛ بلکہ یہ محض تعارف اور پہچان کے لئے ہے۔(۱) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں بھی کفر اور جاہلیت کی دو باتیں رہیں گی، خاندان و نسب پر طعن اور مردہ پر نوحہ (۲)، اس لئے جن صاحب نے دوسرے مسلمان بھائیوں کو ذات پات اور خاندان کی نسبت سے کمتر اور حقیر قرار دینے کی بات کہی ہے، انہوں نے انتہائی نامناسب بات کہی ہے، ان کو چاہئے کہ اپنے ان بھائیوں سے معافی چاہیں اور معذرت خواہی کریں جن کو تکلیف پہنچی ہے اور اس میں اپنا ''انا'' اور وقار کو دخل نہ دیں، کہ اسی میں ان کی آخرت کی سلامتی ہے، نیز دوسرے مسلمانوں کو

---

(۱) الحجرات ۱۳

(۲) مسلم ، کتاب الإیمان ، حدیث نمبر: ۶۷

ایسے واقعات پر تماشہ بین بن کر نہیں رہنا چاہئے، بلکہ باہمی اختلاف کو پاٹنے اور اسے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، کہ یہ تمام مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، نیز سب مل کر ایک ساتھ نماز ادا کریں، ذات پات کی بنیاد پر مسجد کی تقسیم کی بات نہایت جاہلانہ ہے؛ کیوں کہ مسجد یں اللہ کا گھر ہیں اور مسجدوں کے مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ لوگ یہاں "من وتو" کے فرق کو مٹا کر دوش بدوش اللہ تعالیٰ کے دربار میں جھک جائیں، نہ کہ یہاں بھی اپنی آستینوں میں تفریق وامتیاز کا بت چھپائے رکھیں۔

گنیش مورتی پر پھول چڑھانا اور نعرہ لگانا

سوال:- کیا مسلمان گنیش مورتی پر پھول چڑھاتے ہوئے گنیش مہاراج کی جئے کا نعرہ بلند کر سکتے ہیں؟ کیا ایسے مسلمانوں کو دوبارہ کلمۂ طیبہ پڑھنا ضروری ہے؟ (سید محمود خان، مشیر آباد)

جواب:- گنیش مورتی یا کسی اور مورتی پر پھول چڑھانا جائز نہیں، یہ مشرکانہ عمل ہے، اسی طرح "گنیش مہاراج کی جئے" کا نعرہ لگانا کفریہ نعرہ ہے، اس طرح کا قول وفعل قطعاً حرام ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان اس کا مرتکب ہوا تو اس کو اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہئے اور استغفار کرنا چاہئے، یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ہم دوسروں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کریں، کسی مذہب یا مذہبی پیشواؤں کی بے حرمتی سے پرہیز کریں اور دوسروں کے مذہبی جذبات کا لحاظ رکھیں، اسلام ایک روادار مذہب ہے اور عقیدہ وضمیر کے مسئلہ میں جبر ودباؤ کا قائل نہیں ہے؛ لیکن کسی مسلمان کے لئے عقیدۂ توحید کے معاملہ میں بال برابر بھی انحراف کی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے نہ ہمیں اپنے عقیدہ اور دین کے خلاف عمل میں مبتلاء ہونا چاہئے اور نہ دوسرے مذہب کے لوگوں سے اس بات کا خواہشمند ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے طور وطریق کی پیروی کریں۔

مورتی کے سامنے جانور ذبح کرنا

سوال:- زید کے ایک غیر مسلم پڑوسی نے اسے بکرا ذبح

کرنے کے لئے بلایا، جب وہ وہاں پہنچا تو ایک مورتی کی تصویر کے سامنے بکرے کو لایا گیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے غیر مسلم کی نیت صرف بھینٹ کی ہی ہوسکتی ہے، لیکن زید نے اس احساس کے ساتھ کہ تصویر کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بکرے کو ذبح کردیا، کیا اس کا یہ عمل موجب گناہ ہے؟

(محمد اویس خان، پان شاپ چکڑ پلی)

جواب:- مورتی کی تصویر کے سامنے بکرے کو ذبح کرنا حرام ہے، گو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے، قرآن نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور کو بھی حرام قرار دیا ہے، ﴿ وما أهل لغير الله به ﴾(۱) اور اس جانور کو بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے، ﴿ وما ذبح على النصب ﴾(۲) مورتی کی تصویر کے سامنے ذبح کرنا اسی دوسری قسم میں شامل ہے، یہ خیال کرلینا درست نہیں کہ اس تصویر کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ کے مقابلہ کسی بھی مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن جب اس کی تعظیم میں جانور کو ذبح کیا جائے تو گویا نعوذ باللہ خدا کا ہمسر قرار دینا ہے، اور اس میں کفر کا اندیشہ ہے؛ بلکہ حکم شرع سے واقف ہونے کے باوجود تصویر کو مقدس سمجھتے ہوئے جانور ذبح کیا جائے تو کفر ہے، زید کو چاہئے کہ اس سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہو اور آئندہ ہرگز ہرگز ایسا عمل نہ کرے۔ وباللہ التوفیق

جھنڈا لہرانا اور اس موقع پر کھڑا ہونا

سوال:- آزادی کے موقع پر قومی پرچم لہرایا جاتا ہے، قومی پرچم لہرانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ پرچم لہراتے وقت حاضرین کھڑے رہتے ہیں، کیا جھنڈا لہرانا اور جھنڈے کے احترام میں کھڑا رہنا شرعاً درست ہوگا؟ (علاء الدین، تانڈور)

---

(۱) المائدہ ۳ (۲) المائدۃ ۳

جو اب:- جھنڈے کی حیثیت علامتی ہوتی ہے ؛ بلکہ اسی لئے عربی زبان میں جھنڈے کو "علم" کہتے ہیں ؛ کیوں کہ "علم" کے معنی نام کے ہیں اور نام سے اشیاء و افراد کی پہچان ہوتی ہے، اسی طرح جھنڈے سے ملک اور قوم کی شناخت متعلق ہو جاتی ہے ؛ اسی لئے اس کا احترام کیا جاتا ہے، اس میں عبادت اور بندگی کا تصور نہیں ہوتا، غور کریں تو عہد نبوی ﷺ میں بھی جھنڈے کے احترام کا تصور ملتا ہے، جنگوں میں رسول اللہ ﷺ بعض شخصیتوں کو کسی خاص دستہ یا پوری فوج کا علمبردار بنایا کرتے تھے اور اسے بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا، بعض غزوات میں جن صحابی کو آپ ﷺ نے سپہ سالار بنایا اور لشکر اسلام کا جھنڈا ان کے حوالہ کیا، انہوں نے آخری وقت تک کوشش کی کہ یہ جھنڈا سرنگوں نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ ایک ہاتھ نے جام شہادت نوش کیا تو دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو تھامے رہے — ۱۵/ اگست کو جو ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا ہے، اس سے اس ملک کی آزادی اور خود مختاری کا اظہار ہوتا ہے، جو تمام ابنائے وطن کے لئے ہے، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اور سکھ ہوں یا عیسائی ؛ اس لئے اس کے لہرانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس موقع پر کھڑے رہنے کی بھی گنجائش ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اور ماضی قریب کے علماء میں مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (۱)

استاذ یا شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دینا

سوال:- کیا احترام کے طور پر اپنے استاذ یا شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دے سکتے ہیں، بعض حضرات اسے بھی شرک قرار دیتے ہیں، اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں۔ (محمد اسماعیل، نامپلی)

جو اب:- ہاتھ کو بوسہ دینا محبت و احترام کے جذبہ کے تحت ہوتا ہے، اس میں بندگی اور عبادت مقصود نہیں ہوتی ؛ چنانچہ صحابہ کرام کا رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لینا ثابت ہے ؛ اسی لئے فقہاء نے متبحر عالم اور بزرگ آدمی کے ہاتھ کا بوسہ لینے کو جائز قرار دیا ہے :

---

(۱) دیکھئے: فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۲۸۸، کتاب الحظر والإباحة

"ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك" (۱)

البتہ دست بوسی کو مستقل معمول نہ بنانا چاہئے اور ایسا ماحول نہ بنانا چاہئے کہ اگر کوئی شخص دست بوسی نہ کرے تو اسے برا سمجھا جائے، یا اسے سوءِ ادب خیال کیا جائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں معمولِ مبارک صرف سلام و مصافحہ کا تھا اور ایک آدھ بار ہی بعض صحابہ ؓ سے آپ کے دست مبارک کو چومنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم

علماء و مشائخ کی دست بوسی

سوال:- بہت سے لوگ علماء اور مشائخ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں، بعض علماء اس کو منع کرتے ہیں، کیا اس طرح بوسہ لینا جائز ہے؟ (امتیاز احمد قادری، پہاڑی شریف)

جواب:- صحابہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لینا ثابت ہے (۲)؛ اس لئے اگر کوئی شخص از راہ عقیدت و احترام والدین، استاذ، شیخ یا کسی دین دار شخص کے ہاتھ کا بوسہ لے لے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ کسی شخص کا دوسرے سے اس کا طلب گار ہونا کہ لوگ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا کریں، جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں کبر اور ریاء ہے:

"ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك" (۳)

ناظم مدرسہ کے لئے طلبہ کا کھڑا ہونا

سوال:- ایک مدرسہ میں یہ اصول مقرر کر دیا گیا ہے کہ

---

(۱) شامی: ۹/۵۴۹

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في قبلة الرجل، حدیث نمبر: ۵۲۲۵

(۳) الدر المختار مع الرد: ۹/۵۴۹

جب بھی ناظم مدرسہ آئیں، طلبہ ان کے لئے کھڑے ہوجائیں، یہاں تک کہ اگر قرآن مجید پڑھ رہے ہوں تو قرآن چھوڑ کر کھڑے ہوجائیں، کیا یہ درست ہے؟ (حبیب الرحمن، سکندرآباد)

جواب:- ادارہ کے ذمہ دار کا خواہش مند ہونا، نیز اس کا حکم دینا کہ اساتذہ و طلبہ ان کے لئے کھڑے ہوں، نہایت بری بات ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لئے وعید بیان فرمائی ہے جو چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے لئے کھڑے ہوں، اس لئے ناظم صاحب کا یہ عمل کسی طرح مناسب نہیں، البتہ فی نفسہ کسی قابل احترام شخص کی آمد پر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور اس کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کو روک کر بھی کھڑا ہوا جا سکتا ہے:

"وقیام قارئ القرآن لمن یجیٔ تعظیما لا یکرہ إذا کان ممن یستحق التعظیم" (۱)

قابل تعظیم سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنے تقویٰ اور علم کے اعتبار سے معاشرہ میں لائق احترام سمجھا جاتا ہو۔

عہد نبوی ﷺ میں جھنڈے

سوال:- رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جھنڈا کس رنگ کا ہوتا تھا، کس موقع پر لگایا جاتا تھا؟ اور بادلی جھنڈے کی کیا کوئی اصل ہے؟ (محمد کلیم الدین، حافظ بابانگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے جو جھنڈے استعمال کئے ہیں، وہ کسی ایک متعین رنگ کا نہیں تھا، بلکہ حدیث و سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سہولت سے جو کپڑا میسر آگیا، آپ ﷺ نے اسی کا جھنڈا بنا لیا، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کا جھنڈا سفید تھا، فتح مکہ کے موقع سے جب آپ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بھی آپ کے

---

(۱) ردالمحتار: ۹/۵۵۱

سامنے ایک صحابی سفید جھنڈا لے کر چل رہے تھے، سیاہ جھنڈے کا ذکر بھی مختلف روایات میں آیا ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں زرد جھنڈے کا بھی ذکر آیا ہے، آپ کے سیاہ جھنڈے کا نام "عقاب" تھا، اور یہ بات بھی حدیث وسیرت کی کتابوں میں آئی ہے کہ آپ کا مبارک جھنڈا "نمرہ" کا تھا، اور نمرہ کی تشریح بعض اہل علم نے ایسے کپڑے سے کی ہے، جس میں سیاہ وسفید لکیریں ہوں، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو سلیم کا جھنڈا آپ کی رضا مندی سے سرخ بنایا گیا تھا، ایک سفید جھنڈے کے بارے میں صراحت آئی ہے کہ وہ ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا، (۱) ان روایات کے مجموعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہ وقت ضرورت جو کپڑا میسر آجاتا اس کا جھنڈا بنالیا جاتا تھا، جھنڈے میں ہلال اور کلمہ کی اصل موجود ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابۃ" میں سعد بن مالک الازدی سے نقل کیا ہے کہ ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے لیے سیاہ جھنڈا بنایا گیا، جس میں سفید ہلال تھا "... وعقد له راية على قومه سوداء وفيها هلال أبيض" (۲) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے پر "لا إله إلا الله محمد رسول الله" لکھا ہوا تھا، لیکن اہل علم کے نزدیک یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔ (۳)

جھنڈے کا استعمال آپ ﷺ کے زمانے میں عام طور پر جہاد میں ہوا کرتا تھا، جہاد میں مختلف دستوں کی شناخت کے لیے ان کے الگ الگ جھنڈے بنائے جاتے تھے، فتح مکہ سے متعلق روایت اور مختلف غزوات کے ذیل میں اس کا ذکر آیا ہے، بعض دفعہ اگر کوئی وفد کہیں جاتا تو وہ بھی بطور علامت کے جھنڈا استعمال کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ ہجرت کے موقع سے قباء سے مدینہ تشریف لائے تو بعض روایتوں میں ہے کہ اس وقت بھی ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: فیض القدیر ۵/۹۸، حدیث نمبر: ۶۸۲۲، التراتیب الاداریۃ للکتانی ۱/۳۲۰

(۲) التراتیب الاداریۃ ۱/۳۲۰

(۳) حوالہ سابق ۱/۳۲۲

سامنے جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے، بعض دیگر وفود بھی جھنڈے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، غرض کہ وفود اور فوجی دستوں کی پہچان کے طور پر جھنڈا لیا جاتا تھا، میرے علم کے مطابق اس کے علاوہ اور موقعوں پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے عہد میں جھنڈے کا استعمال نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

کرسمس کی مٹھائی اور مبارکباد

سوال:- ۲۵/ دسمبر کو کرسمس کا دن ہے، اس دن عیسائی حضرات خوشی کی تقریبات منعقد کرتے ہیں، مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، مبارک باد دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں مبارکباد پیش کریں، مسلمانوں کے لئے ایسی مجلسوں میں شریک ہونا، اس موقع پر ان کے تحفے قبول کرنا، یا انہیں مبارکباد دینا درست ہے یا نہیں؟

(رفیق اقبال، بنگلور)

جواب:- کہا جاتا ہے کہ کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، لیکن آج کل اکثر عیسائی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقت میں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش نہیں ہے، اسی لئے بعض عیسائی فرقے ۲۵/ دسمبر کو کرسمس نہیں مناتے، عیسائیوں کے یہاں اب یہ مذہبی عمل کی بجائے سماجی رواج کے درجہ میں آگیا ہے؛ بلکہ بعض لوگوں کی تحقیق ہے کہ عیسائیت کے آنے سے پہلے بھی یورپ میں کرسمس منائی جاتی تھی، اس طرح اب اس پر مذہب سے زیادہ سماجی رنگ کا غلبہ ہے، دوسرے: عیسائیوں کے یہاں مٹھائیاں وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر پر چڑھائی نہیں جاتیں، اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ مٹھائی یا اس قسم کے تحفے قبول کرنا جائز ہے؛ البتہ ایسی تقریبات میں شریک ہونا اور مبارک باد دینا درست نہیں، ہاں! اگر کہیں اس کی وجہ سے ناگواری اور ضرر کا اندیشہ ہو تو سماجی رواج کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے مبارکباد دینے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

ہندو تیوہاروں میں شرکت

سوال:- ہمارے محلہ "کوکنی تی" میں ایک تاجر صاحب رہتے ہیں، جو حج بھی کر چکے ہیں اور وہ بعض ہندو تنظیموں کے ممبر بھی ہیں، ہندو تیوہاروں مثلاً بوناب، اسہرہ وغیرہ میں جلوس کی قیادت بھی کرتے ہیں اور ہمارے محلہ کی مسجد میں کبھی کبھی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں، مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ کیا شرعی اعتبار سے ان کی امامت درست ہے اور کیا ان کے پیچھے ہماری نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟　　(محمد علی، کوکنی تی)

جواب:- برادران وطن کے مذہبی تیوہاروں میں شرکت کے گناہ کبیرہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور اندیشہ کفر کا بھی ہے، اس لئے جو صاحب ایسی حرکت کرتے ہیں، ان کو فوراً توبہ کرنی چاہئے، جب تک وہ توبہ نہ کریں، ان سے امامت نہیں کرائی جائے اور نہ ان کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے، البتہ جو نمازیں پہلے پڑھی جا چکی ہیں، ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ فاسق کی اقتداء میں بھی کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح گناہ کو حرام کیا ہے، اسی طرح گناہ میں تعاون کو بھی حرام قرار دیا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى، وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۱)

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رواداری کا مطلب اپنے مذہبی تشخص کو کھو دینا اور دوسروں کے مذہبی افعال کو انجام دینا نہیں ہے؛ بلکہ رواداری یہ ہے کہ دوسروں کے مذہبی افعال میں رخنہ نہ پیدا کیا جائے اور ان کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔

---

(۱) المائدۃ: ۲

مسلمان کا گنیش چندہ وصول کرنا وغیرہ

سوال:- زید مسلمان ہونے کے باوجود اپنے غیر مسلم دوستوں کے ہمراہ گذشتہ کئی برسوں سے گنیش چندہ وصولی کا ذمہ دار ہے، وہ دس دنوں احتراماً ننگے پاؤں پھرتا ہے، بحیثیت نگراں گنیش کے پنڈال ہی میں رہتا ہے اور گنیش کے روزے بھی رکھتا ہے، اگر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے، تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ (سید عبد المقتدر ہاشمی جنید، سید علی گوڑہ)

جواب:- جن افعال کا آپ نے ذکر کیا ہے، یہ سب مشرکانہ اور کفریہ ہیں، مسلمانوں کے لئے گنیش کا چندہ وصول کرنا، اس میں چندہ دینا، بطور تقدس واحترام کے دس دن ننگے پاؤں چلنا اور گنیش پنڈال میں رہنا، یہاں تک کہ روزہ رکھنا حرام ہے؛ چوں کہ کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتنے کا حکم ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ ان میں سے بعض افعال اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہو اور گنیش کو خدا کا ایک نیک بندہ سمجھتا ہو، اس لئے میرا خیال ہے کہ جب تک اس کی طرف سے صراحت نہ ہو جائے، کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی جائے گی اور اس پر نماز پڑھی جائے گی؛ لیکن بہر حال کفر کا قوی اندیشہ اس کے بارے میں موجود ہے، اس لئے اگر وہ زندہ ہو، تو اس سے ضرور ہی توبہ کا مطالبہ کرنا چاہئے: ﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا﴾(۱) اور اگر وہ ہندوؤں کی طرح گنیش کو دیوتا سمجھتا ہو اور اسی تصور کے ساتھ ان کاموں کو کرتا ہو تو اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اگر اس سے تائب ہوئے بغیر اس کی موت ہوگئی تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا قطعاً جائز نہیں۔

دسہرہ کی دعوت میں شرکت

سوال:- پچھلے چند سالوں سے ایک غیر مسلم سیاسی

---

(۱) آل عمران: ۸

لیڈر کی جانب سے دسہرہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو دعوت طعام میں مدعو کیا جاتا ہے، اس دعوت میں بکرے کا گوشت اور مرغی پکائی جاتی ہے، کسی مسلمان کے ہاتھوں ذبح کروائی جاتی ہے، جس کو عام مسلمان کھاتے ہیں، امسال دسہرہ کی دعوت میں بعض متقی پرہیزگار بزرگوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ شرکت کی، راقم حیران رہ گیا، اس سلسلہ میں آپ سے تشفی بخش جواب مطلوب ہے؟

(تبسم فریدی، نظام آباد)

جواب:- عام حالات میں اگر غیر مسلم مسلمانوں کو مدعو کریں اور حلال ذبیحہ پکانے کا اہتمام کریں تو یہ جائز ہے؛ بلکہ از راہ انسانیت دعوت قبول کر لینا مستحب ہے:

"مسلم دعاه نصراني إلى داره ضيفا ..... يحل له أن يذهب إلى ضيافة النصراني : لأن هذا نوع من البر ، وأنه ليس بحرام : بل هو مندوب" (۱)

البتہ کسی مذہبی تقریب کی مناسبت سے ہونے والی دعوت کی نوعیت عام دعوتوں سے الگ ہوتی ہے : کیوں کہ اس میں اس تہوار کی ایک درجہ میں تحسین وتائید بھی پائی جاتی ہے؛ اس لئے اگر چہ مسلمانوں کے ہاتھ ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت پکایا جائے، پھر بھی ایسی دعوتوں میں شریک ہونا درست نہیں، اس سے بچنا چاہئے، یہ چیز خاص کر دیہات میں بسنے والے ناواقف مسلمانوں کو ارتداد کی طرف لے جاتی ہے اور شرک کی شناعت ان کے ذہن میں کم ہوتی جاتی ہے۔ و الله اعلم بالصواب .

راکھی باندھنا

سوال:- ابھی راکھی کا تہوار گذرا ہے، آج کل مسلمان

---

(۱) فتاوی خانیہ :۳۰۱/۲

لڑکیاں بھی اسکول میں اپنے استاذ کو راکھی باندھتی ہیں اور بعض
لڑکیاں اپنے بھائیوں کو بھی راکھی باندھتی ہیں، کیا شرعی نقطۂ نظر سے
اس میں کچھ حرج ہے؟ (عائشہ، بدکن، سہ پیٹ)

جواب:- راکھی باندھنا ہندو بھائیوں کے یہاں ایک مذہبی عمل ہے، بھائی کے علاوہ کسی اور شخص کو راکھی باندھ دی تو ہندو سماج میں اسے بھی بھائی کا درجہ دیا جاتا ہے اور محرم شمار کرتے ہیں، دوسرے کے مذہبی شعار طریق کو اختیار کرنا جائز نہیں اور یوں بھی اسلام ایسی رسمی چیزوں کا قائل نہیں، بھائی بہن کا رشتہ ایک فطری رشتہ ہے اور ایک دوسرے کی محبت اور ان کے تئیں خلوص واحترام فطری اور قلبی جذبہ ہے، اس لئے مسلمان لڑکیوں کو ایسے عمل سے باز رہنا چاہئے۔

تبلیغ اسلام کے لئے دوسرے مذاہب کی کتابوں سے استدلال

سوال:- آج کل بحمد اللہ کچھ لوگ برادران وطن میں
دعوت اسلام کا کام کرتے ہیں، اس میں بائبل اور ویدوں وغیرہ سے
بھی استدلال کرتے ہیں، بعض علماء اسے ناپسند کرتے ہیں کہ جب
قرآن کریم آچکا اور یہ کتابیں منسوخ ہو گئیں، تو اب ان سے
استدلال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ (فضل الرحمان، کاکی ناڈا)

جواب:- توحید، رسالت، آخرت اور نبوت محمدی کو ثابت کرنے کے لئے ان کتابوں سے استدلال کیا جائے اور ان کتابوں کے ماننے والوں کو اسلام کی طرف بلایا جائے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں؛ چنانچہ قرآن مجید میں مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں اور تورات وانجیل کے حوالے سے اسلام کی دعوت دی گئی ہے، فقہاء نے بھی اس کے درست ہونے کی صراحت کی ہے اور لکھا ہے کہ تورات وانجیل کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ اس کا مقصد ان ہی کی تسلیم شدہ باتوں کو ان پر لازم کرنا ہے:

"وأما استدلال العلماء في إثبات رسالة سيدنا محمد ﷺ بالمذكور في أسفار التوراة والإنجيل، فذلك للإلزام عليهم بما عندهم" (۱)

اس استدلال کا مقصد اس کتاب کو غیر منسوخ سمجھنا نہیں ہے؛ کیوں کہ نسخ کا تعلق فروعی احکام سے ہوتا ہے، نہ کہ ایمانیات سے، اور غیر مسلموں کو دعوت ایمانیات کی دی جاتی ہے، اسی طرح اس کا منشا اس پوری کتاب کی تصدیق بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ جو باتیں قرآن وحدیث کے موافق ہوں، بطور استدلال ان کی تصویب مقصود ہوتی ہے۔

اخبارات اور ٹی وی

سوال:- ایسے اخبارات جن میں جسمانی طور پر عریاں ونیم عریاں مردوں اور عورتوں کی تصاویر، باطل مذاہب کی اشاعت، مورتیوں، وبتوں کی تصاویر شائع ہوتی ہیں، ان کا خریدنا، گھروں میں منگانا اور پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ایسے اخبارات ٹیلی ویژن کے مشابہ نہیں ہیں؟ کیونکہ ٹی وی میں بھی خبروں کے ساتھ اشتہارات کے نام پر عریانیت اور باطل مذاہب کی اشاعت ہوتی ہے؛ اس لیے جو گناہ وعذاب گھروں میں ٹی وی رکھنے کا ہوتا ہے، کیا وہی گناہ وعذاب ان عریانیت اور باطل مذاہب کی اشاعت کرنے والے اخبارات کا گھروں میں رکھنے کا نہیں ہوتا ہے؟! (عبدالرحمن، خلد آباد)

جواب:- جو رسائل وجرائد فلمی نوعیت کے ہوں یا تصاویر ہی کے لیے ہوں، ان کا خریدنا اور گھر میں رکھنا واقعی درست نہیں، جو اخبارات اصل میں خبریں مہیا کرنے کے لیے ہیں؛ لیکن ذیلی طور پر اس میں تصویریں بھی آجایا کرتی ہیں، انہیں خبروں کی نیت سے خریدنا اور پڑھنا

---

(۱) ھندیہ: ۵/ ۳۲۷

درست ہے، ٹی وی اور اخبار میں بہر حال فرق ہے، ٹی وی میں تصویریں ہی مقصود ہوتی ہیں اور نحش پروگرام بھی، اخبارات میں تحریریں مقصود ہوتی ہیں نہ کہ تصویریں اور بمقابلہ ٹی وی کے ان میں نحش مناظر کی عکاسی کم ہوتی ہے، ایسے اخبارات جو حیا سوز تصویریں چھاپتے ہوں، بہتر ہے کہ ان کی جگہ نسبتاً ایسی عریانیت سے خالی اخبار لیے جائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

گھر میں ٹی وی بھی اور کعبہ کی تصویر بھی

سوال:- جس گھر میں ٹی وی ہو، اور سگریٹ نوشی ہو، کیا اس گھر میں کعبۃ اللہ شریف کی تصویر اوپر کے حصہ میں لگائی جاسکتی ہے؟　　　(انور اختر۔ ملے پلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے جاندار چیزوں کی تصویر سے منع فرمایا ہے،(۱) درختوں، عمارتوں وغیرہ کی تصویر میں کچھ حرج نہیں؛ اس لیے بہ طور محبت اور احترام کعبۃ اللہ کی تصویر گھر میں لگانا جائز ہے، ٹی وی، ریڈیو اور سگریٹ نوشی کا منشاً چوں کہ اس تصویر کی اہانت نہیں؛ اس لیے بجائے خود کعبہ کی تصویر آویزاں کرنا درست ہے: البتہ گھر میں ٹی وی رکھنے سے یوں بھی بچنا چاہیے، کہ اس کے نقصانات اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں، ریڈیو سے اگر گانا نہ سنا جائے تو جائز ہے، اور سگریٹ صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، لہذا اس سے بہر حال بچنا چاہیے۔

مسجد کے سامنے غیر مسلم کی طرف سے جانور ذبح کرنا

سوال:- مسجد کے سامنے غیر مسلم کی جانب سے جانور ذبح کرنا کیسا ہے؟　　　(فہیم الدین، پوتہ)

جواب:- اگر کوئی غیر مسلم اپنے کھانے پینے کے لئے جانور ذبح کرائے اور مسلمان ایسی جگہ اسے ذبح کرے جو مسجد کے سامنے ہو، تو حرج نہیں، اگر غیر مسلم اللہ کے نام

(۱) صحيح البخاري، حديث نمبر: ۵۹۴۹، باب التصاوير

سے اور اللہ کی تعظیم میں مسلمان سے جانور ذبح کرائے تو یہ صورت بھی جائز ہے، اگر مسجد کے سامنے مسجد کے ڈھانچے کے احترام کے طور پر جانور ذبح کیا جائے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ کسی بھی شخص یا شئے کی تعظیم میں جانور کا ذبح کرنا حرام ہے:

" ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم : لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى " (۱)

بزرگوں کے نام پر شہروں اور کالونیوں کے نام

سوال:- کسی محلہ، شہر یا گاؤں کا نام، انبیاء اور بزرگوں کے نام پر رکھنا کیسا ہے؟ آج کل نئی نئی کالونیاں بسائی جارہی ہیں، اور ان کے نام بزرگوں کے نام پر رکھے جارہے ہیں۔

(محب اللہ شریف، ٹولی چوکی)

جواب:- بزرگوں کے نام پر شہر یا گاؤں کا نام رکھنے میں عقیدت واحترام کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور ان ناموں کے دو بڑے فوائد ہیں: ایک یہ کہ ان بزرگوں کے نام بچہ بچہ کی زبان پر آجاتے ہیں، دوسرے ان ناموں سے اس کے مسلمان محلہ ہونے کی شناخت آسانی سے ہوجاتی ہے؛ اس لئے اس طرح کا نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

شیاطین کی مدد سے چیزیں منگوانا

سوال:- بعض عامل حضرات جنات کے ذریعہ روپے، مٹھائی یا کوئی اور سامان منگاتے ہیں، کیا ایسی چیزوں کا منگانا اور ان کا استعمال کرنا درست ہے؟ (راہی، حفیظ پیٹ)

جواب:- جیسے انسانوں میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح اجنہ میں

---

(۱) رد المحتار: ۹/۴۴۹، نیز دیکھئے " وما ذبح على النصب " کی تفسیر، تفسیر کبیر: ۵/۵۶۰، تفسیر قرطبی: ۳/۳۹

بھی بعض صالح اور شریعت کے پابند ہوتے ہیں، اور بعض فاسق اور فاجر، ایسے ہی خراب طبیعت جنات کو ان کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور وہ کسی کی چیز اٹھا کر عامل کے پاس لے آتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ چوری اور غصب میں شامل ہے، اور عامل صاحب اس کا ذریعہ بنتے ہیں؛ اس لئے اس طرح اجنہ کے ذریعہ چیزوں کا منگوانا اور ان کو استعمال کرنا جائز نہیں، یہ چوری اور غصب کرنے کے حکم میں ہے۔

اپنے آپ کو سیاہ کار کہنا

سوال:- کچھ لوگ اجتماعی دعاؤں میں اپنے آپ کو سیاہ کار کہہ لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی سیاہ کاروں میں شامل کر لیتے ہیں، آدمی گناہ گار ہو سکتا ہے، ہر آدمی سیاہ کار نہیں ہو سکتا، کیسے آدمی کو سیاہ کار کہہ سکتے ہیں؟ (محمد عبد القدیر، مشیر آباد)

جواب:- ''کار'' فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ''عمل'' کے ہیں، اور سیاہ کار سے مراد خراب عمل کرنے والا ہے، یعنی جو مفہوم گناہ گار کا ہے وہی مفہوم سیاہ کار کا بھی ہے، اپنے آپ کو سیاہ کار کہنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز کا اظہار اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو خطا سے بالکل بری ہو؛ اس لئے دعاء میں یہ کہنا کہ ہم سیاہ کاروں کو معاف کر دیجئے، درست ہے اور آداب دعاء کے تقاضوں کے مطابق ہے، رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ بھی دعاء میں نہایت ہی تواضع کے الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے؛ اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عزت بچانے کے لئے خودکشی اور خودکش دھماکہ

سوال:- ہند - پاک تقسیم کے دوران فسادات میں بہت سی عورتوں نے اپنی عصمت کی خاطر کنوؤں میں کود کر اپنی جان دے

دی تھی، کیا اپنی عزت بچانے کی خاطر خودکشی کر سکتے ہیں؟ جب کہ اسلام میں خودکشی کرنے کو منع کیا گیا ہے، اسی ضمن میں کیا اسلام کے دشمن کو مٹانے کی خاطر یا کوئی اور نیک نیتی سے خود کو ہلاک کرنا کیسا ہے؟ جیسے کہ آج کل خودکش بم دھاکہ کا استعمال کیا جارہا ہے؟

(محمد شاہد ممتاز، بیدر)

جواب:- خودکشی کرنا حرام ہے؛ اس لئے اگر کوئی عورت ایسی صورت حال سے دوچار ہو کہ اگر اس نے خودکشی نہیں کی تو اس کی عزت ریزی کی جائے گی تو اس کو جہاں تک ممکن ہو، اپنی عزت بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے باوجود اگر اس کے ساتھ زیادتی کی جائے تو وہ عنداللہ جوابدہ نہیں ہوگی؛ کیوں کہ انسان ایسے کاموں کے بارے میں جوابدہ ہوتا ہے، جو اس کے اختیار میں ہو، جو بات انسان کے اختیار ہی میں نہ ہو، وہ اس کے بارے میں جواب دہ نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی عورت نے عزت بچانے کے لئے جان دے ہی دی ہے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ گنہگار نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس نے آزمائش سے بچنے کے لئے جان نہیں دی ہے؛ بلکہ شریعت کے ایک حکم پر اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لئے جان دی ہے؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنی آبرو حوالہ نہ کرنے پر قتل کی دھمکی دی جائے، وہ قتل کردی جائے؛ لیکن اپنی آبرو حوالہ کرنے کو تیار نہ ہو، تو گنہگار نہیں ہوگی۔

جہاں تک خودکش بم دھماکوں کی بات ہے تو یہ جائز نہیں؛ کیوں کہ ان دھماکوں میں قصوروار اور بے قصور یہاں تک کہ بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور غیر متعلق لوگوں کی جانیں بھی چلی جاتی ہیں اور عوامی املاک کو بھی نقصان پہنچتا ہے، نیز جس شخص پر حملہ کیا جاتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ واقعی مجرم ہو، پھر حملہ آور کو اپنے طور پر کسی کے مجرم ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کا بھی حق نہیں؛ اس لئے خودکش دھماکہ کرنا جائز نہیں، اس میں نہ صرف خودکشی کا گناہ ہے؛ بلکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ظلم و تعدی کا گناہ بھی ہے؛ البتہ میدان جنگ میں دشمن فوجیوں کے درمیان گھس کر اس طرح کارروائی کرنے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ مجاہدین دشمنوں کی صف میں داخل ہو جاتے تھے اور لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے تھے۔

مکروہ تحریمی و تنزیہی سے مراد؟

سوال:- بہت سی دفعہ ہم لوگ کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ یہ عمل مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہے، بعض دفعہ صرف مکروہ لکھا ہوتا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ (ڈاکٹر مختار، ٹولی چوکی)

جواب:- عربی زبان میں کراہت کے معنی ناپسند کرنے کے ہیں، اس طرح مکروہ کے معنی ناپسندیدہ کے ہوئے، یہ تو اس کا لغوی معنی ہے، فقہ کی اصطلاح میں مکروہ کی دو صورتیں ہیں: مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی ایسے عمل کو کہتے ہیں، جس سے بچنا واجب ہو اور جس کا ارتکاب کرنا حرام کے قریب ہو: " هو ما كان إلى الحرام أقرب " (۱) اصل میں جس لب ولہجہ میں حرام کو منع کیا جاتا ہے، مکروہ تحریمی کو بھی منع کیا جاتا ہے؛ لیکن فرق یہ ہے کہ حرام کی ممانعت یقینی دلیل سے ثابت ہوتی ہے اور مکروہ تحریمی کا ثبوت نسبتاً کم درجہ کی دلیل (جس کو فقہ کی اصطلاح میں دلیل ظنی کہتے ہیں) سے ہوتا ہے —— جب کہ مکروہ تنزیہی ایسا ناپسندیدہ عمل ہے، جو مستحب طریقہ کے خلاف ہو:

" المكروه تنزيها: وهو ما كان تركه أولى من فعله ، ويرادف خلاف الأولى " (۲)

اگر مطلقاً مکروہ لکھا گیا ہو اور اس کے تحریمی یا تنزیہی ہونے کی صراحت نہ ہو تو عام طور پر فقہاء اس سے مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں، سوائے اس کے کہ کوئی قرینہ یا صراحت اس کے خلاف موجود ہو، (۳) —— بہر حال جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، ان سے بچنا ہی چاہئے اور خاص کر اگر مکروہ تحریمی ہو تب تو اس سے بچنا ضروری ہے۔

---

(۱) رد المحتار :۱/۴۵۷

(۲) حوالہ سابق:۴۵۸

(۳) حوالہ سابق

مکروہ تحریمی گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟

سوال:- مکروہ تحریمی کسے کہتے ہیں؟ یہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے یا گناہ صغیرہ؟ براہ کرم اس کو واضح کریں، کیوں کہ مسائل کی کتابوں میں بہت ساری چیزوں کے بارے میں مکروہ تحریمی لکھا جاتا ہے۔ (حامد قاسمی، ممبئی)

جواب:- مکروہ تحریمی وہ ہے جس کی ممانعت ایسی دلیل سے ہو جس کا ثابت ہونا یقینی نہ ہو یا دلیل یقینی تو ہو؛ لیکن اس میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو، پہلی صورت کو "ظنی الثبوت" کہتے ہیں اور دوسری صورت کو "ظنی الدلالة"، اسی طرح واجب کو بھی چھوڑ دینا مکروہ تحریمی ہے:

" أحدهما ما يكره تحريما ... يعني بالنهي ظني الثبوت أو الدلالة " (۱)

مکروہ تحریمی کو فقہاء نے صغیرہ گناہ شمار کیا ہے، البتہ اگر اس پر مداومت ہو اور بار بار اس کا ارتکاب کرتا ہو تو یہ گناہ کبیرہ کے درجہ میں آجائے گا اور اس کا ارتکاب موجب فسق ہوگا، علامہ ابن نجیمؒ کے حوالہ سے شامی نقل کرتے ہیں:

" كل مكروه تحريما من الصغائر .... شرطوا إسقاط العدالة للصغيرة الإدمان عليها " (۲)

مستحب سے مراد اور اس کے ترک کرنے کا حکم

سوال:- مستحب اور ادب کسے کہتے ہیں اور کیا مستحب کو چھوڑنا مکروہ ہے؟ اس کی وجہ سے گناہ ہوگا؟ (حامد اشرف ندوی، ممبئی)

---

(۱) رد المحتار: ۲/۴۰۴

(۲) رد المحتار: ۲/۴۴۷

جواب :- جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی نہیں کیا ہو، اس کو مستحب کہتے ہیں، اس کو مندوب، ادب، اور فضیلت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے:

" ومستحبه يسمى مندوبا و أدبا و فضيلة ، وهو ما فعله النبي ﷺ مرة و تركه أخرى " (۱)

مستحب کو چھوڑ دینا باعث گناہ نہیں اور نہ اصرار پر ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا درست ہے، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مستحب کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی یعنی کم درجہ کا مکروہ ہے یا نہیں ؟ اور صحیح یہی ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی بھی نہیں ہے، اسی کو مشہور محقق علامہ شامی نے ترجیح دیا ہے۔ (۲) —— البتہ نابالغ بچوں کو تربیت کے طور پر مستحب اعمال کو بھی انجام دینے کا پابند کیا جاسکتا ہے اور اس کے چھوڑنے پر معمولی تنبیہ بھی کی جاسکتی ہے، کہ یہ بطور حکم شرعی کے نہیں ہے؛ بلکہ تربیت اخلاق کے طور پر ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر

سوال :- سبحان اللہ اور الحمد للہ وغیرہ سے تو ذکر کیا جاتا ہے ؛ لیکن بعض صوفیاء اللہ تعالیٰ کے نام " اللہ " سے بھی ذکر کرتے ہیں، کیا اس طرح ذکر کرنا مناسب ہے ؟ (حافظ جمیل احمد، ورنگل)

جواب :- اللہ تعالیٰ کا نام سب سے مبارک نام ہے، اس نام میں برکت اور سعادت ہے، جس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ذکر کا حکم دیا ہے: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ (۳) اس لئے صرف اللہ کے نام کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ کے نام کے ساتھ تعظیمی کلمات کہنا

سوال :- محمد رسول اللہ ﷺ کا نام سننے پر جس طرح درود

---

(۱) درمختار : ۱/۲۴۲-۲۴۴ (۲) رد المحتار : ۱/۲۴۴

(۳) المزمل : ۸

واجب ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کا نام سننے پر بھی کچھ کہنا چاہئے؟

(عبدالمجید، سعید آباد)

جو اب :- اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لیا جائے یا سنا جائے تو کوئی تعظیمی فقرہ کہنا واجب ہے، مثلاً تعالیٰ، سبحانہ وتعالیٰ وغیرہ، فتاویٰ خانیہ میں ہے:

" رجل سمع رجلا يذكر أسماء الله تعالىٰ يجب عليه أن يعظمه ويقول : سبحان الله وما أشبه ذالك " (۱)

البتہ اگر ایک مجلس میں بار بار ذکر آئے تو ایک بار ایسا کلمہ کہہ دینا کافی ہوگی، جیسا کہ درود کے سلسلہ میں حکم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ

سوال :- مجھے ایک کتاب کے مطالعہ کے درمیان یہ پڑھنے کا موقع ملا، کہ ایک موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور والدئے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا ؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (ایک بہن، جگتیال)

جو اب :- سجدہ کرنے کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ جسے سجدہ کیا جائے، اس کی عبادت و بندگی مقصود ہو، دوسرے یہ کہ اس کا مقصد محض تعظیم واحترام ہو، سجدۂ عبادت تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں کیا جا سکتا، یہ پہلی امتوں میں بھی کفر تھا اور اب بھی کفر ہے ؛ لیکن تعظیم واحترام کے طور پر سجدہ کرنا پہلی امتوں میں جائز تھا ؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا تھا ؛ لیکن شریعت محمدی میں اسے بھی حرام قرار دے دیا گیا، اب اس شریعت میں غیر اللہ کو سجدۂ عبادت تو کفر ہے اور احترام و تعظیم کے طور پر سجدہ کرنا حرام اور قریب بہ کفر:

" وقد كان هذا سائغا في شرائعهم إذا سلموا على

---

(۱) الخانیہ :۴۲۲/۳

الکبیر یسجدون له ، ولم یزل هذا جائزا من لدن إلی
شریعة عیسیٰ علیه السلام ، فحرم في هذه الملة
وجعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانه "(۱)

مٹھائی یا سکوں میں تولنا

سوال:- آج کل انتخاب میں کامیاب ہونے والے رکن اسمبلی یا رکن پارلیمنٹ کو اظہار عقیدت یا اظہار خوشی کے طور پر مٹھائیوں میں یا سکوں میں تولا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ ترازو میں بیٹھ کر تلنے کا عمل کیا شرعاً درست ہے؟ کیا ایسی تقریب میں شرکت کی جاسکتی ہے؟ مٹھائیاں لوگوں میں تقسیم کردی جاتی ہیں، ان کا تقسیم کرنا اور کھانا کیسا ہے؟ جن سکوں میں تولا گیا ہے، ان کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ اس مقصد کے لئے جو پیسہ، وقت یا صلاحیت خرچ کی جائے، کیا وہ بھلائی یا نیکی ہے؟ (عبدالرحیم، ملک پیٹ)

جواب:- مٹھائیوں میں یا سکوں میں تولنے کا عمل مذہبی یا دینی نقطۂ نظر سے نہیں کیا جاتا؛ بلکہ یہ اظہار محبت وقدر دانی کا ایک سماجی طریقہ بن گیا ہے، اپنا وزن کرانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں، اگر محبت اور قدر دانی کے اظہار کے لئے کوئی طریقہ مروج ہو اور شریعت میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہو، تو یہ ناجائز نہیں، اور اگر یہ مجلس دوسرے لہو ولعب کی باتوں سے خالی ہو تو ایسی مجلس میں شرکت کی بھی گنجائش ہے، مٹھائیوں اور سکوں کا مصرف وہی ہوگا، جو دینے والے کی نیت ہو، عام طور پر جس کو تولا گیا ہے اسے مالک بنادیا جاتا ہے، چاہے وہ خود استعمال کرے یا لوگوں میں تقسیم کردے، اس مقصد کے لئے جو پیسہ اور وقت خرچ ہو، اس کا حکم خرچ کرنے والے کی نیت کے مطابق ہوگا، اگر اس کی نیت ایک مسلمان یا کسی بھی انسان کی مدد کرنا اور اس

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۰۱

کے اچھے کاز میں تعاون کرنا ہے، تو جائز ہے اور اگر اس کا مقصد دکھاوا اور پورے سماج کے لئے نہیں ؛ بلکہ اپنی ذات کے لئے کوئی مفاد حاصل کرنا ہے تو ریاء اور رشوت ہونے کی وجہ سے گناہ ہے۔ واللہ اعلم

علماء کا استقبال اور نعرے

سوال:- سیاسی جلسوں میں تو لوگ لیڈروں کے حق میں نعرے لگاتے ہی رہتے ہیں اور زندہ باد و مردہ باد کے ذریعہ ان کا استقبال کیا جاتا ہے ؛ لیکن بعض اوقات دینی جلسوں میں بھی نعرے لگائے جاتے ہیں ، خاص کر اکابر علماء کی آمد پر لوگ دو رویہ کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتے ہیں ، نعرے لگاتے ہیں ، کیا ایسا کرنا شریعت کے خلاف نہیں اور کیا اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

(محمود حسن ، اورنگ آباد)

جواب:- اگر جلسوں میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جائے ، کوئی خلاف شرع بات نہ کہی جائے یا مذکورہ طریقہ پر علماء کا استقبال کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے ، رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں جب کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ، ایک معاملہ میں حکم بنائے گئے تھے ، ان کی آمد پر صحابہ سے کہا کہ تم لوگ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ: " قوموا إلى سيدكم " (۱) مشہور محدث ملا علی قاری نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم وصلاح کا کھڑے ہوکر استقبال کرنا درست ہے:

" في الحديث إكرام أهل الفضل من علم أو صلاح أو شرف بالقيام لهم إذا أقبلوا " (۲)

---

(۱) صحيح البخاري ، كتاب الجهاد و السير ، باب إذا نزل العدو على حكم رجل ، حدیث نمبر: ۳۰۴۳

(۲) مرقاة المفاتيح : ۵۰۸/۸

بلکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے:

" یجوز بل یندب القیام تعظیما للقادم کما یجوز القیام ولو للقاری بین یدی العالم " (۱)

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمایا تو صحابہ نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ ان کا استقبال کیا:

" .... فخرج القوم یتبادرون بالتکبیر استبشارا بما سمعوہ منی، وحمدوا اللہ عز وجل " (۲)

اس لئے معزز مہمانوں کا کھڑے ہوکر یا نعروں کے ذریعہ استقبال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ کوئی اور خلاف شریعت کام نہ ہو۔

جلسہ میں تالی بجانا

سوال:- آج کل جلسوں اور تقریبات میں خوشی کے اظہار اور داد دینے کے لئے تالی بجانے کا رواج ہے، بعض اوقات دینی پروگراموں میں بھی لوک تالیاں بجاتے ہیں، اس طرح تالی بجانے کا کیا حکم ہے؟ (محمد ہارون، ٹولی چوکی)

جواب:- اسلامی طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسرت انگیز، قابل تحسین بات سامنے آئے تو سبحان اللہ یا الحمد للہ کہے، تالی بجاکر خوشی کا اظہار کرنا اصل میں اہل یورپ کا طریقہ ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی تہذیبی کی شناخت کو باقی رکھیں اور دوسروں کے رنگ میں رنگ نہ جائیں، اس لئے تالی بجاکر استقبال کرنا، خوشی کا اظہار کرنا بہتر طریقہ کے خلاف ہے، یہ بات افسوسناک ہے کہ جو لوگ اسلام کے مخالف اور معاند ہیں، وہ تو اسلام کی ایک ایک

---

(۱) رد المحتار: ۹/۵۵۲، کتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، قبیل فصل فی البیع

(۲) أسد الغابة فی معرفة الصحابة: ۳/۳۲

پہچان کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمان اپنی تہذیب پر ثابت قدم رہنے کے بجائے دوسروں کی ذہنی و عملی غلامی میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں!۔

جادو کی حقیقت

سوال:- جادو کی اصلیت کیا ہے؟ اکثر مفسرین اس کے منکر نظر آتے ہیں؟ (محمد مصلح الدین، جہاں نما)

جواب:- قرآن مجید کی متعدد آیات میں جادو کا ذکر آیا ہے، مثلاً: دیکھئے بقرہ: ۱۰۲، یونس: ۸۱، اعراف: ۱۱۶، طٰہٰ: ۶۶، حدیثوں میں بھی جادو کا تذکرہ ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے جادو کرنے سے منع فرمایا اور اس کو دینی اعتبار سے ہلاک کرنے والا عمل قرار دیا: اجتنبوا الموبقات: الشرك بالله والسحر (۱) — حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بنو زریق کے ایک شخص لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر بھی سحر کردیا تھا، (۲) اس لئے اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ جادو حق ہے اور انسان پر اس کا اثر پڑتا ہے، کبھی تو جادو سے صرف دیکھنے والے کی نظر متاثر ہوتی ہے اور کبھی اس سے جسمانی تغیرات بھی پیدا ہوتے ہیں؛ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جادو کی قوت سے کوئی شخص ہوا میں اڑنے لگے یا انسان کو گدھا بنادے؛ لیکن یہ سب کچھ ہوتا ہے اللہ ہی کی مشیت سے:

> " أما أهل السنة ، فقد جوزوا أن يقدر الساحر على أن يطير في الهواء ويقلب الإنسان حمارا ، والحمار إنسانا إلا أنهم قالوا : إن الله تعالى هو الخالق لهذه الأشياء " (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۶۴

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۶۳

(۳) التفسیر الکبیر ۳: ۲۹۱

اس لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ اکثر مفسرین اس کے منکر نظر آتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مفسرین اہل سنت اس کے قائل ہیں؛ البتہ مسلمانوں میں ایک عقل کا پرستار فرقہ معتزلہ کا تھا، وہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جادو سے حقیقت تبدیل ہوتی ہے۔

گستاخانِ رسول کی سزا

سوال:- رسول اللہ ﷺ یا کسی پیغمبر پر تنقید کرنے اور برا بھلا کہنے کا کیا حکم ہے؟ اور اس سلسلے میں کیا مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان فرق بھی ہے؟ (شفیق الرحمن فلاحی، ناندیڑ)

جواب:- اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کی حیثیت عام انسانوں کی نہیں ہوتی، دنیا کے عام قوانین میں بھی سفارتی آداب رکھے گئے ہیں اور دشمن ملکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی بدسلوکی کا برتاؤ درست نہیں مانا جاتا، پیغمبر تو اللہ کا سفیر ہوتا ہے، اس کے ذریعہ انسانیت کو ہدایت حاصل ہوتی ہے، وہ گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتا ہے، اس پر ایمان لانا، اس کا احترام کرنا اور اس سے محبت رکھنا شرطِ ایمان ہے، اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کیسے روا ہو سکتی ہے؟ پہلے نبی سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہر ایک پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے، ان کی تعظیم و توقیر بھی ضروری ہے اور ان کی ادنیٰ درجہ کی اہانت بھی باعث کفر ہے، اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ یا کسی نبی کی شان میں اہانت آمیز کلمہ کہتا ہے، یا کسی قول و فعل کی ان کی طرف نسبت کو درست ماننے کے باوجود تنقید کرتا ہے تو یہ باعث کفر ہے، حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر وہ اس سے تائب نہ ہو جائے تو سزا کا مستحق ہے اور مالکیہ کے نزدیک تو اگر وہ توبہ بھی کرے تو قابل قبول نہیں، اور شریعت میں اس کی جو دنیوی سزا مقرر ہے، وہ اس پر ضرور جاری کی جائے گی۔

مسلمان اور کافر میں صرف اس قدر فرق ہے کہ مسلمان کے لئے تو پیغمبر کے کسی قول و فعل پر اعتراض و تنقید بھی موجب سزا ہے؛ لیکن غیر مسلموں کی طرف سے اگر سنجیدہ لب و لہجہ

میں اعتراض وانکار ہو تو موجب سزا نہیں ہے اور اگر اہانت آمیز اور گستاخانہ انداز ہو تو وہ بھی سزا کے مستحق ہیں اور سزا ہر گستاخ رسول کے لئے مسلمان ہو یا غیر مسلم قتل ہے۔

" و إن كان كافرا فإن سب بغير ما به كفر فعليه القتل و إلا فلا قتل عليه " (۱)

البتہ شریعت میں جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں ، وہ سزا ہر شخص اپنے طور پر نافذ نہیں کرسکتا ، مسلم حکومت اور اس کے تحت قاضی ہی ایسے فیصلے نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہے ، اس لئے غیر مسلم ممالک میں یہ سزا قابل نفاذ نہیں ، البتہ مسلمانوں پر ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کرنا اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت سے ایسے مجرموں کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کرنا واجب ہے۔

شاتم رسول ﷺ کی سزا کا ثبوت

سوال:- کارٹون کے حالیہ بدبختانہ واقعہ کے پس منظر میں مختلف لوگوں نے گستاخ رسول کے قتل کرنے پر انعام کا اعلان کیا ہے ، جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس پر قتل کی سزا کا کوئی ثبوت نہیں ، اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے ؟ (حمید الرحمٰن فلاحی ، بنگلور)

جواب:- انبیاء کی اہانت اور ان کی شان میں بدگوئی عام لوگوں کی اہانت کی طرح نہیں ہے ؛ کیوں کہ انبیائے کرام سے انسانیت کی ہدایت متعلق ہے ، اگر ان کی شان میں گستاخی کی جائے اور لوگ اس سے متاثر ہو جائیں اور اس کو صحیح باور کرنے لگیں ، تو یہ بات لوگوں کو ہدایت حاصل کرنے میں رکاوٹ بن جائے گی ، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رحمت عالم ﷺ نے تمام مشرکین کو معاف فرمادیا ؛ لیکن جو لوگ آپ ﷺ کو برا بھلا کہنے اور آپ ﷺ کی ہجو کرنے میں پیش پیش تھے ، انہیں معاف نہیں کیا گیا اور ان پر قتل کی سزا جاری کی گئی ، حضرت عبد اللہ ابن عباس ﷺ راوی ہیں کہ :

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته : ۶/ ۱۸۳

''ایک صاحب نابینا تھے، ان کی ایک باندی تھی، جو ان کے بچے کی ماں بن چکی تھی، وہ حضور ﷺ کی شان میں بدگوئی کرتی تھی، ایک رات ایسا ہی ہوا، انہوں نے نیزہ لیا اور اس کے پیٹ میں چبھو کر دبا دیا، یہاں تک کہ وہ مرگئی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون کو ہدر یعنی بے قیمت قرار دیا'' (۱)

اسی طرح حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک عورت حضور ﷺ کی شان میں بدکلامی کرتی تھی، ایک شخص نے گلا گھونٹ کر مار دیا، حضور ﷺ نے اس کے خون کو بھی ہدر قرار دیا'' (۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ راوی ہیں کہ:

ایک شخص نے حضرت ابو بکر ؓ کو برا بھلا کہا، میں نے کہا: کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں؟ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا: نہیں، یہ سزا صرف اس شخص کے لئے ہے جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہو: لیس هذا إلا من شتم النبي '' (۳)

اس روایت کو امام ابوداؤد اور نسائی نے بھی الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے؛ (۴) اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ شاتم رسول کی سزا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ ایسے شخص کے لائق قتل ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

کلائی پر دھاگہ یا زنجیر باندھنا

سوال:- آج کل ایک رواج لڑکوں کے ہاتھوں کی کلائی میں دھاگے باندھنے کا بڑھتا جارہا ہے، کبھی یہ دھاگہ کالا ہوتا ہے،

---

(۱) ابو داؤد مع عون المعبود: ۴/۲۲۶ (۲) حوالہ سابق

(۳) محلی: ۱۱/۴۱۰ (۴) عون المعبود: ۴/۲۲۷

گلے میں اور بعض دفعہ سونا، چاندی یا لوہے کی زنجیر بھی پہنی جاتی ہے، بعض لوگ اس عقیدہ کے تحت پہنتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نظر بد سے یا مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے، اور بعض نوجوان فیشن کے طور پر پہنتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (وجیہ الدین، بمبئی)

جواب:- نفع نقصان پہنچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ ہی بھلائیاں عطا کرتے ہیں اور مصیبتوں سے بچاتے ہیں؛ اس لئے اس عقیدہ کے ساتھ ہاتھوں میں دھاگہ یا زنجیر کا باندھنا درست نہیں کہ اس طرح مصائب سے نجات مل جائے گی؛ بلکہ بعض فقہاء نے تو اسے اقوالِ کفر میں شمار کیا ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ گردن میں یا ہاتھ میں اپنے عقیدہ کے مطابق خود کو مصیبت سے بچانے کے لئے دھاگے باندھا کرتے تھے، ان دھاگوں کو "رتیمہ" کہا جاتا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ممنوع ہے اور بعض فقہاء نے تو اسے کفریہ کاموں میں شمار کیا ہے:

"ثم رتيمة ... وهي خيط كان يربط في العنق أو في اليد في الجاهلية لدفع المضرة عن أنفسهم على زعمهم هو منهي عنه وذكر في حدود الإيمان أنه كفر" (۱)

اور اگر یہ عمل فیشن اور آرائش کے طور پر ہو تب بھی درست نہیں، سونے اور لوہے کے کسی بھی زیور کا استعمال مرد کے لئے جائز نہیں، چاندی کی بھی صرف انگوٹھی استعمال کی جاسکتی ہے، زنجیر نہیں پہنی جاسکتی ہے، اگر سیاہ یا سرخ دھاگہ اس نیت سے کلائی میں باندھے تو اس میں عورتوں کی مشابہت ہے؛ کیوں کہ یہ عورتوں کے لئے مقامِ زینت ہے نہ کہ مردوں کے، اور عورتوں کے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی لعنت بھیجی ہے۔ (۲)

---

(۱) رد المحتار ۹/۵۲۳، نیز دیکھئے البحر الرائق ۸/۳۵۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، حدیث نمبر: ۵۸۸۵

اسی طرح ہاتھوں میں کڑا پہننا بعض غیر مسلموں کا مذہبی شعار ہے اور غیر مسلموں کا تشبہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے،(۱) مسلمان نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے زیب وزینت اختیار کریں اور ہر رواج کو قبول کرنے کا مزاج نہ بنالیں، آپ کا مقام یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے رنگ میں رنگ جائیں؛ بلکہ آپ کا مقام یہ ہے کہ دنیا آپ کو اپنے لئے نمونہ بنائے۔ وباللہ التوفیق

---

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، حدیث نمبر:۴۰۳۱

عقائد کا بیان

کراماً کاتبین اور اعمال انسانی کی کتابت

سوال:- انسان کے ساتھ جو کراماً کاتبین ہیں، کیا وہ انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو لکھتے ہیں؟ اور کیا نابالغ بچوں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں؟ (رشید الدین ندوی، بنگلور)

جواب:- انسان پر جو فرشتے متعین ہیں وہ کیا لکھتے اور کس طرح لکھتے ہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں آئی ہے، اہل علم نے قیاس وتخمین کی بناء پر رائے قائم کی ہے، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ انسان کے تمام اقوال وافعال لکھے جاتے ہیں اور بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جن افعال سے ثواب وعذاب متعلق ہیں صرف وہی لکھے جاتے ہیں، کیوں کہ اعمال نامے لکھے جانے کا اصل مقصد یہی ہے:

" قال بعضهم : يكتبون جميع أقوال بني آدم وأفعالهم ، وقال بعضهم: لا يكتبون إلا مافيه أجر أو إثم " (۱)

جہاں تک نابالغ بچوں کے اعمال لکھے جانے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں بھی یہی اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ بچوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور دوسرا نقطۂ نظر یہ

---

(۱) البحر الرائق :۸/۱۹۱

ہے کہ بچوں کے اعمال نہیں لکھے جاتے؛ کیوں کہ ان سے جزا و سزا متعلق نہیں۔ (۱)

فرشتوں سے نامۂ اعمال لکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟

سوال:- ایک الجھن جو کہ ہمارے ایک غیر مسلم بھائی کو پیش آئی، اس کے حل کے لئے آپ سے رجوع کر رہا ہوں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر اس کا تسلی بخش جواب ملا تو میں حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤں گا، اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے، وہ جانتا ہے کہ ماضی میں بندے سے کیا عمل سرزد ہوئے اور مستقبل میں وہ کیا کرنے والا ہے اور حال میں وہ کیا کر رہا ہے؟ ان تمام باتوں کا علم خدا کو ہے، جب خدا یہ تمام باتیں جانتا ہے تو اس نے ہمارے دائیں بائیں دو فرشتے کیوں مقرر کیے؟ بندے نے کیا کیا کام کیے اور حال میں کیا کر رہا ہے؟ یہ باتیں فرشتوں سے لکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ وہ جانتا ہے کہ کس نے ماضی میں کیا کیا، حال میں کیا کر رہا ہے اور مستقبل میں کیا کرنے والا ہے؟

(نظیر سہروردی، راجیو نگر، حیدرآباد)

جواب:- اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئے: اول یہ کہ ایک ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت، اور دوسری چیز ہے اللہ تعالیٰ کی سنت، اللہ کی قدرت بے پناہ ہے، ہم جن مضامین کو پانچ سال سے پچیس سال کی عمر میں پڑھتے اور اپنے ذہن میں محفوظ کرتے ہیں، اللہ چاہتے تو ایک ہی دن میں اس کو انسانی قلب پر نقش فرما دیتے، جب کمپیوٹر کے ذریعہ ہزار ہا صفحات ایک لمحہ میں محفوظ کیے جا سکتے ہیں تو کیا انسان کے خالق کے لئے یہ بات ممکن نہیں تھی کہ وہ ہزاروں صفحات کی معلومات ایک ساتھ انسانی ذہن میں محفوظ کر دیتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ

---

(۱) دیکھئے: حوالۂ سابق

اسباب کے ذریعہ نتائج کو روبہ عمل لایا جاتا ہے، ورنہ درخت کو یوں بھی ثمر آور کیا جا سکتا تھا، لیکن پانی اور کھاد کی ضرورت پڑتی ہے، انسان کو یوں بھی علم دیا جا سکتا تھا، لیکن استاذ اور کتاب کے ذریعہ کو استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرنے کے لئے ملائکہ اور اعمال نامہ کی چنداں ضرورت نہیں تھی، لیکن سنت الٰہی کے طور پر سبب اور ذریعہ کے درجہ میں ملائکہ اور اعمال نامہ کا نظام بھی رکھا گیا، دوسری بات یہ ہے کہ اعمال نامہ کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو ان اعمال کا علم نہیں تھا، یا بذات خود خداوند کریم اس ریکارڈ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے؛ بلکہ اس کا مقصد انسان پر اتمام حجت ہے، تاکہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ان کے اعمال کا پورا ریکارڈ رکھ دیا جائے اور وہ خود اپنی زندگی کی فلم کو دیکھ سکیں۔

غیر مسلموں کے لئے استغفار

سوال:- ایک غیر مسلم کی میت پر مختلف مذاہب کے لوگ اپنی مذہبی کتاب پڑھ رہے تھے، کیا اس پر قرآن مجید پڑھا جا سکتا ہے؟ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ اور اس کے حق میں دعائے مغفرت کی جا سکتی ہے؟ (سید نعیم، سعید آباد، حیدرآباد)

جواب:- قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (۱)

ایصال ثواب کے لئے تلاوت قرآن ہو یا نماز جنازہ یا دعاء، یہ بھی صورتیں استغفار ہی کی ہیں؛ اس لئے ان میں سے کوئی بھی صورت درست نہیں، اسے مذہبی تشدد یا تنگ نظری نہ

(۱) التوبہ:۱۱۳

سمجھنا چاہئے ؛ کیوں کہ جو شخص کسی بات پر ایقان ہی نہیں رکھتا ہو، اس کے لئے اس کو انجام دینے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

قبر کے اندر سوالات

سوال :- کل جمعہ میں ایک عالم دین کا بیان سننے کا اتفاق ہوا، مولانا محترم فرما رہے تھے کہ " بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ قبر میں میت سے صرف ایک سوال ہوگا، یعنی رسالت مآب، رؤف و رحیم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رسالت کے بارے میں، آپ ﷺ کا توحید پرست امتی آسانی سے جواب دے دے گا، لیکن کافر اور منافق جواب نہیں دے سکیں گے " ، پوچھنا یہ ہے کہ علماء کرام قبر میں تدفین کے بعد تین سوالوں کا ذکر کرتے آئے ہیں، لہذا صحیح کیا ہے؟ (عبید انور محمدی، بلاری، کرناٹک)

جواب :- یہ صحیح ہے کہ بخاری اور مسلم کی ایک روایت ، — جو حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے — میں صرف حضور ﷺ کے بارے میں سوال کا ذکر آیا ہے :

" ... فیقولان : ما کنت تقول في هذا الرجل محمد ؟

فأما المؤمن فیقول : أشهد أنه عبد الله ورسوله " (۱)

مگر یہ روایت مختصر ہے، دوسری روایتوں میں تفصیل ہے کہ قبر میں تین سوالات ہوں گے، اول : یہ کہ تمہارا رب کون ہے؟ " من ربك ؟ " دوسرے : تمہارا دین کیا ہے؟ " مادینك ؟ " تیسرے : تمہارا نبی کون ہے؟ " من نبیك ؟ " یہ روایت حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے (۲) : چنانچہ بخاری کے شارح حافظ ابن حجرؒ نے بھی مذکورہ حدیث کا حوالہ دیتے

---

(۱) بخاری : ۱/۱۸۳، مسلم، حدیث نمبر : ۷۳۱۹

(۲) دیکھئے : سنن الترمذی : ۲/۱۴۴

ہوئے یہی لکھا ہے کہ اس روایت میں پوری تفصیل موجود نہیں ہے سوالات ان تینوں امور کے سلسلہ میں ہوں گے،(۱) یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ایک روایت میں ایک سوال کا ذکر آیا ہو تو اس سے دوسرے اور تیسرے سوال کی نفی نہیں ہوتی، اس لئے تین سوالوں کے بارے میں آپ علماء سے جو سنتے آئے ہیں، وہی زیادہ درست ہے۔

قبر میں سوال و جواب

سوال:- (الف) جب قبر میں مردے سے سوالات کئے جاتے ہیں، تو اس کا صحیح جواب دینے کے بعد کیا جنت میں جگہ مل جاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(ب) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو لوگ نیک ہوتے ہیں ان کی زبان پر صحیح جواب آجاتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

(بشریٰ تبسم، نانڈیڑ)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے حیات و ادراک کے اعتبار سے تین عالم بنائے ہیں، ایک اس دنیا کا عالم، جس میں روح جسم کے اندر پیوست ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان میں حیات بھی ہے اور شعور و ادراک بھی، لیکن یہ حیات بعض جہتوں سے ناقص ہے، کیونکہ اس میں صحت کے ساتھ بیماری، قوت کے ساتھ کمزوری بھی ہے اور مختلف متضاد حالات جسم کو پیش آتے رہتے ہیں اور پھر وہ موت سے بھی دوچار ہوتا ہے، دوسرا عالم آخرت کا ہے، یہ دنیا سے زیادہ مکمل حیات و ادراک کا حامل ہے، اس میں نیند نہیں آتی، جو لوگ جنت میں ہیں، وہ کبھی بیماری، کمزوری اور بڑھاپا سے دوچار نہیں ہوتے، اور یہ زندگی ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے، جیسے اس دنیا میں حیات کامل درجہ کی ہوتی ہے، اسی طرح ادراک و احساس بھی درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے، دنیا میں جو چیز لذت کی ہے، اہل جنت کو جنت میں اس سے زیادہ لذت حاصل ہوگی

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری ۳/۲۰۰

اور دنیا میں جو چیز تکلیف کی ہے، اہل دوزخ کو اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ صورت میں اس سے سابقہ پیش آئے گا۔

ان دونوں کے درمیان ایک عالم برزخ کا ہے، جس میں روحیں عالم ارواح میں اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے چلی جاتی ہیں، جسم یا اس کے ذرات اس دنیا میں رہتے ہیں، بظاہر جسم اور روح کا تعلق محسوس نہیں ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کے درمیان ایک نادیدہ اور غیر مرئی رشتہ باقی رہتا ہے اور آج کل اس کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے، ریڈیو اسٹیشن اور ریڈیو کے سیٹ، ٹی وی اسٹیشن اور ٹی وی کے سیٹ اور موبائل فونوں کے درمیان بظاہر کوئی اتصال نہیں ہے؛ لیکن ان دیکھی لہروں نے ان کو ایک دوسروں سے جوڑ رکھا ہے، جب کوتاہ عقل انسان ایسی ایجادات کو وجود میں لاسکتا ہے تو کائنات کے خالق ومالک کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ جسم کے ان ذرات اور روح کے درمیان ایک طرح کے رشتہ کو استوار رکھے اور اس کی وجہ سے جسم راحت ومشقت اور ثواب وعذاب کو محسوس کرے، خوش کن اور ڈراؤنے خواب جو انسان دن رات دیکھتا ہے، یہ اس کی ایک واضح مثال ہے!

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں فرشتے مردوں سے ایمان کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور جو درست جواب دیتا ہے، جنت میں اس کی منزل دکھائی جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس کی راحت وآسائش کو محسوس کرسکے؛ گویا جنت میں داخل تو نہیں کیا جاتا؛ لیکن جنت کی نعمتوں کا نزول اس پر شروع ہوجاتا ہے، اسی طرح جو لوگ ایمان کے بارے میں صحیح جواب نہیں دے پاتے، ان کو دوزخ میں ان کی منزل دکھائی جاتی ہے اور اس عذاب کا ایک حصہ ان پر شروع ہوجاتا ہے، گو اس وقت وہ دوزخ میں داخل نہیں کیا جاتا۔

(ب) دنیا میں انسان سوالات کے جواب علم کی بنیاد پر دیتا ہے؛ لیکن آخرت میں عمل کا سکہ چلتا ہے اور عمل کے اعتبار سے ہی جواب دینے کی توفیق میسر آتی ہے؛ اس لئے جو لوگ صالح ہوں گے، ان کی زبان پر صحیح جواب ہی آئے گا، اب سوال یہ ہے کہ صحیح جواب کا مدار

مؤمن ہوتا ہے۔ اس کا اعمال کے اعتبار سے صالح ہونا بھی شرط ہے؟ تو ایک روایت میں یہ ہے کہ مؤمن کو صحیح جواب کی توفیق میسر ہوگی، اور کافر اور منافق صحیح جواب نہیں دے سکے گا، اس کو مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ (۱) اور مسند احمد ہی کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد صالح کو صحیح جواب کی توفیق دی جائے گی اور غیر صالح شخص جواب نہیں دے سکے گا۔ (۲) ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دوسری روایت میں صالح سے مراد وہ شخص ہے جو ایمان کے اعتبار سے صالح ہو، تاکہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہے اور یہ بات اس سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قبر میں سوال ایمانیات کے بارے میں ہوگا، خاص کر رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت سے متعلق؛ لہٰذا جن لوگوں کی موت حالت ایمان میں ہوگی، ان شاء اللہ ان کو صحیح جواب کی توفیق میسر ہوگی اور جن لوگوں کی موت کفر پر ہوگی ان کو صحیح جواب کی توفیق نہ ہو سکے گی؛ البتہ مسلمان گنہگاروں کو بھی بعض گناہوں کی وجہ سے قبر کا عذاب ہو سکتا ہے، جیسا کہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کے لئے اس منزل کو آسان فرمائے اور آزمائش اور امتحان سے محفوظ رکھے۔

قبر کا سوال وجواب کس زبان میں ہوگا؟

سوال :- میت سے سوال وجواب کس زبان میں ہوگا؟

(سید حفظ الرحمن، نظام آباد)

جواب :- راقم الحروف کو حدیث میں اس سلسلہ میں کوئی صراحت تو نہیں ملی؛ لیکن سوال کے جو کلمات حدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ سب عربی زبان میں ہیں، اس سے خیال ہوتا ہے کہ عربی زبان میں سوال وجواب ہوگا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ

---

(۱) مجمع الزوائد: ۳/ ۴۷-۴۸

(۲) مجمع الزوائد: ۳/ ۴۸-۴۹

نے متعدد روایات میں ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی (۱) اور یہ بات بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ جو معاملہ جنت کا ہے، وہی قبر کا بھی ہوگا؛ لہٰذا عجب نہیں کہ قبر میں بھی گفتگو کی زبان عربی ہو اور مُردہ کو وہبی طور پر قبر میں دفن کئے جانے کے بعد یہ زبان آجائے، وما ذلك على الله بعزيز - والله اعلم-

عذاب قبر کا ثبوت

سوال:- بعض حضرات کہتے ہیں کہ قبر میں انسان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، قیامت قائم ہونے کے بعد جب لوگوں کے نیک وبداعمال کا حساب ہوجائے گا تو اس وقت نیکیوں پر ثواب اور گناہوں پر عذاب دیا جائے گا؛ کیوں کہ جب حساب وکتاب ہی نہیں ہوا اور کسی شخص کا صالح یا عاصی ہونا ہی طے نہ ہوا تو پھر اس پر عذاب کیسے ہوگا؟ ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں عذاب قبر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور صحیح حدیثوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

(ارشد سلیمان، شاہین نگر)

جواب:- قبر میں نیک لوگوں کے ساتھ راحت کا انتظام اور گنہگاروں پر عذاب قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور صحیح ومعتبر حدیثوں سے بھی، قرآن مجید میں کم سے کم دو آیتیں اس سلسلہ میں موجود ہیں جو قبر یعنی موت اور قیامت کے درمیان عذاب کو واضح کرتی ہیں، پہلی آیت سورۂ مؤمن کی آیت نمبر ۴۵، ۴۶ ہیں، جس کا ترجمہ اس طرح ہے:

”اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کی بدترین سازشوں سے بچالیا اور فرعون کے لوگوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا، وہ صبح وشام ان پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (ان کو حکم ہوگا)

---

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱۰/۵۲، باب ماجاء في فضل العرب

کہ فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کرو"

اس آیت کے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ آگ پر پیش کئے جانے کا عذاب ان پر ابھی بھی ہو رہا ہے اور قیامت قائم ہونے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ اس سے بھی زیادہ سخت عذاب میں ان کو مبتلا کرو۔

دوسری آیت انعام کی آیت نمبر: ۹۳ ہے، جس کا ترجمہ اس طرح ہے:

"کاش کہ آپ اس وقت کو دیکھتے، جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور فرشتے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو، تم اللہ پر جو ناحق باتیں کہتے تھے، اس کے بدلے آج تم کو رسوا کن عذاب دیا جائے گا اور اس لئے کہ تم اللہ کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے"

اس آیت میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتے جان نکالتے وقت کہتے ہیں کہ آج تمہیں رسوا کن عذاب دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ یہ قیامت سے پہلے دیا جانے والا عذاب ہے، —— اس کے علاوہ بعض اور آیتوں میں بھی عذاب کا اشارہ موجود ہے، حدیثیں تو اس سلسلہ میں بہت سی منقول ہیں، ان کے تذکرہ سے بات لمبی ہو جائے گی؛ لیکن اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں منقول ہیں، جن میں عذاب قبر سے پناہ چاہی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللهم إني أعوذ بك من عذاب القبر" (۱) اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی دعا کا ذکر کیا ہے جس میں مختلف چیزوں سے پناہ چاہی گئی ہے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے: "..... وأعوذ بك من عذاب القبر" (۲) آپ ﷺ نے نہ خود صرف عذاب قبر سے پناہ چاہی ہے؛ بلکہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الدعاء قبل السلام، حدیث نمبر: ۸۳۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب ما يتعوذ من الجبن، حدیث نمبر: ۲۸۲۲،
صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب التعوذ من العجز والکسل وغیرہ، حدیث نمبر: ۷۰۲۸

مسلمانوں کو تلقین بھی کی ہے کہ وہ عذاب قبر سے پناہ کی دعا کیا کریں:

" .... قولوا: اللهم إنا نعوذ بك من عذاب جهنم

وأعوذ بك من عذاب القبر " (۱)

اس لئے عذاب قبر کے واقع ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عذاب قبر حق ہے، جو تمام کافروں کو اور بعض مسلمانوں کو ہوگا۔ (۲) یہی بات امام طحاوی، علامہ نسفی، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ تفتازانی وغیرہ نے بھی لکھی ہے؛ اس لئے عذاب قبر کا انکار کرنا درست نہیں ہے۔ —— رہ گئی یہ بات کہ جب حساب و کتاب ہی نہیں ہوا تو عذاب و ثواب کیسے ہوگا؟ تو یہ محض غلط فہمی ہے، آخرت میں حساب و کتاب بندوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا، ورنہ یہ بات کہ کون مستحق عذاب اور کون مستحق ثواب ہے؟ یہ بات پہلے سے اللہ کے علم میں ہے، اس کے لحاظ سے ثواب و عذاب کا معاملہ ہوگا۔

عذاب قبر کا ثبوت اور اس کا محل

سوال:- قبر کے عذاب کے تعلق سے قرآن و حدیث کے حوالہ سے بتائیے کہ اگر قبر بھی نہ بنے، سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بن جائے تب کیا گنہگار قبر کے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔

(قاضی افضل، بھٹکل)

جواب:- عام طور پر عرف میں جس جگہ آدمی دفن کیا جاتا ہے، اس کو قبر کہا جاتا ہے اور عذاب قبر کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے۔ خاص اسی جگہ پر عذاب قبر نازل ہوگا؛ لیکن ایسا نہیں ہے، قبر سے مراد برزخی زندگی یعنی انسان کے دنیا سے رخصت ہونے اور قیامت میں دوبارہ زندہ کئے جانے کے درمیان کا وقفہ ہے، خواہ یہ وقفہ زمین کے کسی گڑھے میں گذرے یا مچھلی اور درندہ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منه فی الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۳۲۱

(۲) دیکھئے شرح فقہ اکبر، ص: ۱۲۲

کے پیٹ میں یا کسی اور جگہ، انسان کے جسم کے جو ذرات ہوتے ہیں، من جانب اللہ روح سے ان کا تعلق باقی رہتا ہے اور اسی لحاظ سے مردے کو تکلیف و آرام کا احساس ہوتا ہے، عذاب قبر کا ثبوت خود قرآن مجید سے بھی ہے اور دو آیتیں تو اس سلسلے میں بہت واضح ہیں، جس میں سے ایک میں فرعون اور اس کے لوگوں پر عذاب کا ذکر آیا ہے کہ ان پر صبح وشام آگ مسلط کی جارہی ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس سے بھی سخت تر عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے (۱) دوسری جگہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر آیا ہے کہ انہیں پانی میں غرق کردیا گیا اور پھر آگ میں داخل کردیا گیا، ''أغرقوا فأدخلوا نارا'' (۲) حدیثیں تو اس سلسلے میں بکثرت منقول ہیں، بلکہ محدثین نے اس کے لئے مستقل عنوان قائم کیا ہے اور کئی کئی حدیثیں ذکر کی ہیں، آپ خود قوم فرعون اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے واقعات کو دیکھئے کہ زمین میں ان کی قبریں نہیں بنی تھیں؛ لیکن پھر بھی قرآن مجید نے ان پر عذاب کے نازل کئے جانے کا ذکر کیا ہے، پس معلوم ہوا کہ عذاب قبر سے خاص طور پر زمین میں بنی ہوئی قبر مراد نہیں ہے۔

جمعہ کے دن موت

سوال:- عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ جس کی موت جمعہ کے دن ہو، اس پر عذاب قبر نہیں ہوتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

(محمد اسماعیل، ملے پلی)

جواب:- یہ روایت ترمذی شریف میں ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

" ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر" (۳)

---

(۱) المؤمن:۴۶

(۲) نوح:۲۵

(۳) ترمذی، حدیث:۱۰۷۴

"جس مسلمان کی روز جمعہ یا شب جمعہ موت واقع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ قبر کی آزمائش سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں"

لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، خود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے اور بعض واسطے حذف ہوگئے ہیں: "ولیس إسنادہ بمتصل" علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، "ما صح الحدیث" (۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس روایت کے بارے میں بعض علماء کا نقطۂ نظر لکھا ہے کہ صرف جمعہ کے دن و رات وہ عذاب سے محفوظ رہے گا، اگر مستحق عذاب ہو تو شب جمعہ کے بعد سے عذاب دیا جائے گا۔ (۲) واللہ اعلم

قرب قیامت میں امام مہدی کی پیدائش

سوال:- کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت مہدی کا ورود ہوگا؟ جو اس وقت پردۂ خفا میں ہیں، اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، وہ قیامت کے قریب آئیں گے، شیعہ حضرات کا بھی یہی عقیدہ ہے، قادیانی اور بعض اور فرقے کہتے ہیں کہ آکر چلے گئے، قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے، کیا حدیث میں اس کا ذکر ہے؟ (یوسف الدین احمد، مغل پورہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے امام مہدی کا ظہور ہوگا، گو قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں، لیکن حدیثیں اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں، جو تواتر اور یقین کے درجہ کو پہونچی ہوئی ہیں، علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت مسیح کے نزول سے متعلق احادیث کو ایک جگہ جمع فرمایا ہے، جو "التصریح بما تواتر في نزول المسیح" کے نام

---

(۱) العرف الشذی : ۳۵۶، ط: مکتبہ دیوبند

(۲) الکوکب الدری : ۱/۳۲۵

سے شائع ہو چکا ہے، اس کے آخر میں ایک ضمیمہ امام مہدی کی پیشین گوئیوں سے متعلق بھی شامل ہے، اور کسی بات کا ثبوت اگر صحیح و مستند حدیثوں سے ہو جائے تو بھی کافی ہے، قرآن ہی سے ثبوت ضروری نہیں، مرزا غلام احمد قادیانی نے بہت سے متضاد دعوے کئے ہیں، اس لئے اور بعض دوسرے لوگوں نے جو مہدویت کا دعویٰ کیا، یا ان کی طرف مہدی ہونے کی نسبت کی گئی، وہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ احادیث میں امام مہدی کی علامات و اوصاف کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور ان علامات کی روشنی میں ایسے دعووں کی تصدیق نہیں ہوتی، اس میں شبہ نہیں کہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں امام مہدی کی آمد کے قائل ہیں؛ لیکن دونوں کے نقطہ نظر میں خاصا فرق ہے، اہل تشیع (فرقہ امامیہ) کے نزدیک بارہویں امام جو روپوش ہیں، قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا، اور اہل سنت کے نزدیک امام مہدی پیدا ہوں گے، ان کی حیثیت مسلمانوں کے خلیفہ راشد کی ہوگی۔

نزول مسیح سے متعلق پیشین گوئی

سوال:- Evangelist (کاتب انجیل کے پیرو) کا عقیدہ ہے کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عالم میں مراجعت کرنے کا ذکر ہے، اس سے پہلے یہودیوں کا قتل عام ہوگا، تمام یہودی اسرائیل میں جمع ہو جائیں گے، اس عقیدہ کے تحت یہودیوں کو یروشلم میں دھکیلا جا رہا ہے، قرآن کے سورۂ آل عمران میں یہ آیت ملتی ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

"یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک

پہونچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا، تجھے کافروں سے پاک
کروں گا اور تیرے پیروں کو غلبہ دوں گا"
کیا قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے؟
(یوسف الدین احمد، مغل پورہ)

جواب:- مسلمانوں کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش جس طرح غیر معمولی طور پر ہوئی، اسی طرح غیر معمولی طریقہ پر آپ کو آسمان پر اٹھا بھی لیا گیا، اور آپ آسمان پر اپنی جسمانی و روحانی زندگی کے ساتھ موجود ہیں، قیامت کے قریب تمام یہودی بیت المقدس کے قریب جمع ہو جائیں گے، جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے، پھر یہودیوں میں دجال نامی ایک گمراہ اور گمراہ کن شخص پیدا ہوگا، جس کو بہت ہی اثر اور نفوذ حاصل ہو جائے گا، اس زمانہ میں امام مہدی کا ظہور ہوگا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور دجال سے جہاد کریں گے، حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں دجال اور ان کی پیروی کرنے والے تمام یہودی مارے جائیں گے اور جو لوگ اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں، وہ اسلام قبول کرلیں گے، یہ تمام باتیں صحیح و مقبول حدیثوں میں تفصیل سے آئی ہیں، اور ان میں سے بعض باتوں کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ کیا گیا ہے — یہودیوں کے یہاں بھی اور عیسائیوں کے یہاں بھی بلکہ ہندو مذہب میں بھی ایک مرد غیب کی آمد کی پیشین گوئی ملتی ہے، عجب نہیں کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی سے متعلق ہو، لیکن انسانی تحریفات کی وجہ سے صحیح صورت حال مشتبہ ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم

امام مہدی

سوال:- امام مہدی دنیا میں آئے ہیں یا نہیں؟ امام مہدی اور ان کے والد اور والدہ کا کیا نام ہوگا؟ اور وہ دنیا کے کس خطے میں پیدا ہوں گے؟
(عبد القدیر محمد قادری، میدک)

جواب:- امام مہدی ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے، امام مہدی کے ظہور کے وقت اور خود امام مہدی سے متعلق جو حالات حدیث میں منقول ہیں، وہ ابھی مکمل طور پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور جن لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؛ اسی وجہ سے امت کے سوادِ اعظم نے ان کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا ہے، امام مہدی کے بارے میں احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ خلیفہ راشد ہوں گے، مکہ مکرمہ میں ان کے ہاتھوں پر بیعت کی جائے گی، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نسل سے پیدا ہوں گے (۱) دوسری روایات میں یہ بھی بات وارد ہوئی ہے کہ ان کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا، ان کا تعلق مشرق کے علاقہ سے ہوگا اور اسی خطہ کے لوگ ان کے معاونین اور انصار بن کر کھڑے ہوں گے۔

امام مہدی اور اہل بیت کے لئے صلاۃ وسلام

سوال:- امام مہدی یا کسی اور شخصیت کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم، علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ امام مہدی کے لئے یا اہل بیت کے لئے علیہ الصلوٰۃ والسلام، یا علیہ السلام پڑھتے ہیں، یہ کس حد تک درست ہے؟ (نام غیر مذکور)

جواب:- "صلاۃ" کا لفظ رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کے لئے مخصوص ہے، انبیاء کے علاوہ فرشتوں کے لئے "صلاۃ" کی اجازت ہے؛ اس لئے انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کسی بھی بزرگ کے لئے "علیہ الصلوٰۃ والسلام" کی تعبیر اختیار کرنا مکروہ ہے: بلکہ بعض فقہاء نے اسے گناہ قرار دیا ہے، ہاں ضمنی طور پر دوسروں کے لئے "صلاۃ" کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی آل کے لئے یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی آل اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے۔

"وكذا لا يصلي أحد على أحد" أي استقلالاً، أما تبعا

---

(۱) ابن ماجہ حدیث نمبر: ۴۲۳۰

جاز والمراد غیر الملائكة وفي خطبة

شرح البیری : فمن صلی علی غیرهم أثم ، ویکره ،

وهو الصحيح " (۱)

البتہ "سلام" چوں کہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے؛ اس لئے امام مہدی اور اہل بیت سب کے لئے بھی "علیہ السلام" لکھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر نہیں، رسول اللہ ﷺ کے لئے "صلی اللہ علیہ وسلم"، انبیاء علیہم السلام کے لئے "علیہ الصلاۃ والسلام" یا "علیہ السلام"، صحابہ بشمول اہل بیت کے لئے "رضی اللہ عنہم" کا بطور دعا کے استعمال معروف ہے اور ایک طرح سے یہ فرق مراتب کے لئے وجہ شناخت بن گیا ہے؛ اس لئے اسی کے مطابق تعبیر اختیار کرنی چاہئے اور اس کے علاوہ تعبیر سے اجتناب برتنا چاہئے، امام مہدی کے لئے بھی "رحمۃ اللہ علیہ" اور زیادہ سے زیادہ "علیہ السلام" کہنے کی گنجائش ہے، ان کے لئے مستقل طور پر "صلاۃ" کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ وہ نبی و رسول یا معصوم نہیں ہوں گے؛ بلکہ اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ خلفاء راشدین امت میں سب سے افضل ہیں؛ اس لئے امام مہدی — جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے — کا درجہ حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، اور حضرت علی ؓ کے برابر نہیں ہو سکتا؛ بلکہ وہ امت کے صلحاء میں ہوں گے۔

قیامت میں حق شفاعت

سوال:- اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں اور جنت اور دوزخ میں ڈالنا اس کے ہاتھ میں ہے، یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے؛ لیکن کیا رسول اللہ ﷺ کو یا دوسرے انبیاء کو گنہگار بندوں کے لئے سفارش کرنے کا بھی حق ہوگا اور کس کی سفارش اس دن سنی جائے گی؟

(محی الدین قادری، یاقوت پورہ)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار : ۹/۵۶۸

جواب :- اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں ، جسے چاہیں ثواب سے نوازیں ، جسے چاہیں عذاب سے دوچار کریں ؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت بھی ہے ، جس کو خود قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کریں گے ؛ کیوں کہ شرک صرف گناہ ہی نہیں ہے ، یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اللہ تعالیٰ کی حیثیت کا انکار بھی ہے ؛ اس لئے آخرت میں یہ جرم ناقابل عفو ہوگا ، سوائے اس کے کہ کوئی کافر و مشرک ایمان لے آئے ، تو اب ایمان لانے کی وجہ سے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جائیں گے ، کفر اور شرک کے علاوہ کتنا بڑا گناہ بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو اسے معاف کر دیں گے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (١)

دوسری سنت الٰہی یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کا حق مل گیا ہے ، ان کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی ، اور اللہ تعالیٰ اسے قبول بھی فرمائیں گے " مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ " (٢) جن لوگوں کو شفاعت کا حق دیا گیا ہے ، ان میں سب پر مقدم آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ، شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو دو طرح کی شفاعت حاصل ہوگی ، شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ ، شفاعت کبریٰ پوری انسانیت کے لئے ہوگی ، اور شفاعت صغریٰ امت محمدیہ کے لئے ، شفاعت کبریٰ کا ذکر بخاری کی روایت میں ہے کہ میدان محشر قائم ہوگا ، نفسی نفسی کا عالم ہوگا ، سورج نہایت قریب آچکا ہوگا کہ اس کی تمازت کی وجہ سے بعض لوگ اپنے گناہوں کی نسبت سے گردن تک پسینے میں غرق ہوں گے اور بے قرار ہوں گے کہ ان کا حساب و کتاب شروع ہو ، اس وقت لوگ مختلف پیغمبروں کے پاس جائیں گے اور سفارش کی درخواست کریں گے ، انبیاء کرام معذرت کرتے جائیں گے ، یہاں تک کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہونچیں گے ، حضور ﷺ رب کائنات

---

(١) النساء : ۴۸ ، ۱۱۶

(٢) البقرہ : ۲۵۵

سے دعا کریں گے، اس طرح یہ باب (کتاب) شروع ہوگا۔(۱) شفاعت صغریٰ کا ذکر بہت سی حدیثوں میں ہے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت میں سے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے بھی کام آئے گی: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي" (۲) امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن صحیح" یعنی نہایت معتبر قرار دیا ہے۔(۳) حضرت عمران بن حصین ؓ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بعض مسلمان جو دوزخ میں داخل کیے جاچکے ہوں گے، وہ حضور ﷺ کی سفارش سے جنت میں داخل ہوں گے، اہل جنت ان کو "جهنميين" کہیں گے:

"يخرج قوم من النار بشفاعة محمد، فيدخلون الجنة ويسمّون الجهنميين" (۴)

اس کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام کو بھی شفاعت کا حق حاصل ہوگا،(۵) بلکہ صالحین کو بھی(۶)۔ متعدد حدیثوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ حفاظ قرآن اپنے خاندان کے دس افراد کے لئے شفاعت کرنے کے مستحق ہوں گے،(۷) اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو بھی اس کا حق دیا جائے گا

"عن عثمان بن عفان مرفوعا: يشفع يوم القيامة الأنبياء ثم العلماء ثم الشهداء" (۸)

---

(۱) صحیح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى إنا أرسلنا إلخ، حدیث نمبر ۳۱۶۲
(۲) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۷۳۹
(۳) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۴۳۵
(۴) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۷۴۰
(۵) مسند أحمد عن أبي بكر الصديق ؓ، حدیث نمبر ۱۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۳۲۰
(۶) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۸۵۱۴، ۸۷۷۲
(۷) المعجم الأوسط للطبراني، حدیث نمبر: ۴۲۵۸
(۸) شعب الإيمان للبيهقي، حدیث نمبر: ۱۷۰۷

شہداء کو ستر افراد کی شفاعت کا حق دیا جائے گا(۱) اسی سلسلہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ امت کے مختلف لوگوں کو حسب مراتب شفاعت کا حق دیا جائے گا:

"عن أبي سعيد رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إن أمتي من يشفع للفئام، ومنهم من يشفع للقبيلة، ومنهم من يشفع للعصبة، ومنهم من يشفع للرجل حتى يدخلون الجنة" قال أبو عيسى هذا حديث حسن" (۲)

اس لئے انبیاء کرام اور صالحین امت کا شفاعت کرنا حدیث سے ثابت ہے اور یہ عقیدۂ توحید کے منافی نہیں، شفاعت میں خود ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا اظہار ہے کہ بارگاہ الٰہی کے مقبول بندے بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے متعلقین کے لئے عرض و التجا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت میں حصہ دار بنائے۔

کیا عالم کو بھی شفاعت کا حق ہوگا؟

سوال:- معلوم ہوا ہے کہ ایک حافظ دس لوگوں کی شفاعت کرے گا، مطلع فرمائیں کہ عالم کتنے لوگوں کی شفاعت کرے گا؟ (محمد امین، بولی چوکی)

جواب:- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس نے قرآن مجید حفظ کیا، وہ اپنے اہل خانہ میں سے دس افراد کی سفارش کرسکے گا۔(۳) اس روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عاصم

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب في الشهيد يشفع، حدیث نمبر: ۲۵۲۲، ترمذی، حدیث نمبر: ۱۶۶۳

(۲) سنن الترمذي، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، حدیث نمبر: ۲۴۴۰

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۶۸، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه

بن ضمرہ نے روایت کیا ہے، جو ضعیف راوی سمجھے گئے ہیں؛ لیکن فضائل میں اس طرح کی روایات بھی معتبر ہوتی ہیں، جہاں تک علماء کی طرف سے شفاعت کی بات ہے تو ایک حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین گروہ قیامت کے دن سفارش کریں گے: انبیاء، علماء اور شہداء'' (۱)

معراج جسمانی تھی یا اس کا تعلق خواب سے ہے؟

سوال:- ایک مقرر صاحب کا کہنا ہے کہ معراج کا جو واقعہ نقل کیا جاتا ہے، وہ عقل اور قانون فطرت کے خلاف ہے؛ اس لئے اس واقعہ کا تعلق خواب سے ہے نہ کہ بیداری سے، جب کہ ہم لوگ بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ حضور ﷺ کا باضابطہ سفر ہوا تھا اور آپ ﷺ نے آسمانوں کی سیر کی تھی، صحیح نقطۂ نظر کیا ہے؟ (شمیم اختر، بنگلور)

جواب:- جمہور علماء اور سلف صالحین کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی معراج جسمانی تھی، اگر یہ محض خواب ہوتا تو قرآن مجید میں اسے اس قدر اہتمام کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہوتا، عقل اور فطرت کی بات اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کو رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئی'' (۲)

اس آیت نے ایسے شبہات کی جڑ کاٹ دی؛ کیوں کہ کسی شئے کا ممکن اور ناممکن ہونا مخلوق کے اعتبار سے ہے، خالق تعالیٰ جو قادر مطلق ہے، اس کے لئے نہ کوئی چیز ناممکن ہے اور نہ دشوار؛ اسی لئے حضور ﷺ کے سفر کے بارے میں خاص طور پر فرمایا گیا کہ وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے اپنے بندہ کو یہ حیرت انگیز سفر کرایا ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ ۳۵۲/۲، باب ذکر الشفاعۃ (۲) الإسراء: ۱

صور اسرافیل کے بعد کون لوگ بے ہوش نہیں ہونگے؟

سوال:- سورۂ "زمر" آیت نمبر ۶۸ میں بتلایا گیا کہ قیامت کے دن صور پھونکنے پر زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، سوائے ان کے جنہیں اللہ نے چاہا تو وہ کون ہیں، جو بے ہوش ہونے سے بچ جائیں گے؟ (بشیر احمد، بلوچ)

جواب:- مفسرین کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے اس سے شہداء مراد لئے ہیں، بعض نے حضرت جبرئیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام اور ملک الموت علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، بعضوں نے جنت اور دوزخ کے داروغے مراد لئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے دوزخ کے سانپ، بچھو وغیرہ مراد ہیں، ایک رائے یہ بھی ہے کہ صور پھونکنے سے پہلے جن لوگوں کی موت ہو چکی تھی، وہ مراد ہیں: (۱) اصل یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی وضاحت نہیں فرمائی ہو، ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی اور ایسی چیزوں کی تحقیق کے پیچھے بھی نہیں پڑنا چاہئے؛ کیونکہ اگر ان کو جاننے سے کوئی نفع متعلق ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خود ہی اس کو واضح فرما دیا ہوتا۔

قیامت میں حقوق العباد کا بدلہ

سوال:- زید کا کہنا ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو سرے سے معاف نہیں کرے گا، جبکہ عبداللہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے کسی بیان میں سنا ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو مظلوم کو راضی کر کے ظالم کو معاف فرما دے گا، دریافت کرنا یہ ہے کہ کیا کسی حدیث میں ایسا ہے کہ اللہ حقوق العباد کو مظلوم کو

---

(۱) دیکھئے تفسیر قرطبی: ۱۵/۸۰-۲۷۹

راضی کرکے ظالم کو معاف فرمادیں گے۔ اگر ہے تو براہ کرم اس حدیث کے الفاظ مع حوالہ مطلع فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

(سید اقبال شاہ، جدید ملک پیٹ)

جواب:- زید کا کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق قیامت کے دن ظالم سے دلوائے گا اور اپنی طرف سے معاف نہیں کرے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جس نے مال یا عزت و آبرو کے معاملہ میں اپنے بھائی کی حق تلفی کی، وہ اس کے پاس آئے اور اس سے معاف کرالے، اس سے پہلے کہ قیامت کے دن اس سے بدلہ وصول کیا جائے، جب نہ درہم ہوں گے اور نہ دنانیر، بلکہ اگر ظالم کی نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے مظلوم کو بدلہ دیا جائے گا اور اگر ظالم کی نیکیاں نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے، امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے "حسن صحیح" یعنی بہت ہی معتبر روایت قرار دیا ہے، (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ اصل مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سی نیکیاں لے کر آئے، لیکن لوگوں کا حق ادا کرتے کرتے جہنم میں پھینک دیا جائے، (۲) یہاں تک کہ قیامت کے دن جانوروں کو بھی ایک دوسرے سے حق دلایا جائے گا، (۳) —— زید نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ باوجود تلاش کے مجھ کو تاہم کہیں نہیں مل پائی اور بظاہر کسی معتبر روایت میں یہ بات نہیں آئی ہے۔

بچوں کے نیک اعمال کا ثواب

سوال:- ماں باپ کی تربیت سے بچوں میں نیک عمل کا

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الحساب والقصاص، حدیث نمبر: ۲۶۰۴

(۲) سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الحساب والقصاص، حدیث نمبر: ۲۶۰۳

(۳) سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الحساب والقصاص، حدیث نمبر: ۲۶۰۵

جذبہ پیدا ہوتا ہے، مثلاً: وہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، کوئی مانگنے والا آیا تو اسے پیسے دے دیتے ہیں، اس کا ثواب کیا ماں باپ کو اور تربیت کرنے والے کو حاصل ہوگا، یا خود اس بچے کو؟

(یوسف قادری، ناسک)

جواب:- اگر کسی نابالغ بچے نے نماز پڑھی یا روزہ رکھا تو ایک پہلو تو خود اس کے نماز پڑھنے کا ہے، اس عمل کا ثواب خود بچے کو ملے گا؛ کیوں کہ جب بچہ عمر شعور کو پہنچ جائے تو وہ عمل اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، اور اصول یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے اپنے عمل کا اجر حاصل ہوتا ہے: ﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (۱) فقہاء نے بھی صراحت کی ہے: "ثواب الطفل للطفل … هذا قول عامة مشايخنا" (۲)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ بچے کا یہ عمل اس کے والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی اچھے کام کی رہنمائی کرے تو رہنمائی کرنے والے کو اس میں وہی ثواب ہوگا، جو خود عمل کرنے والے کو ہوگا: "الدال على الخير كفاعله" (۳) لہٰذا تربیت کا اجر والدین کو ہوگا۔

کیا غیر مسلم نابالغ بچے جنتی ہیں؟

سوال:- میری ایک غیر مسلم سہیلی ہے، اس کا ایک بچہ بڑا ہی بھولا بھالا اور خوبصورت تھا، میں بھی اس سے بہت پیار کرتی تھی، چند روز پہلے اس کا انتقال ہوگیا اور ہندو رسم و رواج کے مطابق اس کی آخری رسومات انجام دی گئیں، کیا ایسا معصوم بچہ کافر ماں

---

(۱) النجم: ۳۹

(۲) رد المحتار: ۹/۶۱۱

(۳) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء في الدال على الخير كفاعله، حدیث نمبر: ۲۸۸۳

سب کے ذریعہ پیدا ہونے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا؟

اور کیا یہ بات انصاف کے مطابق ہوگی؟ (صفیہ پروین، منجارہ نگر)

جواب:- جب انسان بالغ ہو جائے اور اس کے باوجود ایمان نہیں لائے تب تو اسے آخرت کی نجات حاصل نہیں ہوگی اور وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی نعمت عطا فرمائی ہے اور اگر انسان اپنی صلاحیت کا استعمال کرے تو نجات کے راستہ کو پا سکتا ہے؛ لیکن جو بچے ابھی نابالغ ہوں، وہ ابھی احکام شرعیہ کے مخاطب ہی نہیں ہیں؛ اس لئے اگر وہ ایمان لائے بغیر بھی دنیا سے چلے جائیں، تو بھی ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے اور بے گناہ شمار کئے جائیں گے، یہی نقطۂ نظر اہل علم کے نزدیک راجح ہے۔

"قال محمد: كان الإمام يقف في أطفال المشركين والمسلمين، والظاهر أن التوقف في أطفال المسلمين مردود، فإنهم في الجنة واختار البعض في أطفال المشركين أنهم خدام أهل الجنة" (۱)

جنت میں صرف مؤمن داخل ہوگا

سوال:- ہمارے ایک دوست ہیں جو ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی یہ تمام لوگ گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد جنت میں ضرور جائیں گے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(انوار اللہ، مہدی پٹنم)

جواب:- یہ خیال قطعاً گمراہی پر مبنی ہے، حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب تک کوئی شخص آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو قبول نہ کرے تو جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی نیک کام کرے، ہاں! اگر ایمان رائی کے

---

(۱) بزازیہ مع ہندیہ: ۳۵۲/۶

برابر بھی دل میں موجود ہو تو انجام کار ان شاء اللہ وہ جنت میں داخل کیا جائے (۱) اس لئے اسلام لائے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کتنا بھی شریف اور نیک ہو، جب تک کسی ملک کی شہریت حاصل نہ کرے، اس کو وہ شہری حقوق حاصل نہیں ہو سکتے، جو اس ملک میں اس سے کمتر لوگوں کو شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں، اسی طرح گویا جنت کی شہریت ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے، جو جنت بنانے والے کو مانتا اور اس کو اپنا رب اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت (اسلام) کو اپنے لئے کامیابی کا واحد راستہ تسلیم کرتا ہو۔

قیامت میں نیا جسم ہوگا یا پرانا؟

سوال:- انسان مرنے کے بعد دنیوی جسم سے اٹھایا جائے گا یا دوسرے جسم سے؟ روح کے ساتھ دنیوی جسم جنت میں جائے گا، یا صرف روح جائے گی؟ آخرت میں سوال وجواب دنیوی جسم سے ہوگا یا روح سے؟ انسان کے اعضاء ہاتھ پیر، کان، ناک، منہ انسان کے خلاف گواہی دیں گے تو یہ دنیوی اعضاء ہوں گے یا دوسرے جسم کے اعضاء؟ جزا و سزا دنیوی جسم پر جاری ہوگی یا دوسرے جسم پر یا روح پر؟ (محمد عمران، گولکنڈہ)

جواب:- قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کی روح تو محفوظ رہتی ہے، لیکن اس کا جسم فنا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جسم کی دوبارہ تخلیق فرماتے ہیں، اسی لیے جب کفار مکہ نے کہا کہ جب ہمارا جسم ہڈیاں اور مٹی ہو کر ریزوں کی شکل اختیار کر لے گا تو کیا پھر ہماری دوبارہ تخلیق ہوگی؟ ﴿أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ (۲) اللہ تعالیٰ نے خلق جدید کی نفی نہیں فرمائی؛ بلکہ اس کے جواب میں فرمایا کہ جس خدا نے پہلے تمہاری تخلیق کی تھی، وہ دوبارہ تمہاری تخلیق

---

(۱) دیکھئے: مسلم، حدیث ۳۰۳ (۲) الاسراء: ۴۹

کرے گا: ﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾(۱) اس طرح کا مضمون متعدد آیتوں میں آیا ہے، اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہم اس پر دوبارہ گوشت پہنا دیں گے: ﴿ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا﴾(۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء پہلی ہی ساخت کے مطابق نئے تخلیق کئے جائیں گے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مسلمان اس طرح اٹھیں گے کہ غیر مختون ہوں گے، نابالغ بچوں کی طرح ان کے چہرے بے ریش ہوں گے، آنکھیں سرگیں ہوں گی، اور ایسا محسوس ہوگا کہ ان کی عمر تیس سال ہے۔(۳)

سلف کا قول بھی یہی ہے کہ جیسے ابتداءً تخلیق میں انسانی نطفہ سے بندھا ہوا خون، پھر ہڈی اور گوشت کی تخلیق ہوئی، اور پھر اللہ نے اسے ایک مکمل انسان کی شکل میں پیدا فرمایا، اسی طرح انسان کی دوسری زندگی بھی ہوگی کہ پہلا جسم تو مٹی بن چکا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے دوبارہ انسانی جسم کی تخلیق فرمائے گا۔

"و القول الذي عليه السلف و جمهور العقلاء : إن الأجسام تنقلب من حال إلى حال فتستحيل تراباً ثم ينشئها الله نشأة أخرى ، كما ستحل في النشأة الأولى ، فإنه كان نطفة ثم صار علقة ثم صار عظاماً و لحماً ثم أنشأه الله خلقاً سويا كذلك الإعادة " (۴)

اللہ تعالیٰ کا دیدار

سوال:- کیا اس دنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھے تو کیا اس نے

---

(۱) الإسراء: ۵۱ (۲) البقرة: ۲۵۹

(۳) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۸۳۳۶ (۴) شرح العقیدة الطحاوی، ص: ۳۱۰

خواب میں خدا تعالیٰ کو دیکھنا؟ (احمد حسین، ظہیر آباد)

جواب:- دنیا میں انسان کو جو آنکھ دی گئی ہے، وہ بہت ہی کوتاہ اور بے حد درماندہ ہے، وہ تو سورج کی کرنوں پر بھی ٹھہر نہیں سکتی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا تدرکہ الأبصار" حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو بھی یہ تاب نہ ہو سکی کہ وہ جلوۂ خداوندی کا مشاہدہ کر سکیں، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے، اس لئے دنیا میں ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا، آخرت میں جیسے انسان کی تمام خواہشات پوری کی جائیں گی، اسی طرح اس کی صلاحیت اور استعداد میں اضافہ کر دیا جائے گا؛ اس لئے وہاں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف بھی اہل جنت حاصل کر سکیں گے، یہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"رؤية الله تعالى في الآخرة حق يراه أهل الجنة في الآخرة بلا كيفية ولا تشبيه ولا محاذاة" (۱)

"آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے، اہل جنت باری تعالیٰ کا آخرت میں دیدار کریں گے، لیکن نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے، نہ مخلوق کے ایک دوسرے کو دیکھنے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور نہ اس کے لئے محاذات یعنی دیکھنے والے اور دیکھے جانے والے کا ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے"

جہاں تک خواب میں دیدار الٰہی کی بات ہے تو اکثر علماء کے نزدیک یہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی کیفیت معلوم نہیں ہے تو انسان نے جس چیز کو خواب میں دیکھا ہے، کیوں کر تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہی خدا کی ذات ہے:

"أما رؤية الله تعالى في المنام، أكثرهم قالوا: لا تجوز، والسكوت في هذا الباب أحوط" (۲)

---

(۱) البحر الرائق: ۸/۱۸۰ (۲) حوالۂ سابق

''جہاں تک تعلق خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات ہے تو اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ یہ ممکن نہیں اور اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنا زیادہ قرین احتیاط ہے''

انسان افضل ہے یا فرشتے؟

سوال:- ہم چند دوستوں کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ انسان افضل ہے یا فرشتے؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان افضل ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنایا ہے، اور کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ فرشتے افضل ہیں؛ کیوں کہ فرشتے معصوم ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و احادیث کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیں؟ (محمد احمد، مچھلی کمان)

جواب:- پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کو ایسی باتوں پر غور کرنا چاہئے اور اس میں اپنا وقت لگانا چاہئے، جس سے ایمان و عمل کی کوئی بھلائی متعلق ہو، جن باتوں کے بارے میں کوئی پوچھ ہونے والی نہیں ہے اور جن کے جاننے پر انسان کی نجات یا بلندیٔ درجات موقوف نہیں ہے، ان کے پیچھے پڑنا عقلمندی کی بات نہیں ہے؛ اس لئے ایسی بحثوں میں پڑنے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے، تو یہ بات متفق علیہ ہے کہ انسانوں میں سے انبیاء کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں، اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صحابہ و تابعین اور شہداء وصالحین بھی تمام فرشتوں سے افضل ہیں:

" أجمعت الأمة على أن الأنبياء أفضل الخليقة ..... و أن الصحابة و التابعين و الشهداء و الصالحين أفضل من سائر الملائكة " (۱)

---

(۱) رد المحتار : ۲/۲۴۳

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ملائکہ غیر مسلموں سے افضل ہیں ، البتہ عام مسلمانوں اور فرشتوں کے درمیان کون افضل ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کی طرف منسوب ہے کہ تمام اہل ایمان تمام فرشتوں سے افضل ہیں ، اور صاحبین کے نزدیک فرشتے عام مسلمانوں سے افضل ہیں (۱) علامہ علاء الدین حصکفیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، عرش باری تعالی کے حاملین ، داروغۂ جنت رضوان اور داروغۂ دوزخ مالک فرشتوں میں سے خواص ہیں ، یہ تو عام مسلمانوں سے افضل ہیں ، اور عام فرشتوں پر عام اہل ایمان کو فضیلت حاصل ہے:

" وعوام بنی آدم و هم الأتقياء أفضل من عوام الملائكة ، و المراد بالأتقياء من اتقى الشرك فقط الخ " (۲)

ان صراحتوں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے انسان کو دنیا کی خلافت کا تاج پہنایا ہے، (۳) انسان کی عظمت کے اظہار کے لئے فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا (۴) انبیاء و رسل انسان ہی میں سے بھیجے گئے ، جنت انسان ہی کے لئے آراستہ کی گئی ، انسان اختیاری طور پر احکام خداوندی کی تعمیل کرتا ہے ، اور فرشتے اضطراری طور پر ، عالم بالا کی حقیقتوں پر انسان اَن دیکھے ایمان رکھتا ہے، اور فرشتے دیکھ کر ، اس لئے انسان کی عظمت و فضیلت ظاہر ہے۔

غیر مسلم محلہ میں سکونت

سوال:- میں ایک مسلمان محلہ میں رہتا ہوں؛ لیکن یہاں بلدی سہولتیں کم ہیں ، بچوں کی رائے ہے کہ میں نئے شہر میں ایک ایسے محلہ میں منتقل ہو جاؤں ، جس میں غالب آبادی غیر مسلموں کی

---

(۱) حوالہ سابق (۲) در مختار مع الرد: ۲/۲۲۲

(۳) البقرہ: ۳۰ (۴) البقرہ: ۳۴

ہے، مجھے تامل ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(انور شریف، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر کسی محلہ میں شہری سہولتیں فراہم نہ ہوں یا کم ہوں تو زیادہ سہولت بخش محلہ میں منتقل ہونا درست ہے؛ لیکن محض ان سہولتوں کے لئے مسلمانوں کا پڑوس چھوڑ کر غیر مسلموں کا پڑوس اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو جس گروہ سے محبت رکھتا ہو، وہ ان ہی میں سے ہے اور جس کے ساتھ اس کی محبت ہے، اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا:

" إن من أحب قوما فهو منهم و إن المرء مع من أحب " (۱)

اس لئے ایک مسلمان میں یہ خواہش ہونی چاہئے کہ اس کا پڑوسی مسلمان ہو، بعض حدیثوں میں صراحتاً رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ بود و باش اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا محض شہری سہولتوں کے حاصل کرنے کے لئے غیر مسلم محلہ میں منتقل ہونا درست نہیں، ہاں! اگر آپ غیر مسلم محلہ میں اس لئے قیام کریں کہ اس طرح آپ ان میں دعوت دین کا کام کر سکیں گے، تو پھر آپ کا منتقل ہونا درست ہوگا؛ بلکہ امید ہے کہ آپ اس پر اجر کے مستحق ہوں گے۔

خودکشی کرنے والے کی روح

سوال:- اگر کوئی شخص خودکشی کر لے تو کیا اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے، میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ خودکشی کرنے والے شخص کی جان فطری موت کے آنے سے پہلے ہی نکل جاتی ہے؛ اس لئے موت کے وقت کے آنے تک اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے، شرعی اعتبار سے یہ خیال کس حد تک درست ہے؟

(مکرم حسین، ملک پیٹ)

---

(۱) بخاری، حدیث: ۶۱۶۸

جواب:- یہ سمجھنا درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی روح بھٹکتی رہتی ہے، اچھے لوگوں کی روحیں ''مقام علیین'' میں اور برے لوگوں کی ''مقام سجین'' میں پہنچادی جاتی ہیں؛ نہ کہ ادھر ادھر بھٹکتی رہتی ہیں، یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی موت قبل از وقت ہو جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی موت اس کے مقررہ وقت پر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے موت کا وہی وقت متعین ہوتا ہے، ہم لوگوں کا علم چونکہ ناقص ہے؛ اس لئے ہمیں اپنے اندازہ کے حساب سے کوئی موت قبل از وقت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن حقیقت میں کوئی موت قبل از وقت نہیں ہوتی۔

مختلف گروہوں کا بیان

اہل سنت والجماعت کی علامتیں

سوال:- اہل سنت والجماعت کا مفہوم کیا ہے اور اس کے بنیادی عقائد کیا ہیں جو ان کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں؟

(فضل اللہ قادری، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- سنت کے معنی طریقہ کے ہیں، اسلام کی اصطلاح میں "سنت" رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے پسندیدہ طریقہ میں وہ تمام باتیں شامل ہیں، جو آپ ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہوں، یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی بات کہی گئی، یا کوئی کام کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور جماعت سے مراد صحابہ ﷺ کی جماعت ہے، گویا اہل سنت والجماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ ﷺ کے طریقہ پر مبنی ہو، بعد کو اہل علم نے اہل سنت والجماعت کے نقطۂ نظر سے منحرف فرقوں کے عقائد و اعمال کو دیکھتے ہوئے اہل سنت کی کچھ علامتیں ذکر کی ہیں، مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ (متوفی: ۹۷۰ھ) نے اس سلسلہ میں دس چیزوں کا ذکر کیا ہے:

اول یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی ایسی بات نہ کہتا ہو جو باری تعالیٰ کی شان کے خلاف ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات و اختیارات میں مخلوق کو شریک و سہیم سمجھنا وغیرہ۔

دوسرے: قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہو، اور اس کے ازلی اور ابدی ہونے پر یقین رکھتا ہو۔

تیسرے: جمعہ وعیدین کی نماز کا قائل ہو اور سمجھتا ہو کہ نیک و بد دونوں کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

چوتھے: تقدیر پر ایمان رکھتا ہو کہ تمام آرام و تکلیف اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

پانچویں: موزوں پر مسح کو درست سمجھتا ہو۔

چھٹے: مسلمانوں کے امیر برحق کے خلاف تلوار لے کر بغاوت نہیں کرتا ہو۔

ساتویں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانتا ہو۔

آٹھویں: اہل قبلہ میں سے کسی کو گناہ کی بناء پر کافر نہیں ٹھہراتا ہو۔

نویں: اہل قبلہ میں سے جس کی بھی موت ہو جائے، اس پر نماز جنازہ پڑھتا ہو۔

دسویں: جماعت کو رحمت اور فرقہ بندی کو اللہ کا عذاب گمان کرتا ہو۔ (۱)

ان فقروں میں گویا اہل سنت والجماعت کے فکری امتیازات اور ان کے رویہ کو واضح کر دیا گیا ہے، اس سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا گروہ فکری اور عملی اعتبار سے اعتدال کا حامل ہے اور افراط و تفریط سے محفوظ ہے، اور اس کے اقوال و افعال کی بنیاد ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر ہوتی ہے۔

قادیانیوں کی عبادت گاہ

سوال:- بعض مرتبہ قادیانی افراد دیہاتوں میں اپنی گمراہ سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے عبادت گاہیں تعمیر کر لیتے ہیں، پھر جب مقامی مسلمان بھائیوں میں فتنۂ قادیانیت کے بارے میں آگاہی اور شعوری بیداری پیدا ہوتی ہے تو انہیں دیہات سے نکلوا دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں ان کی تعمیر کردہ عبادت گاہیں ویران اور غیر آباد ہو جاتی ہیں، اگر ان عبادت گاہوں کو اپنی حالت پر چھوڑ

(۱) البحر الرائق: ۱۴۲/۸

دیا جائے تو دوبارہ قادیانی افراد کے قدم جمانے کا اندیشہ رہتا ہے،
پس ان عبادت گاہوں کا کیا حکم ہے؟ (الف) کیا انہیں منہدم کردیا
جائے ؟ (ب) یا ان کو مسجد کی شکل اور حیثیت دے کر ان میں
نمازیں ادا کی جائیں؟ (ج) یا پھر انہیں کس مصرف میں لایا جائے؟
(محمد انصار اللہ قاسمی، تحفظ ختم نبوت)

جواب:- قادیانی حضرات نے جو عبادت گاہ تعمیر کی ہو وہ شرعاً مسجد نہیں ہے، ان کی حیثیت دراصل ''مسجد ضرار'' کی سی ہے، جو قُبا میں منافقین نے اسلام کے خلاف سازش کے طور پر تعمیر کرلی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے نذر آتش کرادیا؛ کیوں کہ فتنہ کو دفع کرنا ضروری تھا؛ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا جائے اور کوئی ایسا عمل نہ ہو جو امن وامان کو متاثر کرنے والا ہو؛ لہٰذا بہتر ہے کہ ایسی جگہ کو مسجد کی شکل دینے کے بجائے وہاں کی غریب آبادی کے لئے رفاہی کاموں کا سنٹر بنادیا جائے، جیسے خواتین کے لئے سلائی سنٹر، نوجوانوں کے لئے ہنر سنٹر، یا بچوں کے لئے تعلیمی مرکز وغیرہ؛ تاکہ دوبارہ قادیانی اسے اپنی عبادت گاہ نہ بناسکیں اور مسلمانوں کو گمراہ نہ کرسکیں، نیز نماز کے لئے دوسری جگہ مقرر کرلی جائے؛ کیوں کہ قبضہ کی ہوئی جگہ میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ زمین مقامی لوگوں میں سے کسی کی عطیہ کی ہوئی ہو، وہ تائب ہوجائے تو ان سے عطیہ کے طور پر لے کر، یا قیمت دے کر حاصل کی جاسکتی ہے، قادیانی مشن کے لوگوں کو بہ حالت مجبوری پیسہ دے کر جگہ حاصل کی جاسکتی ہے، ایسی صورت میں اسے مسجد کے مقصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؛ لیکن عام حالت میں انہیں پیسہ دے کر جگہ حاصل کرنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ اس رقم کا استعمال کفر کی تبلیغ کے لئے ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

قادیانی اور ایصال ثواب

سوال:- ہمارے قریب کچھ قادیانی آباد ہیں، وہ بعض آیت
کریمہ پڑھنے والوں سے غلام احمد قادیانی کے ایصال ثواب کے لئے

پڑھواتے ہیں، اسی طرح بعض قادیانی حضرات بھی پیسہ لے کر قرآن پڑھتے ہیں محلہ کے لوگ ایصالِ ثواب کے لئے قادیانی غرباء کو ۴۰ دن کھانا کھلاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ جب کہ ایسا سننے میں آیا کہ وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ (محمد علیم، باغ امجد الدولہ)

جواب:- حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں ہوسکتا، یہ وہ عقیدہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور یہ قرآن وحدیث کی صراحتوں سے ثابت ہے، اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا اپنے آپ کو نبی کہے تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا ؛ لیکن افسوس کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور کچھ لوگوں نے جہالت یا دنیوی مفادات کے تحت اس دعویٰ کو قبول کرلیا، انہیں 'قادیانی' کہتے ہیں، یہ مسلمان نہیں ہیں اور ان کا حکم دوسرے غیر مسلموں کے مقابلہ سخت ہے؛ کیوں کہ یہ اسلام کے باغی اور مرتد ہیں؛ اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے اور مسئلہ سے واقف ہونے کے باوجود کرے تو کفر کا اندیشہ ہے، ان سے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا یا ایصالِ ثواب کے طور پر ان کی مالی مدد کرنا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ جو اسلام کا دشمن اور اللہ کے رسول کا باغی ہو اس سے بے تعلقی برتنا واجب ہے؛ البتہ انہیں دینِ حق کی دعوت دینی چاہئے اور گمراہی سے ہدایت کی طرف آنے کے لئے کہنا چاہئے۔

شوہر وبیوی میں سے ایک قادیانی ہو تو اولاد کا حکم

سوال:- شوہر وبیوی میں اگر کوئی ایک قادیانی ہو تو

(الف) کس کو اولاد کی پرورش کا حق حاصل ہوگا؟

(ب) کیا اولاد صحیح النسب ہوگی یا مجروح النسب ہوگی؟

(ج) کیا اس کی بنا پر کفو کا مسئلہ کھڑا ہوسکتا ہے؟

(انصار اللہ قاسمی، تحفظ ختم نبوت)

جواب: (الف) بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں شریعت نے بنیادی طور پر بچہ کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہے، دنیوی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی؛ اسی لئے اگر والدین میں سے ایک مسلمان ہو، اور دوسرا کافر تو بچہ کی پرورش کا حق مسلمان کو حاصل ہوگا، قادیانی ظاہر ہے کہ دائرہ اسلام سے باہر ہیں، وہ نہ صرف کافر ہیں؛ بلکہ اکثر اپنے کفریہ خیالات کے سرگرم مبلغ بھی ہوتے ہیں؛ اس لئے شوہر و بیوی میں سے جو مسلمان ہو، اس کو پرورش کرنے کا حق حاصل ہوگا نہ کہ قادیانی کو۔

(ب) اگر قادیانی ہونے کی حالت میں دونوں کا نکاح ہوا تھا اور بعد کو دونوں میں سے ایک کو ہدایت حاصل ہوگئی اور اس نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق سے ابھی اس کا نکاح ختم نہیں ہوا ہے، یا مسلمان ہونے کی حالت میں دوسرے سے یہ سمجھ کر نکاح کیا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان سے نکاح درست ہے تو اس صورت میں پیدا ہونے والے بچے صحیح النسب سمجھے جائیں گے؛ کیوں کہ قادیانیت کو غلط باور کرانے اور کلمہ طیبہ پڑھنے کی وجہ سے بجا طور پر اس سلسلہ میں غلط فہمی ہوسکتی ہے اور ایسی صورتوں میں جہاں نکاح کا شبہ پایا جائے اور اس کے لئے کوئی بنیاد موجود ہو تو نسب کو درست مانا جاتا ہے؛ کیوں کہ جہاں تک ممکن ہوسکے شریعت میں نسب کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(ج) اگر بیوی مسلمان ہو اور خدانخواستہ بظاہر قادیانی سے اس کا نکاح کردیا گیا تو اس کا تعلق کفاءت کے مسئلہ سے نہیں ہے؛ کیوں کہ کفو کا مسئلہ تو دو مسلمانوں کے درمیان نکاح کی صورت میں ہے، قادیانی تو مسلمان ہی نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی لڑکے کا والد قادیانی ہو اور لڑکی کے والد مسلمان ہوں تو اس صورت میں کفائت کا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اگر لڑکا خود مسلمان ہو اور لڑکی کے والد بھی مسلمان ہوں تو بعض فقہاء نے ایسے لڑکے کو اس لڑکی کا کفو نہیں مانا ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو کفو کی بنیاد نہ بنایا جائے ورنہ اس سے غیر مسلموں کے ایمان لانے اور کفر سے توبہ کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ وباللہ التوفیق

بدعات ورسوم کا بیان

ہائے یہ توہمات!

سوال:- آج کل مسلم گھرانوں میں بھی بعض باتیں مروج ہیں، جو بڑے حضرات کی طرف سے چلی آرہی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: ☆ کھڑا ہوکر کنگھی کی جائے تو تہمت لگے گی ☆ کپڑا سمیٹ کر ایک جگہ نہ رکھیں ☆ دروازہ کی زنجیر نہ بجے اور نہ بجائی جائے ☆ چھپکلی گھر میں آئے تو ایمان کمزور ہوتا ہے ☆ دودھ ابل جائے تو نقصان ہوگا ☆ تیل گرے تو فائدہ ہوگا ☆ ٹوٹا ہوا آئینہ نہیں دیکھنا چاہئے ☆ جھاڑو کھڑی رکھنے پر گھر میں جھگڑے ہوں گے ☆ جامن کا درخت گھر میں ہو تو غربت آئے گی —— ان خیالات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا دین میں اس کی کوئی اصل ہے؟ (افشاں بیگم، محبوب نگر)

جواب:- اللہ کو ایک ماننے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے؛ بلکہ یہ بھی ہے کہ صرف اللہ ہی کے نافع وضار ہونے کا یقین رکھا جائے، یعنی فائدہ صرف اللہ ہی پہنچا سکتے ہیں، نقصان بھی صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عمل کا نفع یا نقصان بتایا ہو تو چوں کہ اس کے پیچھے بھی اللہ کا حکم متعلق ہے؛ اس لئے اس سے نفع یا نقصان پہنچے گا، اس کے بغیر کسی عمل کو نافع وضار سمجھنا اللہ کو ایک ماننے

کے مغائر ہے، پس، آپ نے جو باتیں ذکر کی ہیں، یہ سب اسی نوعیت کی ہیں اور محض توہمات ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں، برادران وطن اور مشرکانہ ماحول سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس طرح کے خیالات جڑ پکڑ گئے ہیں؛ کیوں کہ شرک کا اثر یہی ہے کہ انسان مخلوق سے ڈرنے لگتا ہے اور اس کو نافع و ضار سمجھنے لگتا ہے، ایسے توہمات سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے کہ یہ ان لوگوں کے شایانِ شان نہیں، جو ایک خدا پر یقین اور اسی سے نفع ونقصان کی امیدیں رکھتے ہیں۔

تکون مکان

سوال:- میں نے ایک مکان کرایہ پر حاصل کیا ہے، یہ مکان تکون شکل کا ہے، مختلف دوستوں کی رائے ہے کہ تکون مکان میں نہیں رہنا چاہئے، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(رشید خاں، حیدرآباد)

جواب:- شریعت میں مکان کے لئے ڈیزائن کی کوئی قید نہیں ہے، کہ وہ چوکور ہو یا تکون ہو وغیرہ، انسان کے لئے اپنی سہولت اور زمین کے محل وقوع کے اعتبار سے مکان تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، ہاں اس بات کی رعایت رکھنا واجب ہے کہ بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے وقت چہرہ یا پشت قبلہ کی طرف نہ ہو، بقیہ امور انسان کی اپنی سہولت اور خواہش سے متعلق ہیں، اس سے مکان کے مبارک یا منحوس ہونے کا یا نفع اور نقصان کا کوئی تعلق نہیں۔

مکان کی تعمیر اور واستو کا تصور

سوال:- آج کل یہ عام رواج ہوگیا ہے کہ اکثر لوگ مکان وزمین کی خریداری میں اور تعمیر کے وقت ''واستو'' کا خاص خیال کرتے ہیں، جس میں ہماری برادری کے کچھ لوگ بھی شامل ہیں، برائے مہربانی آگاہ فرمایئے! کہ آخر واستو کیا چیز ہے؟ اور اسلامی اعتبار سے اس کی حیثیت کیا ہے؟

(احمد خان، سکندرآباد)

جواب:- شرعی نقطۂ نظر سے مکان کی تعمیر میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے: اول یہ کہ بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ ہونے پائے، دوسرے: پردہ کے سلسلہ میں جو شرعی احکام ہیں، ان پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہو، تیسرے: گھر کی گندگی اور غلاظت کو راستہ پر نہ ڈالا جائے اور اس کے بہاؤ کے لئے معقول انتظام کیا جائے، تاکہ راہ چلنے والوں کو دقت نہ ہو، چوتھے: جتنی زمین اس کی ملکیت میں ہے اتنے ہی پر مکان بنائے، سرکاری اور عوامی املاک میں تجاوز سے گریز کرے، پانچویں: ڈیکوریشن میں غلو اور مبالغہ سے کام نہ لے، یہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی جائز نہیں، —— رہ گئی واستو کی بات کہ مکان کا ڈیزائن کیا ہو؟ اور کون سی چیز کس جگہ پر ہو؟ اور اس سے برکت اور بے برکتی کو متعلق سمجھنا تو یہ قطعاً درست نہیں؛ بلکہ یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے، مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ تمام نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر منحصر ہے اور کوئی بھی چیز اپنی اصل میں منحوس نہیں ہے، مکان کے ڈیزائن اور اس میں مختلف ضروریات کے لئے جگہ کی تعیین کا مشورہ انجینئرس اور فنی ماہرین سے کرنا چاہئے نہ کہ پنڈتوں سے، —— غرض کہ اسلام میں ''واستو'' کا کوئی تصور نہیں۔

دودھ بخشوانے کی رسم

سوال:- ہمارے یہاں ایک رسم دودھ بخشوانے کی ہے، جو لوگ روزگار کے لئے بیرون ملک جاتے ہیں، وہ خاص طور پر اپنی ماں سے دودھ بخشواتے ہیں، بعض مائیں اگر بچوں سے ناراض ہوتی ہیں تو کہتی ہیں کہ میں ان کے دودھ نہیں بخشوں گی، اسلام میں اس طرح دودھ بخشنے اور بخشوانے کی حقیقت کیا ہے؟ (احمد شریف، ناندیڑ)

جواب:- جس نے اپنے بچے کو جنم دیا، وہی ماں ہے(۱) اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اولاد کے لئے ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے، (۲) ایسی عظمت کسی اور رشتہ دار کی

---

(۱) المجادلة:۲ (۲) کنز العمال، حدیث نمبر ۴۵۴۳۹

بیان نہیں کی گئی؛ لیکن وہ عورت جس نے صرف دودھ پلایا ہو، اس کا بھی بڑا درجہ ومقام ہے، رسول اللہ ﷺ اسی نسبت سے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اور مالی اعانت فرمایا کرتے تھے اور اپنے رضاعی بھائی بہن کا بھی پاس ولحاظ رکھتے تھے، ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی چیز سے دودھ پلائی کا حق ادا ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک غلام یا ایک باندی سے" (۱) غلام اور باندی کا کام خدمت کرنا اور راحت پہنچانا ہے، پس آپ ﷺ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے دودھ پلایا ہو، اس کی خدمت کرنا اور اس کو راحت پہنچانا واجب ہے، خواہ خود خدمت کرے یا بیوی بال بچوں سے کرائے، یا کسی خادم اور خادمہ سے کرائے، یا اسے اتنے پیسے دے دے کہ وہ کسی خادم کو رکھ سکے، یہ اصل میں رضاعی ماں کا حق ہے، افسوس کہ آج کل لوگ حقیقی ماں کی ہی خدمت نہیں کرتے، چہ جائیکہ ان سے توقع رکھی جائے کہ وہ دودھ کے رشتہ کو اہمیت دیں گے، جہاں تک دودھ بخشنے اور بخشوانے کی بات ہے، تو اس کی کوئی اصل نہیں، یہ محض ایک رسمی چیز ہے، جو لوگوں میں مروج ہوگئی ہے۔

۱۰/ محرم کو شربت پلانا اور افطار تقسیم کرنا

سوال:- (الف) کیا محرم کی ۱۰/ تاریخ کو شربت پلانا چاہئے؟ اس سلسلہ میں شریعت کا کوئی حکم ہے؟

(ب) محرم کی ۹، ۱۰/ تاریخ کو بہت سے مسلمان روزہ رکھتے ہیں؛ اس لئے کیا ان دنوں میں افطار تقسیم کرنے میں ثواب ہے؟ (محمد رفیع الدین، صابر نگر)

جواب:- یوں تو کسی بھی مسلمان بلکہ کسی بھی انسان اور جاندار کی پیاس بجھانے میں اجر وثواب ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک خاتون کی مغفرت اس بنیاد

---

(۱) ترمذی عن ابی الطفیل حدیث نمبر: ۱۱۵۳

پر ہوئی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا؛ لیکن اس کے لئے کسی خاص دن اور تاریخ کی تحدید نہیں ہے، ۱۰/محرم کی فضیلت اور اس دن کے بعض اعمال کا ذکر حدیث میں موجود ہے؛ لیکن کہیں یہ بات نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شربت پلانے کا حکم دیا ہو؛ بلکہ آپ ﷺ نے تو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، تو ظاہر ہے کہ روزہ کی حالت میں شربت پیا نہیں جا سکتا؛ اس لئے خاص طور پر ۱۰/محرم کو شربت پینے اور پلانے کا اہتمام نہ قرآن و حدیث اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہے اور نہ فقہاء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(ب) ۱۰/محرم اور اس کے ساتھ مزید ایک دن کا روزہ رکھنا باعث اجر و ثواب ہے اور حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ۱۰/محرم کو روزہ رکھا ہے، نیز روزہ دار کو افطار کرانے میں اجر و ثواب ہے، حدیث میں رمضان المبارک کی تخصیص کے بغیر افطار کے باعث اجر ہونے کا ذکر وارد ہوا ہے: "من فطر صائما کان له مثل أجره بالــغ" (۱) اور اس لئے بھی کہ روزہ خواہ جب بھی رکھا جائے، افطار اس کا حصہ ہے اور اس کی حیثیت کھانے اور کھلانے کی نہیں؛ بلکہ عبادت کی ہے؛ اس لئے اگر ان تاریخوں میں روزہ رکھنے والوں کے یہاں افطار کا سامان پہونچایا جائے تو یہ بھی باعث اجر و ثواب ہوگا۔

نماز کے بعد اجتماعی طور پر قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- کتاب حصن حصین میں بتلائی گئی چند آیات قرآنی مسجد میں نماز فجر اور عصر کی دعاء کے بعد پڑھی جاتی ہیں، اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ آیات کا مختصر حصہ امام صاحب پڑھتے ہیں اور مصلی اسے اجتماعی طور پر بہ آواز بلند دہراتے ہیں، اس طرح تمام آیات کی تلاوت ہوتی ہے، ابتداءً اس طریقے کو اس غرض سے اختیار کیا گیا تھا کہ سب مصلیوں کو یاد ہو جائے اور کئی سال سے یہی

---

(۱) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۸۰۷، ابن ماجۃ، حدیث نمبر: ۱۷۴۶

طریقہ جاری ہے، ایک صاحب نے فرمایا کہ سورۂ اعراف کے آخری صفحہ میں حکم ربانی ہے کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو، تو پوری توجہ سے سنو اور خاموش ہو جاؤ، اس طرح تمام مصلی کا بیک آواز بلند پڑھنا اس حکم ربانی سے مطابقت نہیں رکھتا، انہوں نے رائے دی کہ ایک صاحب پڑھیں اور سب خاموشی سے سنیں، سننے والوں کو زیادہ ثواب ملے گا، یا بغیر آواز خاموشی سے پڑھ کر آیات یاد کرلیں اور الگ الگ انفرادی طور پر پڑھ لیں، تو مناسب ہے؟ رہنمائی فرمائیں کہ کون سا طریقہ درست اور مناسب رہے گا؟

(صابر آزاد، پارکس)

جواب:- چند دنوں تک امام صاحب نے لوگوں کو یاد دلانے کے لیے جو زور سے آیات قرآنی پڑھا، یہ تو درست تھا؛ کیوں کہ اس کا مقصد تعلیم تھا، لیکن اس کو مستقل معمول بنا لینا مکروہ ہے:

"یکرہ للقوم أن یقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والإنصات المأمور بهما ، کذا في القنیة " (۱)

" قوم کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ ایک ساتھ قرآن پڑھیں؛ کیوں کہ سننے اور خاموش رہنے کا جو حکم (قرآن مجید میں) دیا گیا ہے، اس عمل کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتا ہے"

لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ اور آہستہ آہستہ پڑھ لیں اور اس عمل کو واجب ولازم خیال نہ کریں۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۵/۳۱۷

کتاب الفتاوی

ساتواں حصہ

کتاب العلم

علم سے متعلق مسائل

علم سے متعلق مسائل

علم تجوید حاصل کرنے کا حکم

سوال:- ناندیڑ شہر کی ایک مسجد کے امام وخطیب صاحب نے مسجدوں میں ایک اشتہار لگایا کہ انہوں نے مسجد میں قرآن شریف تجوید سے پڑھانے کا نظم کیا ہے، اس میں تحریر ہے کہ بغیر تجوید کے قرآن مجید پڑھنا اور سننا حرام ہے، کیا ایسا لکھنا درست ہے؟ (محمد احمد، ناندیڑ)

جواب:- تجوید کے معنی قرآن مجید کو عمدہ طریقہ پر پڑھنے کے ہیں، قرآن مجید کا حق یہی ہے کہ اسے بہتر سے بہتر طریقہ پر پڑھا جائے اور اس کے لیے جو علم مطلوب ہے، اسے حاصل کیا جائے؛ لیکن تجوید کا فن بہت وسیع ہے، جن میں بعض لازمی ہیں اور بعض تحسینی، ان سب کا حکم یکساں نہیں ہے؛ اس لیے اس حد تک تجوید سیکھنا کہ نماز بلا کراہت ہو جائے، ہر مسلمان پر واجب ہے اور اس سے غفلت درست نہیں۔

نماز کے سلسلہ میں قراءت کی غلطیوں پر فقہاء نے تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حروف کی ادائیگی میں ایسی غلطی نہیں ہونی چاہیے کہ معنی میں بہت زیادہ تغیر ہو جائے۔(۱) بعض لوگوں نے لوگوں کی جہالت دیکھتے ہوئے اس حکم میں مزید نرمی برتی ہے

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۲/۳۹۳

اور لکھا ہے کہ اگر معنی میں تبدیلی ہو لیکن یہ غلطی اس لیے ہوئی ہو کہ دونوں حروف میں فرق کرنا باعث مشقت ممکن نہ ہو تب بھی نماز درست ہو جائے گی۔ (۱) اس سے اشتہار میں یہ لکھنا زیادہ مناسب تھا کہ "بعض دفعہ اصول تجوید کی رعایت نہ کرنے سے قرآن مجید کا معنی بھی بدل جاتا ہے اور نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے"۔

بینک اور انشورنس کے بارے میں اجتہاد

سوال:- جہاں ایک غیر مسلم ملک میں قانون شریعت کی جگہ ایک دوسرا اقتصادی نظام مروج ہو کیا وہاں بینک کے سود پر انشورنس پر ہمارے علماء، مفتیان، ودیگر علماء کی طرح اجتہاد نہیں کریں گے، جیسے امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام خصافؒ وغیرہ نے کیا تھا، جو کتاب الحیل کے نام سے بدنام کر دیئے گئے، ان کو کتاب او سائل کہنا صحیح ہوگا۔ (موسیٰ رضا، جنوبی)

جواب:- دو اہم اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنے ضروری ہیں، ایک یہ کہ اجتہاد انہیں مسائل میں ہو سکتا ہے، جو اجتہاد کا محل ہوں اور جن میں شرعاً اجتہاد کی گنجائش ہو، جو احکام قرآن وحدیث کی یقینی دلیلوں سے ثابت ہوں، ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، جن کے بارے میں قرآن وحدیث کی صراحت موجود نہیں ہوتی اور فقہاء اجتہاد وقیاس کے ذریعے رائے قائم کرتے ہیں، صرف انہیں مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، سود اور قمار کی حرمت قرآن مجید اور واضح حدیثوں سے ثابت ہے اس لئے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، دوسرا قابل توجہ اصول یہ ہے کہ بعض احکام میں مسلم اور غیر مسلم ملکوں کے درمیان یقیناً فرق کیا گیا ہے، یہ دراصل وہ اجتماعی قوانین ہیں جن کا نفاذ حکومتوں کے ذریعے ہوتا ہے، جیسے شرعی سزائیں اور قصاص وغیرہ۔ عائلی مسائل جیسے نکاح وطلاق اور مالیاتی مسائل جیسے قانون تجارت ان احکام میں سے

---

(۱) دیکھئے: حوالہ سابق ۲: ۳۹۶

ہیں، جن کے مخاطب پوری دنیا کے مسلمان ہیں، خواہ وہ کسی مسلمان ملک میں ہوں یا غیر مسلم ملک میں؛ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب کے باشندوں پر بعض مالیاتی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا؛ لیکن دارالحرب سے مراد وہ ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہو، جمہوری ممالک دارالحرب نہیں ہیں، جیسے خود ہمارا ملک ہندوستان ہے کہ یہاں تو ہمیں بہت سے مسلم ملکوں سے بھی بڑھ کر حقوق حاصل ہیں۔

اور جہاں تک غیر اسلامی اقتصادی نظام کی بات ہے تو یہ تو اکثر مسلم ممالک میں بھی مروج ہے، ایسے غیر شرعی رواج کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے حرام کو حلال کرلیا جائے تو سارے حرام حلال قرار پائیں گے اور شریعت کی اطاعت بے معنی ہوکر رہ جائے گی، یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ حیلہ کا مقصد حرام کو حلال کرنا نہیں ہے؛ بلکہ حرام سے بچانے کا راستہ تلاش کرنا اور حلال متبادل پیش کرنا ہے۔

سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی؟

سوال:- اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی چیز پیدا فرمائی، رسول اقدس ﷺ کے نور کو یا قلم کو؟ (عبدالاحد قادری، گلبرگہ)

جواب:- سب سے پہلے کون سی چیز پیدا کی گئی؟ —— اس سلسلہ میں مختلف چیزوں کا ذکر آیا ہے، مشہور محدث ملا علی قاریؒ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کی روایت میں ہے کہ:

> ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم، اس کے بعد ''نون'' یعنی دوات کو پیدا فرمایا ہے'' (۱)

بعض روایات میں ہے کہ ''عقل کو پیدا فرمایا'' (۲) بعض احادیث میں آپ ﷺ کو

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة ، كتاب الأوائل ، باب أول ما فعل ومن فعله ، حديث نمبر: ۳۵۸۷۴

(۲) المقاصد الحسنة للسخاوي : ۲۳/۱

ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کی تخلیق فرمائی" (۱)، اور ایک روایت میں نور کے بجائے "روح" کا ذکر ہے، (۲) نیز ایک روایت میں سب سے پہلے عرش باری کے پیدا کرنے کا ذکر ہے، اس طرح کل چار روایتیں ہوگئیں۔ قلم، عقل، نور محمدی ﷺ (روح سے بھی یہی مراد ہے) اور عرش باری، ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی وضاحت یہ کی ہے کہ قلموں میں سب سے پہلے وہ قلم پیدا کیا گیا، جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے، انوار میں سب سے پہلے نور محمدی ﷺ کو پیدا کیا گیا، وغیرہ۔

"فيؤول أن كل واحد مما ذكر: خلق قبل ما هو من جنسه، فالقلم خلق قبل جنس الأقلام، ونوره قبل الأنوار الخ" (۳)

اس حقیر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ چاروں چیزیں سب سے پہلے اور ایک ساتھ پیدا کی گئی ہوں، اس طرح ان سب کو اولین تخلیق قرار دینا درست قرار پاتا ہے۔ واللہ اعلم

تاریخ اور دن کا آغاز

سوال:- انگریزی سن کا "دن" رات کے بارہ بجے سے شروع ہوتا ہے، ہجری سن کا دن کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟ کیا مغرب سے؟ اگر ایسا ہو تو پھر فجر کی نماز کو دینی کتابوں میں ان کی پہلی نماز کیا گیا ہے، یہ کیسے پہلی نماز ہو سکتی ہے؟

(محمد یوسف حسن، ممبئی)

جواب:- دن اور تاریخ میں فرق ہے، اسلام میں مہینہ کی تبدیلی پہلی تاریخ کے چاند سے ہوا کرتی ہے اور چاند ظاہر ہے غروب آفتاب کے بعد طلوع ہوتا ہے، اس لئے غروب

(۱) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة لعبد الحي اللكنوي :۱/۳۳
(۲) حوالہ سابق
(۳) مرقاة المفاتيح :۱/۱۴۷

آفتاب سے تاریخ بدلتی ہے؛ لیکن دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور اس لحاظ سے فجر کی نماز دن کی پہلی نماز ہوتی ہے اور یہی معیار لوگوں کے لئے سہولت کا باعث ہے، آج کل am اور pm رات اور دن کے ۱۲/۱۲ بجے سے شمار کیا جاتا ہے، رات کے بارہ بجے کا وقت وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کے پاس گھڑی موجود ہو، لیکن سورج کا ڈوبنا ہر شخص کو بہ سہولت معلوم ہو جاتا ہے اور یہی اسلام کا مزاج ہے کہ معیار ایسی چیزوں کو بنایا جائے، جس کی شناخت آسانی سے ہو سکے۔

''فرعون'' کا معنی

سوال:- لفظ فرعون کا معنی کیا ہے؟ ہمارے ایک دوست کے بقول فرعون کا معنی 'خدائی کا دعویٰ کرنے والا' کے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- مشہور امام لغت علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ فرعون کے اصل معنی ''مگر مچھ'' کے ہیں، گو ہر ظالم و سرکش کو بھی فرعون کہا جاتا ہے، فرعون شاہان مصر کا لقب ہوا کرتا تھا؛ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جس فرعون سے سابقہ پیش آیا — کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ولد بن مصعب — تھا (۱) اس شخص نے خدا ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا؛ لیکن فرعون کے معنی خدائی کا دعویٰ کرنے والے کے نہیں ہیں۔

مسجدوں میں صباحی ومسائی تعلیم کا نظم

سوال:- بعض علماء حضرات مسجدوں میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینے سے منع کرتے ہیں؛ حالاں کہ آج کل مسجدوں کی صباحی تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے لئے بڑی اہمیت اختیار کر گئی ہے اور اگر اس کو منع کر دیا جائے، تو اس سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ (محمد افضل قاسمی، منگلور)

---

(۱) دیکھئے: القاموس المحیط: ۱۵۷۶.

جواب:- بنیادی طور پر مسجد میں تعلیم وتعلم میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ یہ مسجد کے مقاصد میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد کے عہد میں بھی مسجدیں دینی تعلیم کا مرکز رہی ہیں، بلکہ جامع ازہر، جامع زیتون اور جامع قیروان جیسی قدیم دینی جامعات دراصل مسجدوں ہی میں قائم تھیں؛ البتہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینے کو دو صورتوں میں پسند نہیں کیا گیا ہے، ایک یہ کہ وہ اتنے بے شعور ہوں کہ مسجد کے احترام کو پامال کردیں اور پیشاب پاخانہ وغیرہ کردیں، دوسرے اجرت لے کر تعلیم دی جائے؛ کیوں کہ مسجد کسب معاش کی جگہ نہیں ہے، عبادت اور دعوت واصلاح کی جگہ ہے، اگر بعض علماء نے منع کیا ہو تو انہوں نے اسی نقطۂ نظر سے منع کیا ہوگا؛ اس لئے اول تو مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے کہ اس سے متصل مکتب کے لئے کوئی ہال بھی تعمیر کردیا جائے؛ تاکہ مسجد کے اندر مکتب چلانے کی مجبوری نہ رہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے ایسی سہولت حاصل نہ ہوسکے تو موجودہ دور میں مسجدوں میں بچوں کو دینی تعلیم دینے میں حرج نہیں؛ البتہ ایسا کنٹرول رکھا جائے کہ بچے سلیقہ کے ساتھ بیٹھا کریں اور مسجد کی بے احترامی نہ ہو، اسی طرح فقہاء نے جہاں اجرت لے کر مسجد میں تعلیم کو منع کیا ہے، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں ضرورت ہو، وہاں کراہت نہیں:

" والوجه ما قاله ابن الهمام: أنه يكره التعليم إن لم يكن ضرورة " (۱)

اور اس سے بڑھ کر ضرورت کیا ہوگی کہ ہمارے جو بچے آر ایس ایس اور عیسائی مشنریز اسکولوں یا دوسرے اسکولوں میں جاتے ہیں یا دیہات کے بچے جو دینی تعلیم سے محروم ہیں، اگر مسجدوں میں صباحی اور مسائی تعلیم کے ذریعہ ان کو دین کی بنیادی تعلیمات سے آشنا نہیں کیا جائے تو ان کے ایمان کا تحفظ بھی خطرہ میں پڑ جائے گا؛ اس لئے فی زمانہ حسب ضرورت مسجدوں میں صباحی یا مسائی تعلیم کے نظم میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے۔

---

(۱) کبیری، ص: ۵۶۸

مسجد کی تعلیم میں بالغ لڑکیوں کی شرکت

سوال:- فی زمانہ شہروں اور دیہاتوں کی اکثر مساجد میں دینی تعلیم کا نظم ہوتا ہے، جہاں چھوٹے بچے بچیوں کے ساتھ ساتھ چند بالغ یا قریب البلوغ لڑکیاں بھی حاضر ہوتی ہیں اور اساتذہ وائمہ دیگر بچوں کی طرح انہیں بھی سامنے بٹھا کر تعلیم دیتے ہیں، کیا یہ عمل شرعاً درست ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب نگر)

جواب:- ضرورت کے بقدر دینی تعلیم کا حاصل کرنا جس طرح مسلمان مردوں پر فرض ہے، اسی طرح مسلمان خواتین کے لئے بھی ضروری ہے؛ اس لئے کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا جائے، وہاں پردہ کا نظم ہو اور خاتون استاذ دستیاب ہو تو وہ پڑھائے؛ لیکن اگر اس کا نظم نہ ہو، چھوٹے بچوں کے ساتھ یا نابالغ بچیوں کے ساتھ بالغ لڑکیاں بھی بیٹھ جائیں اور بالغ لڑکیاں نقاب میں ہوں، نیز مامون جگہ ہو، تنہائی کی جگہ نہ ہو، اور پاکی کی حالت میں ہوں، تو چوں کہ اس صورت میں فتنہ کے مواقع کم ہو جاتے ہیں؛ اس لئے اس طرح تعلیم دینے کی گنجائش ہے۔

’بہشتی زیور‘ نامی کتاب

سوال:- بہشتی زیور شرعی معلومات کے لئے لکھی گئی کتاب جس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے مرتب کیا ہے، ہمارے کچھ رشتہ دار اس کتاب کے شرعی مسائل کے حساب سے چلتے ہیں، کیا یہ شریعت کے حساب سے درست ہے؟ (حامد، حسن نگر)

جواب:- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ماضی قریب کے اکابر علماء میں گذرے ہیں، وہ بلند پایہ مفسر بھی تھے اور فقیہ بھی، تصوف سے گہرا تعلق تھا اور صاحب بصیرت مربی و مصلح تھے، ان کے علاوہ تقریباً تمام ہی اسلامی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، ان کے ایک مسترشد نے

خواتین کو ضروریات دین سے واقف کرانے کے لیے "بہشتی زیور" لکھی ہے، جو حضرت تھانوی کی نظر سے گذرنے کے بعد طبع ہوئی ہے، یہ بڑی مفید اور مقبول کتاب ہے، اس کا مطالعہ کرنا مفید ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا درست ہے۔

انٹرنیٹ سیکھنا

سوال:- کیا انٹرنیٹ سیکھنا جائز ہے؟ کیوں کہ جب کوئی سائٹ کھولی جاتی ہے، تو نامحرم کی فوٹو سامنے آجاتی ہے۔

(سید عامر احمد، یاقوت پورہ)

جواب:- انٹرنیٹ کے بہت سے جائز مقاصد بھی ہیں، اس کا استعمال کاروبار اور تعلیم کے لیے بھی ہوتا ہے اور موجودہ حالات میں یہ دعوت دین کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے، اس لیے اس نیت سے انٹرنیٹ سیکھنا کہ وہ اسے جائز مقاصد کے لیے استعمال کرے گا، جائز ہے، نامحرم کی تصویر دیکھنا مقصود نہیں اور وہ اس کو ہٹانے پر قادر نہیں؛ اس لیے ان شاء اللہ اس سلسلہ میں وہ عنداللہ جواب دہ نہیں ہوگا، جیسے کہ آج کل اخبارات کا حال ہے، اخبارات خبروں کے پڑھنے کے لیے لیے جاتے ہیں؛ لیکن بہت سی تصویریں بھی چھپی ہوئی ہوتی ہیں، یہ تصویریں لینے والوں کا مقصود نہیں ہوتیں۔

ہندی اور سنسکرت زبان کی تعلیم

سوال:- کیا مسلمانوں کے لئے ہندی اور سنسکرت کی تعلیم اور اس میں مہارت حاصل کرنا گناہ ہے؟ (نام غیر مذکور)

جواب:- زبانیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اظہار کا ذریعہ ہیں، کوئی بھی زبان اپنے آپ میں بری نہیں ہے، اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس کا استعمال جائز کاموں کے لئے کرتا ہے یا ناجائز کام کیلئے، صرف اس وجہ سے کوئی زبان مذموم و ناپسندیدہ نہیں ہوتی کہ اس کو بولنے والے زیادہ تر غیر مسلم ہیں؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت

رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا، (۱) جو یہودیوں کی زبان تھی؛ اس لئے ہندی اور سنسکرت زبان کا سیکھنا گناہ نہیں، اگر محض زبان سے واقفیت مقصود ہو یا اس کے ذریعہ کسب معاش میں سہولت پیش نظر ہو تو جائز ہے، اور اگر اس زبان کو سیکھ کر اسلام کی دعوت دینے اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کرنا مقصد ہو تو مستحب اور باعث اجر وثواب ہے۔

مرد اساتذہ لڑکیوں میں اور معلمات لڑکوں میں

سوال:- ہم ایک انگلش میڈیم اسکول گذشتہ ۳۵ رسالوں سے چلا رہے ہیں، اس میں سرکاری نصاب کے ساتھ ساتھ دینی نصاب بھی شامل ہے، اس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم حاصل کرتے ہیں، پہلی سے دسویں جماعت تک کی تعلیم ہے، دسویں جماعت میں پہنچتے پہنچتے بچوں کی عمر ۱۵ رتا ۱۶ رسال کی ہو جاتی ہے، پہلی جماعت ہی سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کلاسوں کا علیحدہ انتظام ہے، مخلوط تعلیم بالکل نہیں ہے، نویں اور دسویں جماعت کی کلاسس جس عمارت میں ہے، اس کے دو حصے ہیں اور عمارت کے مابین کافی فاصلہ (کھلے میدان کی شکل میں) حائل ہے، لڑکے اور لڑکیوں کے لیے آمد و رفت کے راستے بھی الگ الگ ہیں اور پلے گراؤنڈ بھی جدا ہیں، ممکنہ حد تک احتیاط برتی جاتی ہے؛ تاکہ لڑکے لڑکیوں کے بالکل اختلاط کے مواقع نہ ہوں،

اسکول کا مقصد عصری علوم کے ساتھ بچوں کی اسلامی خطوط پر تربیت بھی ہے، کئی سالوں سے اسکول انتظامیہ کے دو سینئر ممبران جو اسلامی فکر کے حامل ہیں، طلبہ وطالبات کو پڑھانے کی خدمات

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۰۵۹، جامع الأحادیث السیوطی، حدیث نمبر: ۳۰۸۵۲

انجام دے رہے ہیں، آج تک کوئی ان پر انگشت نمائی بھی نہیں کر سکا ہے، اسکول کے تعلیمی انتظامات کے سلسلہ میں بعض عملی دشواریاں بھی حائل ہیں، اور بعض نصابی کتابیں پڑھانے کے لیے قابل معلمات دستیاب نہیں ہو پاتیں اور لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ معلمین و معلمات کا تو تقرر نہیں کیا جا سکتا، قابل اساتذہ کے نہ ہونے سے بہت سے طلبہ و طالبات عیسائی مشنری کا رخ کرتے ہیں، مذکورہ بالاخصوص صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین، اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکیوں کو مرد اساتذہ اور لڑکوں کو معلمات کا پڑھانا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے اور ایک اسکول کی عمارت میں لڑکے اور لڑکیوں کو پڑھانا کیسا ہے؟

(سکریٹری اسکول انتظامیہ شمس انگلش میڈیم اسکول بھٹکل)

جواب:- (۱) اصلاً اسلامی طریقہ تو یہی ہے کہ لڑکیوں کو معلمات اور لڑکوں کو مرد اساتذہ تعلیم دیں، اگر اساتذہ مخالف جنس کے ہوں تو بعض دفعہ یہ بات فتنہ کا باعث بن جاتی ہے اور شریعت میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایسے فتنوں کا سد باب ہو، لیکن اگر کسی مضمون کی تعلیم کے لیے اساتذہ دستیاب نہ ہوں، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ پڑھانے والی معلمہ سن رسیدہ ہوں اور پورا بدن چھپائے ہوئی ہوں، صرف چہرہ اور ہتھیلیاں نظر آئیں:

"...... و ینظر من الأجنبیة و لو کافرة إلی وجهها و کفیها فقط للضرورة" (۱)

اسی طرح مرد اساتذہ جو لڑکیوں کی کلاس میں پڑھائیں، وہ معمر ہوں اور گذشتہ

(۱) در مختار مع الرد: ۹/۵۳۰

تجربات کے مطابق اخلاق وعادات قابل بھروسہ ہوں، نیز لڑکیوں کا یونیفارم —— اسکول کے پورے وقت کے لیے ہو، کم سے کم ان اسباق کے لیے جو مرد اساتذہ سے متعلق ہوں —— بُرقعہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ بوقت ضرورت مخالف جنس کے اساتذہ سے استفادہ کی گنجائش ہے، کیوں کہ کلاس میں طالبات یا طلبہ کی کثرت کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ کم ہوتا ہے؛ البتہ یہ ایک عبوری انتظام ہے، کوشش یہی کرنی چاہیے کہ مستقل انتظام میں لڑکوں کے لیے مرد اساتذہ اور لڑکیوں کے لیے خاتون اساتذہ کا نظم ہو۔

(۲) مخلوط تعلیم عہد حاضر کا بڑا فتنہ ہے، اس سے جو اخلاقی برائیاں ظہور میں آتی رہتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں ہیں، اس کے علاوہ یہ تعلیمی نفسیات کے بھی خلاف ہے، مخلوط ماحول میں نوجوان لڑکوں کی توجہ اپنے مضمون سے زیادہ ہم جماعت طالبات کی طرف ہوتی ہے، اور لڑکیاں اپنے ہم جماعت لڑکوں کے رویہ کی وجہ سے تناؤ کے ماحول میں ہوتی ہیں، اس طرح دونوں ہی کی تعلیم پر منفی اثر پڑتا ہے، کاش! حکومتیں اور تعلیمی ادارے اس حقیقت کو سمجھیں، تاہم جو صورت آپ نے لکھی ہے کہ احاطہ ایک ہے؛ لیکن درسگاہیں الگ الگ ہیں اور آمد ورفت کے راستے بھی جداگانہ ہیں، جائز ودرست ہے، البتہ بہتر ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے سیکشن کے درمیان صرف میدان کو فاصل رکھنے کے بجائے ایک دیوار بھی قائم کردی جائے؛ تاکہ اختلاط کا کوئی اندیشہ نہ رہ سکے، ہوسکتا ہے کہ یہ عمل آپ کے لیے کسی قدر دشوار ہو؛ لیکن موجودہ ماحول میں ایسی دشواریوں کو سہنا اور تعلیم کے لیے پاکیزہ ماحول پیدا کرنا ایک طرح کا جہاد ہے، اور ان شاء اللہ یہ بے حد اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

کیا عصری تعلیم بے کار ہے؟

سوال:- ہمارے اکثر لوگ جو کہ دین کے معاملہ میں ذی شعور مانے جاتے ہیں، وہ لوگ دینی تعلیم کو ہی اللہ کا علم مانتے ہیں، دیگر علوم کو وہ بے کار مانتے ہیں، اور دلیل دیتے ہیں کہ دنیا کی

حیثیت اللہ کی نظر میں "مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں" کیا واقعی دنیوی تعلیم بے معنی ہے؟ (مشیت احمد، بھونگیر)

جواب:- علماء اور اہل دین نے کبھی بھی دنیا کی ضرورت سے متعلق علوم کو بے کار قرار نہیں دیا ہے، اسلام ہر اس علم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو انسانیت کے لیے دنیا یا آخرت میں نافع ہو، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حکمت و دانش کی باتیں مومن کا گمشدہ مال ہیں، یعنی جیسے انسان چاہ اور محبت کے ساتھ اپنا گم شدہ مال حاصل کرتا ہے، اسی طرح اسے علم و حکمت کی باتوں سے استفادہ کرنا چاہیے، خواہ وہ کہیں بھی ملے " الكلمة الحكمة ضالة المؤمن " (۱) اس لیے عصری یا دنیوی علوم کو حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، اور اگر اچھی نیت سے حاصل کیے جائیں تو ان شاء اللہ باعث اجر و ثواب ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کے لیے علم دین کا حاصل کرنا ضروری ہے، علم دین حاصل کرنے کی دو سطحیں ہیں، ایک ہے دین کا تفصیلی علم، جیسا کہ دینی مدارس کے فضلاء حاصل کرتے ہیں، یہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر مسلم آبادی میں کم سے کم ایک عالم ضرور ہونا چاہیے، جو قرآن و حدیث اور احکام شریعت کا علم رکھتا ہو، دوسرا درجہ بنیادی دینی تعلیم کا ہے، یعنی: ایمانیات، طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حلال و حرام، طلاق کے بنیادی مسائل، روزمرہ زندگی سے متعلق شرعی احکام، اگر صاحب استطاعت ہے تو زکاۃ کے ضروری مسائل اور معاشی اعتبار سے کسی پیشہ سے متعلق ہے تو اس پیشہ سے متعلق شرعی ہدایات سے واقف ہونا، نیز تجوید کے ساتھ ناظرۂ قرآن اور بقدر ضرورت حفظ، یہ ہر مسلمان کے لیے مرد ہو یا عورت اور جوان ہو یا بوڑھا، فرض ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہمارے نوجوان، ڈاکٹر، انجینئر، آئی، اے، ایس، وغیرہ بن جاتے ہیں؛ لیکن بنیادی دینی تعلیم سے بھی نا آشنا رہتے ہیں، ایسے لوگوں سے اگر کہا جائے کہ تم نے پوری زندگی اس علم میں لگایا اور بنیادی دینی تعلیم بھی حاصل نہیں کی، اس لیے تمہارا یہ کام غیر مفید ہوا، تو بے جا نہ ہوگا؛ کیوں کہ دنیا کی فکر میں ڈوب جانا اور آخرت سے غافل رہنا عقلمندی نہیں۔

---

(۱) ترمذی عن ابی ھریرۃ ؓ، حدیث نمبر: ۲۶۸۷

لائبریری سے حاصل کردہ کتابوں پر لکھنا جائز نہیں

سوال:- میں یونیورسٹی کی طالبہ ہوں، ہم لوگوں کو لائبریری سے استفادہ کرنے کی اجازت ہے، لائبریری میں مطالعہ کرنے کے علاوہ ہمیں محدود تعداد میں کتابیں نکلوانے کی بھی اجازت ہوتی ہے، ان کتابوں پر ہم بعض دفعہ یادداشت کے طور پر کچھ لکھ دیتے ہیں، یا لکیریں کھینچتے ہیں، بعض لڑکے یادگار کے طور پر اپنا دستخط بھی کر دیتے ہیں، یونیورسٹی کی کتاب میں ہمارے اس طرح لکھنے میں کوئی گناہ تو نہیں ہے، اگر ہم کوئی بری بات نہیں لکھیں یا ایسی باتیں لکھیں، جس سے بعد میں مطالعہ کرنے والے طلبہ اور طالبات کو فائدہ پہنچے؟ تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ -

(شبانہ انجم، جامعہ عثمانیہ)

جواب:- یونیورسٹی یا اس کی لائبریری قیمت لئے بغیر جو کتابیں آپ کو دیتی ہے، وہ آپ کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ عاریت ہے، اگر لائبریری ممبری فیس لیتی ہو، تب بھی وہ عاریت ہی سمجھی جائے گی، کیوں کہ ممبری فیس کتاب کی قیمت نہیں ہوتی ہے، یہ تو لائبریری کے عملہ کا انتظام اور روشنی وصفائی وغیرہ کی اجرت کے طور پر ہوتی ہے، اور عاریت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اس میں وہی تصرف جائز ہے، جس کی عاریت پر دینے والے کی طرف سے اجازت ہو، اگر اس کی طرف سے اجازت نہیں ہو تو جائز نہیں، چاہے وہ مفید ہی کیوں نہ ہو؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر آپ کسی سے کتاب لیں اور اس میں کتابت کی غلطی پائیں، تب بھی آپ کے لئے اسی وقت اس کی اصلاح جائز ہے، جب کہ اس سے مالک کتاب کو ناراضگی نہیں ہو، ورنہ اپنے طور پر اس کی اصلاح کرنا درست نہیں، اس سے صرف قرآن مجید کا استثناء ہے، کہ مصحف قرآنی میں کتابت کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو درست کر دینا اور ناشر کو اس پر متنبہ کر دینا شرعاً واجب ہے اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو گنہگار ہوگا؛

" استعار كتاباً فوجده به خطأ ، أصلحه إن علم رضا صاحبه (۱) فإن علم عدم رضاه ، ينبغي أن لا يصلحه : لأنه تصرف في ملك الغير بغير إذنه (۲) ولا يأثم بتركه إلا في القرآن : لأن إصلاحه واجب بخط مناسب " (۳)

غرض کہ لائبریری کی کتاب پر لکھنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ عام طور پر لائبریری کی طرف سے اس کی ممانعت ہوتی ہے۔

نابالغ کا سامان عاریت پر حاصل کرنا

سوال:- میں اسکول میں پڑھاتا ہوں، میرے یہاں ایک طالب علم پڑھے لکھے خاندان کے ہیں اور ان کے پاس کافی کتابیں ہیں، میں ان سے کتابیں لے کر مطالعہ کر کے واپس کر دیتا ہوں، مجھے ایک عالم صاحب نے بتایا کہ چوں کہ وہ نابالغ بچہ ہے؛ اسی لئے آپ کا اس سے اس طرح کتاب لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عاقل بالغ آدمی ہی اپنی چیز کسی کو استعمال کے لئے دے سکتا ہے؟ (احمد عبد الخبیر، قاضی پورہ)

جواب:- کسی سے اس کی چیز لے کر استعمال کرنے اور نفع اٹھا کر واپس لوٹا دینے کو "عاریت" کہتے ہیں، یہ بات تو ضروری ہے کہ جس سے کوئی چیز بطور عاریت لی جائے، اسے ذی شعور ہونا چاہئے، فاتر العقل یا بہت ہی کم عمر بچوں سے عاریت پر کوئی چیز نہیں لی جا سکتی ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اس کے لئے بالغ ہونا ضروری نہیں اگر نابالغ لیکن باشعور

---

(۱) در مختار ورد المحتار :۱۲/۵۵۴

(۲) ردالمحتار :۱۲/۵۵۴

(۳) در مختار ورد المحتار ۱۲/۵۵۴

بچے ہوں تو جو چیز ان کی ملکیت میں ہو، وہ ان سے لی جاسکتی ہے اور جو چیز ان کی ملکیت میں نہیں ہے، ان کے والد کی ہو، اس کے بارے میں ان کے والد کی اجازت ضروری ہے:

" وأما البلوغ فليس بشرط عندنا ؛ حتى تصح الإعارة من الصبي المأذون " (۱)

امتحان میں چوری

سوال :- امتحان میں ہم لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، ایک دوسرے کو بتاتے ہیں، تاکہ ہمارے ساتھی فیل نہ ہوں، اگر کوئی پرچی لکھ کر لے گئے اور اتفاق سے وہی سوال آ گیا تو دوسرے ساتھی کو پرچی بڑھا دیتے ہیں: تاکہ ان کے اچھے مارکس آسکیں، ہم لوگ سوچتے ہیں کہ ان کا تعلق دینی مسائل سے نہیں ہے، اس لئے کسی مسلمان کو اس سے فائدہ پہنچے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، آپ براہ کرم اس کی شرعی اعتبار سے وضاحت فرمادیجئے؟

(صبیحہ خانم، عنبرپیٹ)

جواب :- ہم بحیثیت مسلمان اپنی پوری زندگی کو اللہ کے حوالے کرچکے ہیں اور ہمارے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے آپ کو احکام شریعت کا پابند رکھنا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گزارنا ضروری ہے؛ اس لئے امتحان وغیرہ کے معاملات کو دین کے دائرہ سے باہر تصور کرنا درست نہیں ہے۔

جب آپ امتحان میں شریک ہوتی ہیں تو آپ بالواسطہ قوانین امتحان کی پابندی کرنے کا حکومت سے عہد کر رہی ہیں، اس عہد میں یہ بات داخل ہے کہ آپ چوری نہیں کریں گی؛ لہٰذا پرچی لکھ کر لانا، خود اس سے فائدہ اٹھانا، دوسروں کو دینا، یا زبانی دوسروں کو بتانا، یہ

---

(۱) بدائع الصنائع :۱۹/۵

سب دھوکہ اور بدعہدی میں شامل ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، چوری صرف مال ہی کی نہیں ہوتی؛ بلکہ بات کی بھی ہوتی ہے، کوئی آدمی جو بات آپ کو سنانا نہیں چاہتا، اس کو سننے کی کوشش کرنے کو حدیث میں چوری قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا جس چیز کو دیکھنے، سننے اور سنانے سے امتحان کے نظام میں منع کر دیا گیا ہے، ان کا سننا اور سنانا بھی چوری میں داخل ہے اور اس سے بچنا واجب ہے، اسی طرح ممتحن کا استحقاق سے زیادہ نمبر دینا خواہ پیسے کی بنا پر ہو یا تعلق کی بنیاد پر یا کسی اور بنیاد پر ہو، خیانت اور حرام ہے اور کسی صاحب علم کے شایانِ شان نہیں! اس لئے ان تمام باتوں سے بچنا چاہئے، کوئی برائی محض اس لئے جائز نہیں ہو سکتی کہ بہت سے لوگ اس کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

اسکولوں میں ماہ مئی کی فیس

سوال:- عصری مدارس (جو مسلم انتظامیہ کے تحت ہیں) ماہ مئی کی فیس بھی طلبہ سے وصول کرتے ہیں، جبکہ اسکول کو تعطیل ہوتی ہے اور ہر تین ماہ میں ٹرم فیس کے نام سے زائد رقم بھی وصول کرتے ہیں، کیا اسے جائز کہا جا سکتا ہے، خصوصاً مسلمان انتظامیہ کے لیے؟ (حبیب الرحمٰن، اکبر باغ)

جواب:- اسکول والے جو تعلیمی فیس لیتے ہیں، وہ پڑھانے کی اجرت ہے، گویا فقہ کی اصطلاح میں ''اجارہ'' کا معاملہ ہے، جس کی ایک فریق اسکول کی انتظامیہ ہوتی ہیں اور ایک فریق تعلیم حاصل کرنے والے بچے یا تعلیم دلانے والے سرپرست ہوتے ہیں، اجارہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جو معاملہ طے پائے، اس کے مطابق اس کی پابندی کرنا فریقین پر ضروری ہے؛ لہٰذا جب اسکول کی انتظامیہ نے شروع ہی میں بتا دیا کہ ماہ مئی کی فیس اور ٹرم فیس بھی دینی ہوگی، تو یہ سب مقررہ اجرت کا ایک حصہ ہے؛ لہٰذا اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسکول کی انتظامیہ ٹیچرس کو مئی کی تنخواہ ادا کرتی ہے، اور اگر اسکول کرایہ کی عمارت میں ہو تو اس ماہ کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے؛ البتہ مسلم انتظامیہ کو بحیثیت مجموعی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تعلیم بنیادی طور پر ایک خدمت ہے نہ کہ تجارت۔

دینی کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانا یا بے ستری کی حالت میں چہرہ یا پشت کرنا

سوال:- قرآن مجید اور دینی کتابوں کی طرف کیا پاؤں پھیلایا جا سکتا ہے؟ کیونکہ کتابیں گھر میں ہوتی ہیں، اسی گھر میں سونے کی نوبت آتی ہے، اس طرح میاں بیوی کے درمیان صنفی تعلق کا بھی موقع آتا ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس سے منع نہیں کیا گیا ہے؛ اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، احترام کا تعلق تو دل سے ہے۔ (عبدالماجد قادری، ممبئی)

جواب:- انسان کے لئے سب سے قابل احترام چیز دین ہے، اسی نسبت سے دینی شعائر اور جو چیزیں دین کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنتی ہوں، وہ بھی شریعت کی نظر میں قابل احترام ہیں؛ اسی لئے حدیث میں قبلہ کی طرف تھوکنے کو منع فرمایا گیا ہے، احترام اور بے احترامی کا تعلق عرف وعادت اور لوگوں کے مروجہ رویہ سے بھی ہے، مثلاً یہی پاؤں پھیلانے کا مسئلہ ہے، اگر کوئی چھوٹا اور سمجھدار شخص کسی بزرگ کے سامنے بلا عذر اس کی طرف رخ کر کے پاؤں پھیلائے تو اسے سماج میں بے احترامی سمجھا جاتا ہے اور اس سے ناگواری پیدا ہوتی ہے؛ لہٰذا جو چیزیں قابل احترام ہوں، جیسے: سمت قبلہ، قرآن مجید، دینی کتابیں، ان کی طرف بھی پاؤں پھیلانا مکروہ ہوگا، حدیث میں استنجاء کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے اور پشت کرنے کی بہ تاکید ممانعت وارد ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بے ستری کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا یا دینی کتابوں کی طرف اپنا چہرہ یا پشت رکھنا بے احترامی میں داخل ہے؛ لہٰذا جیسے استنجاء کے وقت ان باتوں کی ممانعت ہے، اسی طرح غسل کرنے اور میاں بیوی کے ہم آغوش ہونے کے وقت بھی اس کی کراہت ہوگی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

" ویکره مد الرجلین الی الکعبة في النوم وغیره

عمدا ، وكذا إلى كتب الشريعة ، وكذلك في حال مواقعة الاهل " (١)

نیز علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :

" كما كره مد رجليه ..... أو إلى مصحف أو شئ من الكتب الشرعية إلا أن يكون على موضع مرتفع عن المحاذاة " (٢)

بستہ میں دینی کتابیں

سوال :- مدرسہ جاتے وقت بہت سے بچے اپنے بستہ کو پیٹھ پر لگاتے ہیں، جن میں دینی کتابیں ہوا کرتی ہیں، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟ (سید اسماعیل قلعہ گولکنڈہ)

جواب :- بستہ میں کتاب رکھنے اور اس کو پیٹھ پر لے کر جانے کا مقصد دینی کتابوں کی حفاظت ہوا کرتی ہے، نہ کہ ان کی اہانت؛ اس لئے جس بستہ کو پیٹھ پر باندھ کر لے جاتے ہیں، اس میں دینی کتابیں رکھنا بھی جائز ہے؛ البتہ جو لوگ بڑے ہوں اور ہاتھ میں کتاب لے کر جانے میں دشواری نہ ہو، ان کے لئے دینی کتابوں کے معاملہ میں اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم

دینی کتابوں کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال :- میرے پاس ایسے کثیر اوراق جمع ہیں جن میں میں نے دینی مضامین اور قرآن وحدیث کے منتخبات لکھ کر بشکل مسودہ محفوظ رکھا ہے، جگہ کی تنگی کی وجہ سے میں ان مسودہ اوراق کو اور دیگر کتب عربیہ اور پارے جو بوسیدہ ہو چکے ہیں کو تلف کرنا چاہتا ہوں، آپ اس سلسلہ میں شرعی احکام کی رہنمائی کردیں۔ (فہیم الدین، چار مینار)

---

(١) الفتاوى الهندية : ٥/ ٣١٩ (٢) رد المحتار : ٢/ ٣٢٤

جوارب :- فقہاء نے قرآن کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے اور دوسری کتابوں سے اللہ اور رسول کا نام مٹا کر باقی کو جلا دیا جائے، یا بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے، بہتر ہے کہ ان کو بھی دفن کر دیا جائے۔

" المصحف إذا صار بحال لايقرأ فيه ، يدفن وأما غيره من الكتب الخ " (۱)

غرض کہ بہتر یہی ہے کہ آپ ان تمام مسودات کو ایسی جگہ دفن کر دیں، جو لوگوں کی گذرگاہ نہ ہو۔

ایجوکیشن لون

سوال:- ایجوکیشن لون لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(محمد مختار)

جوارب:- تعلیم شخصی ضرورت بھی ہے اور قومی ضرورت بھی، اور تعلیم میں تمام ہی نافع علوم کا حاصل کرنا شامل ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها " (۲)

''علم وحکمت کی باتیں مؤمن کا گم شدہ مال ہیں، جہاں بھی مل جائے، اسے حاصل کرے''

بدقسمتی سے ہندوستان میں مسلمان تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ترین اقوام سے بھی پیچھے ہیں، اور کسی قوم کا بہ حیثیت مجموعی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ہونا نہایت افسوس ناک بات ہے؛

---

(۱) درالمختار ۱/۳۲۰

(۲) سنن الترمذی ، کتاب العلم ، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة ، حدیث نمبر: ۲۹۰۳

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فقر و محتاجی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے،'' کاد الفقر أن یکون کفرا " (۱)۔

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مساوی طور پر مسلمانوں کو تعلیم سے آراستہ کرے؛ بلکہ دلتوں کی طرح اس سلسلہ میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے؛ لیکن بدقسمتی سے حکومت اس ذمہ داری کو پوری نہیں کر رہی ہے اور تعلیمی پس ماندگی کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی پس ماندگی بھی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ بہت سے مسلمان بچے اہلیت کے باوجود اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، اس لئے جو طلبہ امتحان کے ذریعہ داخلہ کی اہلیت حاصل کر لیں، ان کے پاس اتنی رقم نہیں ہو کہ وہ فیس ادا کر سکیں اور نہ دوسرے اسباب ہوں، جن کے ذریعہ فیس کا انتظام ہو سکے، نیز کوئی غیر سودی قرض دینے والا بھی نہ ہو تو اس کے لئے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے سودی قرض لینا جائز ہے؛ البتہ ضرورت ہے کہ مسلمان خاص اس مقصد کے لئے ایسے ادارے قائم کریں، جو باصلاحیت مسلمان طلبہ کو غیر سودی قرض فراہم کریں؛ تا کہ مسلمان طلبہ و طالبات تعلیم سے محروم بھی نہ ہوں اور سود دینے سے بھی محفوظ رہیں۔

تعلیمی قرضوں کا حصول

سوال:- آج کل گورنمنٹ نے اقلیتوں کے لئے کئی فلاحی اسکیمیں شروع کی ہیں، ان فلاحی کاموں میں بھی تعلیم کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، چنانچہ اقلیتی طلبہ کو وزارت اقلیتی بہبود کے تحت ایسے تعلیمی قرضے فراہم کئے جاتے ہیں جن پر سالانہ صرف دس فیصد سود لیا جاتا ہے، یہ سود کی بہت ہی کم شرح ہے، کیوں کہ یہ ماہانہ ایک فیصد سے بھی کم پڑتی ہے، اس کا بنیادی مقصد اقلیتوں کو تعلیم میں آگے بڑھانا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے، کیا مسلمان

---

(۱) شعب الإیمان للبیهقي، باب في الحث علی ترک الغل والحسد، حدیث نمبر: ۶۶۱۲

طلبہ ایسے لون (Loan) سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

(عبدالصمد، چنچل گوزہ)

جواب:- جن طلبہ نے کسی شعبہ میں داخلہ کے لئے مطلوب معیار کو حاصل کرلیا ہو، لیکن ان کے پاس اتنی رقم یا اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ اس قیمت کی اشیاء موجود نہ ہوں، اور غیر سودی قرض ملنا بھی دشوار ہو تو ان کے لئے ایسے قرض سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؛ کیوں کہ تعلیم بھی ہمارے سماج کے لئے ایک اجتماعی حاجت ہے اور حاجت کی بنا پر سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی ہے: " و یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح " (۱) بلکہ بعض اہل علم نے ایسی اسکیموں کے مقاصد اور زائد رقم کے تناسب میں کمی کے پیش نظر اسے سروس چارج شمار کیا ہے، یعنی یہ ان کے نزدیک قرض دینے والے ادارہ کے انتظامی اخراجات کے درجہ میں ہیں۔ واللہ اعلم

اردو اخبارات کی ردی کا استعمال

سوال:- میں ایک دکان دار ہوں، ردی کے اخبارات خریدتا ہوں، اس میں اردو اخبارات بھی ہوتے ہیں، ان اخبارات میں اکثر قرآن مجید کی آیت، اس کا ترجمہ یا کم سے کم اللہ تعالیٰ کا نام موجود رہتا ہے اور بے خیالی میں اسی کی پڑیہ بنادی جاتی ہے تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟ جب کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تب بھی وہ کاغذ اِدھر اُدھر گرے گا اور لوگوں کے پاؤں میں آئے گا؟

(احمد سلیم درانی، بنگلور)

جواب:- قرآن مجید، حدیث شریف، اسماء مبارکہ بلکہ تمام ہی دینی باتیں واجب الاحترام ہیں اور احترام کے لازمی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ حقیر کاموں کے لئے اس کا

(۱) الأشباه و النظائر لابن نجيم مع شرح الحموي :۱/۲۶۷، تحت قاعدة : الضرر يزال

استعمال نہ ہو، جو کاغذ بے کار، ردی اور حقیر سمجھا جاتا ہے، اس کو ایسی چیزیں رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے؛ اس لئے اردو اخبارات کی ردی جس میں مقدس مضامین یا اسماء موجود ہوں، ان کو اس طرح استعمال کرنا جائز نہیں، فقہاء نے تو فقہ اور علم کلام کے مضامین جس کاغذ میں ہوں، اس کو بھی کسی چیز کے لپیٹنے کے استعمال میں لانے سے منع کیا ہے؛ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه وفي الكلام الأولى أن لا يفعل " (۱)

اس لئے آپ اردو اخبارات کو اس مقصد کے لئے استعمال نہ کریں: کیوں کہ عام طور پر اردو اخبارات آیات واحادیث یا کم سے کم اسماء مبارکہ سے خالی نہیں ہوتے، ایسے اخبارات اگر نا قابل استعمال ہو گئے ہوں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ انہیں ایسی جگہ دفن کر دیا جائے جو لوگوں کی گذرگاہ نہ ہو، آج کل بعض ایسے کیمیکل بھی آگئے ہیں، جو کاغذات کو بالکل گلا دیتے ہیں، اس تدبیر کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية :٥/٣٢٢، كتاب الكراهية ، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة إلى آخره

قرآن مجید سے متعلق سوالات

قرآن کی جمع وترتیب

سوال :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن پاک رسول اللہ ﷺ نے ہی ترتیب دیا ہے، بعض افراد کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ سے ترتیب شروع ہوئی اور حضرت عثمان غنیؓ نے مکمل کیا، براہ کرم حقیقت سے آگاہ فرمائیں ۔

(محمد عمر شریف واحباب، عظمت نگر)

جواب :- قرآن کریم کی اصل ترتیب تو رسول اللہ ﷺ ہی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمائی تھی، ایسا نہیں تھا کہ اتفاقی طور پر آپ ﷺ جس آیت کو جہاں چاہتے، درج کرا دیتے ؛ بلکہ آپ ﷺ ہدایت فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں، ان کو فلاں جگہ لکھو :

" ضعوا هذه الآيات يذكر فيها كذا وكذا " (۱)

البتہ حضور ﷺ کے زمانے میں قرآن کی مختلف سورتیں مختلف لوگوں کے پاس لکھی ہوئی تھیں، ہر صحابی کے پاس پورا مصحف موجود نہیں تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک مصحف میں تمام سورتوں کو حضور ﷺ کی مقرر کی ہوئی ترتیب کے مطابق — جس سے عام طور پر صحابہؓ واقف تھے — جمع فرما دیا؛ لیکن مختلف قبائل قرآن کو اپنے قبیلہ کے لب ولہجہ میں پڑھا کرتے

(۱) البرهان في علوم القرآن : ۱/۲۳۴

تھے؛ چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ نے پورے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیا تھا، اور حضرت عثمان غنی ؓ نے قریش کی زبان میں قرآن مجید کو لکھوایا:

" أول من جمعها في مصحف واحد الصديق ، ثم أمر عثمان حين خاف الاختلاف في القراءة الخ " (۱)

یہ بات حضرت زید بن ثابت ؓ سے مروی ہے کہ اصل ترتیب قرآن کا کام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ (۲)

بے وضو اور بے غسل قرآن مجید کی کمپوزنگ

سوال:- میں کمپوزر ہوں، کمپوزنگ کے دوران بہت سی دفعہ قرآنی آیات بھی آتی ہیں، ایسی آیات کو با وضو یا جنابت کی حالت میں لکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ خاص کر بار بار وضو کرنا دشواری سے خالی نہیں ہے، براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔

(حبیب احمد، اکبر باغ)

جواب:- قرآن مجید کو بے وضو چھونا جائز نہیں، قرآن سے مراد وہ کاغذ اور تختی ہے، جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہوں، اگر بے وضو شخص قرآن مجید کو پڑھے، لیکن غلاف کے بغیر ہاتھ نہ لگائے تو یہ جائز ہے؛ لہذا اگر کوئی شخص 'کی بورڈ' پر حروف قرآن کو لکھنے والا بٹن دباتا ہے اور اس کو وضو نہیں ہے تو اس میں حرج نہیں؛ کیوں کہ وہ قرآن مجید کو نہیں چھو رہا ہے؛ بلکہ گویا اس قلم کو چھو رہا ہے، جس سے قرآن کی کتابت کی جاتی ہے؛ البتہ جب اسکرین پر آیت قرآنی آجائے تو جب تک اسکرین پر یہ موجود رہے، بے وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ قرآن ہی کو چھونے کی ایک شکل ہے۔

البتہ جنابت یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں حکم اس کے مقابلہ میں سخت ہے،

---

(۱) حوالہ سابق: ۱/۲۳۵　　(۲) حوالہ سابق

اس حالت میں قرآن مجید کا پڑھنا بھی ممنوع ہے، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے ایسے شخص کے لئے قرآن مجید کے لکھنے کو بھی منع کیا ہے، اگر چہ کہ لکھتے وقت قرآن مجید اس کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسے چھونے کی نوبت نہیں آتی ہو، کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے:

" الجنب لا يكتب القرآن وإن كانت الصحيفة على الأرض ولا يضع يده عليها وإن كان ما دون الآية " (۱)

کمپوزنگ بھی کتابت ہی کی ایک صورت ہے؛ اس لئے جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو، اس کے لئے قرآنی آیات کی کمپوزنگ کرنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم ۔

نابالغ بچوں کا بلا وضوء قرآن مجید پڑھنا

سوال:- جو بچے قرآن مجید حفظ کرتے ہیں اور کم عمر بھی ہوتے ہیں، وہ بعض دفعہ وضوء ٹوٹ جانے کے باوجود وضوء کرنے کا اہتمام نہیں کرتے ، غفلت کی وجہ سے یا شرم کی وجہ سے بے وضوء قرآن شریف پڑھتے رہتے ہیں، کیا اس کا گناہ ان کے استاذ پر ہوگا؟

(مرتضیٰ بیگ، ہاشم آباد)

جواب:- شریعت میں تمام احکام بالغ ہونے کے بعد سے متعلق ہوتے ہیں ، نابالغ سے فرائض وواجبات متعلق نہیں ہوتے ؛ اس لئے اگر نابالغ بچہ بالخصوص حفظ قرآن کے لئے بلا وضوء قرآن مجید پڑھ لے تو نہ اس پر گناہ ہے اور نہ اس کے اساتذہ پر:

" لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجًا بهم وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن " (۲)

البتہ بچوں کی تربیت ضروری ہے؛ اس لئے ان کو عادی بنانا چاہئے کہ نواقض وضوء کے پیش آنے کے وقت وہ وضوء کرلیا کریں، غفلت اور حیاء سے کام نہ لیں، ورنہ بالغ ہونے کے بعد بھی اس طرح کی غلطی کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔

---

(۱) الہندیہ: ۱/۳۹ (۲) رد المحتار: ۱/۳۱۷

تعوذ کے الفاظ

سوال:- ہمارے یہاں ایک قاری صاحب قرأت میں "اعوذ باللہ السمیع العلیم" پڑھتے ہیں اور وہ ہمیشہ اسی طرح قرآن مجید کے شروع میں تعوذ پڑھتے ہیں، کیا قرآن شریف کے شروع میں اس طرح تعوذ پڑھا جاسکتا ہے؟

(محمد ابراہیم، میدک)

جواب:- تعوذ کے معنی شیطان کے مقابلہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنے کے ہیں، اس کے لیے کوئی خاص فقرہ متعین نہیں ہے، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے:

"أعوذ بالله العلي العظيم" یا "أعوذ بالله السميع العليم"

پڑھ دے تو یہ بھی کافی ہے؛ البتہ "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھنا افضل ہے؛ کیونکہ یہ قرآن مجید کی تعبیر سے قریب تر ہے اور یہی متوارث طریقہ ہے:

"أحب إلي أن يقول أعوذ بالله من الشيطن الرجيم، حتى يقول موافقا للقرآن، ولو قال أعوذ بالله العظيم أو أعوذ بالله السميع العليم جاز" (۱)

سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ

سوال:- سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی ہے، ایسا کیوں ہے؟ کیا اس سورہ کے شروع یا درمیان میں بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں، اور اگر غفلت میں پڑھ لیں تو کیا گناہ ہے؟

(سمیرہ بیگم، ناندور)

(۱) ہندیہ: ۵/۳۱۶

جواب:- قرآن مجید میں ہر سورت کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا ہے، یہ کاتبانِ وحی نے اپنے طور پر نہیں لکھا ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے لکھا گیا ہے، جب ایک سورت مکمل ہوتی اور دوسری سورت کا آغاز ہوتا تو آپ ﷺ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ لکھاتے ، اور یہ بسم اللہ لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ، آپ ﷺ کی وفات کے زمانے میں سورۂ انفال کی آیتیں بھی نازل ہورہی تھیں اور سورۂ توبہ کی بھی ؛ لیکن سورۂ انفال کے اختتام پر آپ ﷺ نے بسم اللہ نہیں لکھائی اور ترتیب کے اعتبار سے سورۂ توبہ کی جگہ متعین نہیں فرمائی ؛ چنانچہ صحابہ نے اجتہاد سے کام لیا اور ''انفال'' و'' توبہ'' کے مضامین کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے ''انفال'' کے بعد'' توبہ'' کی جگہ مقرر کی ؛ البتہ بہ طور احتیاط دو کام کئے ، ایک یہ کہ'' توبہ'' کو ''انفال'' سے الگ رکھا ، دوسرے چوں کہ آپ ﷺ نے بسم اللہ نہیں لکھایا تھا ؛ اس لئے سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھائی گئی ۔ (۱)

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اوپر سے قرآن مجید پڑھتا آرہا ہو اور تلاوت کے درمیان سورہ توبہ آجائے تو بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے ؛ کیوں کہ یہاں بسم اللہ منقول نہیں ہے ، اور اگر سورہ توبہ ہی سے تلاوت شروع کرے تو بسم اللہ پڑھنا چاہئے ؛ کیوں کہ یہ بسم اللہ پڑھنا خاص سورہ توبہ کے لئے نہیں ہے ؛ بلکہ یہ تلاوت قرآن مجید کے لئے ہے ؛ لہٰذا پہلے اعوذ باللہ پڑھے ، پھر بسم اللہ ، پھر سورت کی تلاوت کرے :

" وإن اقتصر على ختم سورة الأنفال فقطع القراءة ، ثم أراد أن يبتدئ سورة التوبة ، كان كإرادته ابتداء الخ " (۲)

اگر غفلت میں غیر ارادی طور پر درمیان تلاوت سورۂ توبہ کے آنے پر بسم اللہ پڑھ لے تو حرج نہیں ؛ کیوں کہ جو احکام حقوق اللہ سے متعلق ہیں ، ان میں قصد و ارادہ کے بغیر

---

(۱) دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۶۱/۸

(۲) الفتاوى الهندية: ۵/۳۱۶ ، نیز دیکھئے: المحيط البرهاني: ۷/۵۱

ہونے والے عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

''واحد'' اور ''احد'' کے معنی

سوال:- ''واحد'' اور ''احد'' میں کیا فرق ہے؟ سورۂ اخلاص میں دو جگہ بھی ''احد'' ہے، سورۂ کہف کی آخری آیت میں ''احد'' اور ''واحد'' ہے، اس فرق کی وضاحت فرمائیں۔

(محمد عبد البصیر، پالونچہ)

جواب:- ''واحد'' اور ''احد'' دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں، ''واحد'' کے معنی ایک کے ہیں اور ''احد'' کے معنی یکتا و بے مثال کے ہیں، واحد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات ایک ہے، دو یا تین یا اس سے زیادہ خدا نہیں ہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ ''احد'' کا تعلق صفت کمال سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثال ہے، ذات وصفات میں کوئی اس کا مماثل نہیں:

"فهو الأحد المنفرد بالكمال الذي له الأسماء الحسنى والصفات الكاملة العليا، والأفعال المقدسة الذي لا نظير له ولا مثيل له" (۱)

مختلف قراءتوں میں تلاوت

سوال:- ایک قاری صاحب مختلف قراءتوں میں قرآن مجید کی قراءت کرتے ہیں، لوگ جلسوں میں ان سے قرآن پڑھواتے ہیں، ہم لوگوں کو سن کر حیرت ہوتی ہے؛ کیونکہ اس میں بہت سے الفاظ الگ طریقہ پر پڑھے جاتے ہیں، کیا اس طرح قرآن پڑھنے کی اجازت ہے؟ (نوید اختر، بنگلور)

(۱) تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان ص: ۹۳۷

جواب:- قرآن مجید میں بعض الفاظ کو ایک سے زیادہ طریقوں پر ادا کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، ان کو مختلف قراءتیں کہا جاتا ہے، ان میں کچھ قراءتیں وہ ہیں جن کو نقل کرنے والے بہت سے راوی ہیں، یہ فی الجملہ دس قراءتیں ہیں جو قراءت متواتر کہلاتی ہیں، ان میں سے کسی بھی قراءت پر قرآن مجید کو پڑھنا جائز ہے، اس کے علاوہ کچھ اور قراءتیں بھی ہیں، جو اتنی شہرت اور کثرت کے ساتھ ثابت نہیں ہیں ان کو قراءت شاذہ کہتے ہیں، قراءت شاذہ میں تلاوت یا قراءت متواتر کے ساتھ قراءت شاذہ کو ملا کر تلاوت کرنا مکروہ ہے:

"قراءة القرآن بقراءة معروفة وشاذة دفعة واحدة مكروه" (۱)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ چونکہ قراءت حفص کے علاوہ دوسری قراءتوں میں قرآن مجید کی تلاوت ہندوستان میں مروج نہیں ہے اور ایسی قراءتیں بعض اوقات عوام کے لیے تشویش اور وسوسہ کا باعث بن جاتی ہیں؛ اس لیے عوام کے درمیان مختلف متواتر قراءتوں میں قرآن پڑھنے سے گریز ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

نماز سے باہر تلاوت قرآن مجید بہ آواز بلند یا آہستہ؟

سوال:- نماز میں تو متعین ہے کہ کن نمازوں میں زور سے قرآن مجید کی تلاوت ہوگی اور کن نمازوں میں آہستہ؛ لیکن سوال یہ ہے کہ نماز سے باہر زور سے قرآن مجید کی تلاوت افضل ہے یا آہستہ؟ (عبدالمجیب، مغل پورہ)

جواب:- نماز سے باہر اگر ایسی جگہ قرآن مجید کی تلاوت کی جارہی ہو، جس سے دوسروں کو خلل پیدا ہونے کا امکان نہ ہو تو معتدل آواز میں زور سے قرآن مجید پڑھنا افضل ہے:

---

(۱) در مختار مع الرد: ۹/۲۰۴

"الأفضل في قراءة القرآن خارج الصلوة الجهر" (۱)

"رسول اللہ ﷺ ایک بار اپنے رفقاء کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے، تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت ہی ہلکی آواز میں تلاوت کرر ہے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر بلند آواز میں، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آہستہ تلاوت کرنے کی وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا کہ میں جس ذات کو سنانا چاہتا تھا، وہ میری ہلکی آواز کو بھی سن سکتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زور زور سے پڑھنے کا سبب دریافت کیا تو عرض کناں ہوئے: میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی آواز کو کسی قدر بلند اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی آواز کسی حد تک پست کرنے کو فرمایا" (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز سے باہر قراءت جہری ہونی چاہئے، لیکن اعتدال کے ساتھ۔

اگر تلاوت کے درمیان اذان ہو؟

سوال:- اگر کوئی مکان میں قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہو اور اس درمیان کسی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگے تو کیا اس دوران تلاوت روک دی جائے؟ چونکہ یہاں کی مساجد میں اور وقفہ وقفہ سے اذان کی آواز آتی رہتی ہے، تو کیا ہر دفعہ تلاوت قرآن روک دی جائے؟ اور اگر تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو کیا اس کے لئے بھی تلاوت روک دینے کا حکم ہے؟ بعض حضرات اذان کے درمیان وضو کرنا بھی روک دیتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

(سفیر الدین، گنگور)

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۶ (۲) مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر: ۴۲۱۰

جواب:- جب آپ گھر میں قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، اگر کئی مسجدوں سے ایک ساتھ آواز آئے تو اپنے محلہ کی مسجد کی اذان کا جواب دیں، اس کے بعد تلاوت جاری رکھیں:

" وعليه فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله ويجيب لو أذان مسجده " (۱)

اگر مسجد میں تلاوت کر رہے ہوں تو کیا تلاوت روک کر جواب دیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ تلاوت روک کر جواب دینا چاہئے، کیوں کہ تلاوت بعد میں بھی کی جا سکتی ہے، اذان کا جواب بعد میں نہیں دیا جا سکتا۔

وضو کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا بہتر ہے؛ کیوں کہ جب اذان ہو تو جواب دینے کا عمومی حکم دیا گیا ہے اور وضو کرتے ہوئے جواب دینے میں بظاہر کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔

گائے کا گوشت کھانے کے بعد تلاوت

سوال:- کیا گائے کا گوشت کھا کر آیت کریمہ پڑھ سکتے ہیں؟ (سعید احمد، کالے پتھر)

جواب:- گائے حلال جانور ہے اور اگر شرعی طریقہ پر اسے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت بھی حلال اور پاک ہے؛ اس لئے گائے کا گوشت کھا کر قرآن مجید یا اس کی کسی خاص آیت کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تلاوت کے درمیان حضور ﷺ یا انبیاء کرام کا نام آجائے؟

سوال:- اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور دوران تلاوت رسول اللہ ﷺ یا انبیاء کرام کا نام آجائے، تو کیا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۸

اسے روک کر صلاۃ وسلام پڑھنا چاہئے؟ (عبدالمجید قاسمی، بمبئی)

جواب:- اگر قرآن میں رسول اللہ ﷺ یا کسی پیغمبر کا نام آجائے تو بہتر ہے کہ تلاوت میں تسلسل جاری رکھے، جب مضمون مکمل ہوجائے اور عام طور پر رکوع کی تکمیل پر مضمون مکمل ہوجاتا ہے، تو اب صلاۃ وسلام پڑھ لے۔

"ولو قرأ القرآن فمر على اسم النبي صلى الله عليه وآله وأصحابه فقراءة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلاة على النبي ﷺ في ذالك الوقت فإن فرغ ففعل فهو أفضل و إن لم يفعل فلا شيء عليه" (۱)

قرآن مجید کو بوسہ دینا

سوال:- عام طور پر لوگ قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں، میرے ایک دوست نے اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ ثابت نہیں ہے؛ اس لئے ایسا کرنا بدعت ہوگا، نیز قرآن مجید میں تو شیطان اور منافقین کا بھی ذکر ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

(محمد عادل، پونہ)

جواب:- اگرچہ بعض اہل علم نے قرآن مجید کا بوسہ لینے کو بدعت کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ محبت واحترام کے جذبہ سے قرآن مجید کا بوسہ لینا جائز ہے، کیوں کہ قرآن مجید سے محبت اور اس کا احترام شرعاً واجب ہے اور بوسہ لینا بھی محبت واحترام کا ایک طریقہ ہے؛ چنانچہ حضرت عمر ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ روزانہ قرآن مجید کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے: یہ میرے رب کا عہد اور میرے پروردگار کا منشور ہے! حضرت عثمان غنی ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی مصحف قرآنی کو بوسہ دیتے تھے اور اپنے چہرہ سے لگاتے تھے:

"تقبيل المصحف، قيل بدعة، لكن روي عن عمر

رضی الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله،

ويقول: عهد ربي عزوجل، وكان عثمان رضي الله عنه

يقبل المصحف ويمسحه على وجهه " (۱)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل ؓ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ قرآن مجید کو اپنے چہرہ پر رکھتے تھے اور کہتے تھے:

''یہ میرے رب کی کتاب ہے، یہ میرے رب کی کتاب ہے'' (۲)

گو قرآن مجید میں شیاطین و مشرکین کے نام ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان کی تقدیس مقصود نہیں، بلکہ اللہ کی تقدیس مقصود ہے۔

قرآنی آیات کے ٹائیلس پر پشت لگانا

سوال:- ہمارے یہاں کی مسجد کی اندرونی دیوار پر قرآنی آیات پر مشتمل ٹائیلس لگے ہوئے ہیں، جو بڑے خوبصورت اور دیدہ زیب ہیں؛ لیکن جب لوگ قعدہ میں بیٹھتے ہیں، یا رکوع میں جاتے ہیں تو پشت اور ٹانگ کا حصہ ان آیات قرآنی سے لگتا ہے کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟ (احمد شریف، کھم)

جواب:- قرآن کا احترام واجب ہے، کوئی ایسا عمل جس کے کرنے والوں کا مقصود ہی اس فعل سے قرآن کی بے احترامی ہو تو یہ باعث کفر ہے، ایسا شخص دائرۂ ایمان سے باہر ہو جائے گا، اور فعل تو بے احترامی کا ہو؛ لیکن مقصود بے احترامی نہ ہو، تو گناہ ہے، پھر یہ بات کہ کون سا عمل احترام کے خلاف ہے اور کون سا عمل احترام کے خلاف نہیں؟ اس کی تعیین یا تو قرآن و حدیث سے ہوگی یا لوگوں کے عرف و رواج سے، جس چیز کو رواجی طور سے اہانت آمیز

---

(۱) رد المحتار ۹؍۵۵۹، كتاب الحظر والإباحة

(۲) سنن دارمی: ۲؍۴۴۰، باب فضائل القرآن

سمجھا جاتا ہو، وہ بے احترامی بھی ہے کسی چیز کو پیٹھ کے پیچھے رکھنا، یا اس پر پیٹھ کا سہارا لینا احترام کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اسی لئے مسجد کی دیوار میں اس طرح آیات قرآنی کے نائیلس لگانا اور لوگوں کا ان پر ٹیک لگانا درست نہیں، گناہ کا اندیشہ ہے، مسجد کے منتظمین کو چاہئے کہ وہاں سے نائیلس نکلوادیں، اور نہ لگانا بہتر ہے، لیکن لگانا ہی ہے تو اونچی جگہ پر لگائیں۔

قرآن میں بعض جانوروں کا ذکر کیوں نہیں؟

سوال:- پروردگار عالم نے قرآن پاک میں جہاں بیشتر مخلوقات اور حشرات کا ذکر فرمایا ہے، وہاں ڈائناسورس، شیر، ببر، چیتا وغیرہ وغیرہ کا کوئی تذکرہ میرے علم میں نہیں اور نہ ہی موتیا، گلاب، وغیرہ جیسے خوبصورت پھولوں کا ذکر آیا ہے، کیا ہم اس سے یہ مطلب نکال سکتے ہیں کہ اہل عرب ان سے ناآشنا تھے یا ان کا ذکر باری تعالیٰ نے ضروری نہیں سمجھا؟ (ضیاء الدین علوی، تحیفہ)

جواب:- قرآن مجید کتاب ہدایت ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو ﴿ھدی للمتقین﴾ (۱) "متلاشیان حق کے لئے ہدایت کا ذریعہ" قرار دیا ہے، ہدایت سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی معرفت اور آخرت کی کامیابی کے راستہ کو پالینا، یہ علم الحیوان یا علم نباتات کی کتاب نہیں ہے، اگر کسی جانور یا پھل، پھول کا ذکر آگیا ہے تو اس کا مقصد یا تو عبرت دلانا ہے، یا اللہ کی نعمتوں کی طرف متوجہ کرنا ہے؛ اس لئے اس کے بارے میں غور کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض چیزوں سے اہل عرب واقف نہ رہے ہوں؛ لیکن قرآن مجید میں ذکر نہ آنا عربوں کے اس سے ناآشنا ہونے کی دلیل نہیں، جیسے شیر اور چیتے کا ذکر خود حدیث میں موجود ہے، گلاب کا ذکر اس دور کے عرب شعراء کے یہاں بھی ملتا ہے تو کیوں کر سمجھا جائے کہ عرب ان چیزوں سے ناواقف اور بالکل نابلد تھے۔

---

(۱) البقرة: ۲

مضامین قرآن سے متعلق چند سوالات

سوال:- (الف) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ''ایمان والو'' کہہ کر کتنی بار خطاب کیا ہے؟

(ب) قرآن مجید میں ''قل'' کہہ کر کتنی بار خطاب کیا گیا ہے؟

(ج) ''میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا'' سے کیا مراد ہے؟

(عبدالرحمٰن، مانصاحب ٹینک)

جواب:- (الف) قرآن مجید میں ''یٰأیہا الذین آمنوا'' (اے ایمان والو) کے الفاظ سے ۸۶ بار مسلمانوں سے خطاب فرمایا گیا ہے۔

(ب) ۳۲ دفعہ ''قل'' کے لفظ سے خطاب ہے، کبھی یہ خطاب رسول اقدس ﷺ سے ہے اور کبھی دوسرے لوگوں سے۔

(ج) نفس کا حق یہ ہے کہ اس کا استعمال نیک کاموں کے لئے ہو، نہ کہ برے کاموں کے لئے، اگر نفس کو نیکی کے بجائے گناہ کے لئے استعمال کیا جائے، تو یہ اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ظلم ہے، قرآن مجید میں جہاں کہیں نفس کے ساتھ ظلم کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے، وہاں اس سے یہی گناہ کرنا مراد ہے۔

قرآن مجید گر جائے تو غلہ سے تولنا

سوال:- اکثر لوگ قرآن مجید گر جانے پر قرآن کو غلہ سے تولتے ہیں، اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(اختر النساء، جدید ملک پیٹ)

جواب:- اگر قرآن مجید بلا ارادہ گر جائے تو چوں کہ اس میں اس کے ارادہ واختیار کو کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے انشاء اللہ اس میں کوئی گناہ نہیں، پھر بھی احتیاطاً استغفار کر لے،

یہ کافی ہے، قرآن مجید گر جانے پر اس کے ہم وزن غلہ کا واجب ہونا نہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، نہ فقہاء نے ایسا لکھا ہے، چوں کہ صدقہ گناہ کے لئے کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اس طرح کا رواج قائم ہوگیا ہو، غرض کہ یوں تو صدقہ کرنا افضل ہے؛ لیکن خاص اس موقع کے لئے اس قسم کا صدقہ ثابت نہیں۔

دو آیتوں میں بظاہر تعارض

سوال:- سورۂ یس آیت نمبر: ۸۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو فرمادیتے ہیں کہ ہوجا، تو وہ چیز ہوجاتی ہے، اور سورۂ اعراف آیت نمبر: ۵۴ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، ان دونوں آیتوں کو پڑھتے ہوئے مجھے یہ شبہ پیدا ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ اتنی زبردست قدرت کے مالک ہیں، تو پھر باری تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق میں چھ دن کیوں لگادیئے؟ (فوزیہ جبیں، جگتیال)

جواب:- اللہ تعالیٰ کے افعال کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ایک ہے اللہ کی قدرت اور دوسری ہے اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت، سورۂ یٰسین کی جس آیت کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے، کہ اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی چیز کو لمحوں میں وجود میں لاسکتے ہیں؛ بلکہ ''کن'' (تو ہوجا) کی تعبیر بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے حکم دینے کے بھی محتاج نہیں ہیں؛ بلکہ جیسے ہی ارادہ فرماتے ہیں، وہ شئ وجود میں آجاتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت اس کائنات میں بتدریج اور آہستہ آہستہ چیزوں کو وجود میں لانے اور اس کو ترقی دینے کی ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی جوان ہوجائے، پودا لگاتے ہی تناور درخت ہوجائے اور پھل دینے لگے، زمین میں بیج ڈالی جائے اور بالیاں لہلہا اٹھیں؛ لیکن سنت اللہ کے تحت یہ تمام چیزیں آہستہ آہستہ اپنے شباب و کمال کو پہنچتی ہیں، اسی تدریجی سنت کے اظہار کے لئے

(جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے) اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ اس لئے ان دو آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے؛ بلکہ اس میں انسان کے لئے عبرت و موعظت کا پہلو ہے کہ اسے اپنے عمل کے سلسلہ میں بہت جلد باز اور فوری طور پر نتیجہ کا خواستگار نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ اپنے عمل کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانا چاہئے اور صبر و انتظار کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرنی چاہئے۔

جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے

سوال:- راقم نے سورۂ کہف کی آیت نمبر: ۲۶ پڑھی ہے، جس کا ترجمہ یوں ہے: ''مخلوقات کا اللہ کے سوا کوئی خبر گیر نہیں، اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا'' یہاں حکومت سے کیا مراد ہے؟ (محمد مقصود علی، محبوب نگر)

جواب:- اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اہل کتاب کے درمیان اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے سوئے رہنے کی مدت کے سلسلہ میں اختلاف تھا، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اصحاب کہف تین سو نو سال غار میں سوئے رہے، پھر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے رہنے کی مدت سے پوری طرح واقف ہیں، کیوں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے خلاف رائے زنی نہیں کرنی چاہئے:

" والمعنى أنه تعالى لما حكم أن لبثهم هو هذ المقدار فليس لأحد أن يقول قولا بخلافه " (۱)

اس واقعاتی پس منظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں حکم کا ترجمہ حکم ہی سے کرنا بہتر ہے بجائے حکومت؛ اور اس حکم کا دائرہ تشریعی اور تکوینی دونوں طرح کے احکام یعنی ''بندوں سے مطلوب افعال اور کائنات میں پیش آنے والے واقعات'' سب کو شامل ہے، کہ جو کچھ ہوتا ہے، اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔

---

(۱) التفسیر الکبیر: ۱۰/۲۹۰

''صلاۃ'' کے معنی

سوال:- ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ــــ از راہ کرم دونوں آیتوں کی وضاحت فرمائیں۔

(محمد عثمان، یاقوت پورہ)

جواب:- ''صلاۃ'' کے لفظ میں مختلف معنوں کی گنجائش ہے، اور جس کی طرف سے ''صلاۃ'' ہو، اس کی حیثیت اور شان کے لحاظ سے اس کا معنی متعین ہوگا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف ''صلاۃ'' کی نسبت ہو تو معنی ہوں گے ''رحمت و برکت کا اتارنا''، فرشتوں کے لئے ''صلاۃ'' کا معنی ہوگا: ''دعا'' اور ''استغفار کرنا''، مؤمنوں کی طرف اس کی نسبت ہو تب بھی ''دعا'' اور ''تعظیم احکام'' کے معنی ہوں گے، (۱) ــــ لہٰذا پہلی آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

''بیشک اللہ اپنے نبی پر رحمت و برکت نازل فرماتے ہیں اور فرشتے (نبی ﷺ کے لئے) رحمت کی دعائیں کرتے ہیں تو اے مسلمانو! تم بھی آپ (ﷺ) کے لئے رحمت و سلامتی کی دعا کرو'' (۲)

دوسری آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

''اللہ تم لوگوں پر رحمت فرماتے ہیں اور اس کے فرشتے (تمہارے لئے) دعاء رحمت کرتے ہیں کہ اللہ تمہیں تاریکیوں یعنی گمراہیوں سے روشنی یعنی ہدایت کی طرف لے جائیں'' (۳)

---

(۱) دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۱۴/۱۹۸، ۱۴/۲۳۲

(۲) الأحزاب: ۵۶ (۳) الأحزاب: ۴۳

مال اور اولاد کے "فتنہ" ہونے سے مراد

سوال:- قرآن مجید میں کیا اولاد کو بھی فتنہ کہا گیا ہے؟ مال کا تو فتنہ ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ مال و دولت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کردیتی ہے؛ لیکن اولاد تو اللہ کی ایک نعمت ہے، خاص کر صالح اولاد، اور اللہ کے پیغمبروں نے بھی اولاد کی تمنا کی ہے، تو پھر اولاد کیسے فتنہ ہوسکتی ہے؟ (عبدالرشید، میسور)

جواب:- اصل میں ایک زبان کا لفظ جب دوسری زبان میں استعمال ہوتا ہے، تو بعض اوقات دوسری زبانوں میں الگ معنی کے لئے بولا جاتا ہے، ایسے ہی الفاظ میں سے ایک "فتنہ" بھی ہے، اردو زبان میں فتنہ کے معنی فساد، بگاڑ وغیرہ کے سمجھے جاتے ہیں، مگر اصل میں اس کے معنی امتحان و آزمائش کے ہیں، اسی معنی میں قرآن مجید میں مال و اولاد کو "فتنہ" کہا گیا ہے،(۱) علامہ ابن کثیرؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد تمہارے لئے امتحان و آزمائش کا ذریعہ ہیں، کہ اللہ نے جو تم کو یہ دونوں نعمتیں دی ہیں، تم ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہو اور فرمانبرداری پر قائم رہتے ہو یا ان نعمتوں کو پا کر اللہ کی طرف سے غافل ہو جاتے ہو اور اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہو:

"... أي اختبار وامتحان منه لكم إذ أعطاكموها ؛ ليعلم أتشكرونه عليها وتطيعونه فيها أو تشتغلون بها عنه إلخ" (۲)

مال بھی اسی معنی میں فتنہ ہے، یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اگر مال کو خیر کے کام میں استعمال کیا جائے، تو یہی مال آخرت کی سرخروئی کا ذریعہ ہے، اس کے فتنہ ہونے کا مطلب

---

(۱) الانفال: ۸، التغابن: ۱۵

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۰۱، تحت آیۃ: ۸، من الأنفال

بھی یہی ہے، کہ اس میں انسان کا امتحان ہے، مال و اسباب ہاتھ آنے کے بعد وہ کس حد تک اللہ کی فرمان برداری پر قائم رہتا ہے۔

جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا

سوال:- قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم جھگڑا دیکھو تو اس معاملہ میں پڑنے سے بچو، یا وہاں سے ہٹ جاؤ، تو کیا ہم مسلمان بھائی ایسے جھگڑے جو کہ اکثر ہوتے ہیں، دیکھ کر اسے نہ روکیں، کیا ہم غیر مسلم بھائیوں کے بھی جھگڑے چھڑوا سکتے ہیں؟ (محمد شاہد ممتاز، بیدر)

جواب:- میرے علم کے مطابق قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے، شاید آپ کے پیش نظر وہ آیت ہو جس میں مسلمانوں کی شان بتائی گئی ہے کہ جب نادان لوگ ان سے الجھتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر نکل جاتے ہیں: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (۱) لیکن اس آیت کا منشا یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو جھگڑتے ہوئے چھوڑ دو؛ بلکہ اس میں داعیانہ کردار بتایا گیا ہے کہ اگر کچھ لوگ خواہ مخواہ الجھنا چاہیں تو بات کو طول دینے سے بچو؛ کیوں کہ اس سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے، جہاں تک یہ بات ہے کہ دو آدمیوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھا جائے تو مسلمان کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

(۱) الفرقان: ۶۳

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (۱)

''اگر مومنوں کا دو گروہ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے پر تلا ہوا ہو تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پس اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور پوری طرح انصاف سے کام لو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، بے شک مسلمان بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو اور اللہ سے ڈرو، شاید تم لوگ رحم کئے جاؤ''

اس سے معلوم ہوا کہ جب دو مسلمانوں کے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو جو لوگ ان کے درمیان صلح کرا سکتے ہوں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صلح کرانے کی بھر پور کوشش کریں — چوں کہ جس واقعہ کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، وہ مسلمانوں سے متعلق تھا؛ اس لئے خاص طور سے مسلمانوں کا ذکر کیا گیا، اگر غیر مسلم بھائیوں کے درمیان یا مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تب بھی صلح کی کوشش کرنی چاہئے؛ کیوں کہ سماج کو پرامن رکھنا، لوگوں کو ظلم سے بچانا اور معاشرہ میں عدل وانصاف کو قائم رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔

جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت

سوال:- عام طور پر جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، کیا احادیث سے بھی اس کی کوئی فضیلت ثابت ہے؟ (محمد محبوب، نظام آباد)

---

(۱) الحجرات: ۹-۱۰

جواب:- جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت مختلف حدیثوں میں منقول ہے، مشہور مفسر علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی وہ آئندہ آٹھ دنوں تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا، یہاں تک کہ اگر دجال نکلے تو وہ اس سے بھی محفوظ رہے گا:

"من قرء سورة الكهف يوم الجمعة فهو معصوم إلى ثمانية أيام من كل فتنة ، وإن خرج الدجال عصم منه " (۱)

تلاوت کے درمیان سلام اور اس کا جواب

سوال:- اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو، تو اس درمیان اسے سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی سلام کردے، تو کیا اس کو جواب دینا چاہئے؟ (ام حبیبہ، چار مینار)

جواب:- اگر کوئی شخص تلاوت میں مشغول ہو، تو اس حالت میں اس کو سلام نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے سلسلۂ تلاوت ٹوٹ جائے گا، اور اسلام نے تو یہ ادب سکھایا ہے کہ کوئی شخص کسی سے گفتگو کررہا ہو تو بلاضرورت اس میں بھی رکاوٹ کا باعث نہ بنے اور خلل پیدا نہ کرے، چہ جائے کہ قرآن مجید کی تلاوت جو عبادت اور ذکر ہے، جس شخص کو سلام کیا گیا ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے تلاوت توڑ کر اس کا جواب دینا ضروری نہیں:

"يكره السلام عند قراءة القرآن جهراً ... الصحيح أن لا يرد في هذه المواضع" (۲)

قرآنی دعاؤں اور اذکار میں لفظی تبدیلی

سوال:- قرآن مجید کی بے شمار آیات دعائیں بھی ہیں،

(۱) تفسیر ابن کثیر کامل :۱۳۵/۵ (۲) فتاوی هندية :۳۱۵/۵

بعض ائمہ مساجد ان آیات کو جب دعا کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو آیات کے الفاظ کو بدل دیتے ہیں، مثلاً " ربنا آتنا في الدنيا حسنة " کو " اللهم اتنا في الدنيا حسنة ..." اسی طرح " لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين " کو " لا إله إلا أنت سبحانك إنا كنا من الظالمين " پڑھتے ہیں یعنی " ربنا " کی جگہ " اللهم " اور " إني كنت " کی جگہ " إنا كنا " پڑھتے ہیں، کیا آیات کے الفاظ کو دعاؤں میں استعمال کرتے وقت اس طرح تبدیلی کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم رہنمائی کیجئے۔ (ایم، اے سید مہدی، پٹنم)

جواب:- قرآن مجید میں جو دعائیں اور اذکار مذکور ہیں، بہتر ہے کہ ان کو اسی طرح پڑھا جائے؛ کیوں کہ قرآن کے الفاظ میں خود ایک برکت اور نورانیت ہے، لیکن اگر اس میں کچھ تصرف کر دیا جائے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ جب ان قرآنی فقروں کو دعا اور ذکر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو ان کی حیثیت بدل جاتی ہے اور کلمات قرآنی کی حیثیت سے ان کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے؛ اسی لئے فقہاء نے ایسی دعاؤں اور اذکار کے پڑھنے کی اجازت حائضہ عورتوں کو بھی دی ہے؛ حالاں کہ حیض کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت جائز نہیں، واللہ اعلم۔

تلگو الفاظ میں قرآن مجید کا متن

سوال:- میری ایک لڑکی کو عربی زبان میں قرآن شریف پڑھنا نہیں آتا، ان کو تلگو زبان میں پڑھنا آتا ہے، تلفظ عربی لیکن الفاظ تلگو ہوتے ہیں، کیا اس طرح قرآن شریف پڑھنا اور اس کا ایصال ثواب کرنا درست ہوگا؟ (ذکیہ سلطانہ، کھمم)

جواب:- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

﴿ إنا أنزلناه قرآناً عربياً ﴾ (۱)

عربی زبان کا تلفظ ایک خصوصی اہمیت اور شان کا حامل ہے اور دوسری زبان کے الفاظ کے ذریعہ اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر "ث، ذ، ص، ض، ت، ط، ظ، ع" وغیرہ ایسے حروف ہیں، کہ دوسری زبانوں میں ان کی ادائے گی بظاہر ممکن نہیں، مثلاً "ث" کے لئے انگریزی زبان میں TH استعمال کیا جاتا ہے "ذ" کے لئے DH لکھا جاتا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سے عربی تلفظ کی ادائے گی نہیں ہو پاتی، اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ تو مختلف زبانوں میں کیا جا سکتا ہے، مگر اس کے متن کو مختلف زبانوں کے تلفظ میں لکھنا اور پڑھنا درست نہیں، کیونکہ وہ تلفظ کی غلطی سے خالی نہیں؛ البتہ جب تک عربی عبارت پڑھنے پر قادر نہ ہو جائے زیادہ سے زیادہ گنجائش یہ ہو سکتی ہے کہ صفحہ کی چوٹی پر نمایاں طور پر عربی عبارت ہوں اس کے نیچے اسی کے کلمات تلفظ میں لکھ دئے جائیں، جن کی حیثیت [illegible] ہو، (۲) اور اس کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن مجید بھی سیکھتے رہیں۔ واللہ اعلم

قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا

سوال:- قرآن پاک کے اللہ کے کلام ہونے کا یقین ہی ایک مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے، اللہ کا کلام عربی زبان میں نازل ہوا، غیر عربی داں مسلمان اپنی زبان کے تراجم کے بغیر کلام الٰہی کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ایسی صورت حال میں کلام الٰہی کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کو لازمی قرار دیا جانا چاہئے، مگر عام مکتبوں میں صرف عربی زبان میں قرآن کی تلاوت پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ دینی مدارس میں بھی کلام الٰہی کو عربی میں ہی پڑھنے کی تربیت دی جاتی ہے، مگر ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام

(۱) یوسف: ۲　　(۲) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۵۱

بہت کم کیا جاتا ہے، اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کلام الٰہی کو عربی میں پڑھتے رہنے سے ہی بے حد وحساب ثواب کی نشاندہی کرتے ہیں، حالاں کہ کلام الٰہی صرف ثواب حاصل کرنے کی خاطر نازل نہیں ہوا، بلکہ اس میں ہر انسان کے لئے صحیح راہ عمل بتلائی گئی ہے۔

عربی عبارت کو بغیر ترجمہ کے پڑھنے پر اکتفا کرنے سے کلام الٰہی کے مفہوم ہی سے جب قاری نابلد رہے گا تو اللہ کے منشا ومرضی کے احکامات کو کس طرح سمجھ پائے گا، براہ کرم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ عربی عبارت پڑھتے رہنے سے ہی ثواب مل جاتا ہے تو ترجمہ کی فکر ایک قاری کیوں کر کرے گا؟ (عابد مرزا، نگاہ گیر گہ)

جواب:- قرآن مجید دراصل انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا بھی باعث اجر وثواب ہے اور یہ بھی قرآن مجید کے حقوق میں سے ہے؛ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے الفاظ وحروف براہ راست اللہ تعالیٰ کے ہیں؛ اس لئے بغیر ترجمہ کے بھی الفاظ قرآن مجید کو پڑھنا اجر وثواب کا باعث ہے، یہ سمجھنا کہ بغیر ترجمہ کے قرآن پڑھنا بے فائدہ ہے، بالکل غلط ہے؛ اس لئے ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھنے کو لازم قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ نہ قرآن وحدیث میں ایسی بات فرمائی گئی ہے اور نہ یہ بات ہر شخص کے لئے ممکن ہے۔

قرآن مجید میں بیوی کے لئے زوج اور امرأۃ کی تعبیر

سوال:- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت حوا کا ذکر کرتے ہوئے زوج کا لفظ استعمال کیا ہے: ﴿ یا آدم اسکن

انت وزوجک الجنۃ ﴾ (البقرہ : ۳۵) ابولہب کی بیوی کا ذکر کرتے ہوئے " امرأۃ " کہا ہے : ﴿ وامرأتہ حمالۃ الحطب ﴾ (اللہب : ۴) حالانکہ حضرت حوا، حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی تھیں اور یہاں بھی ابولہب کی بیوی کا ذکر ہے ، یہ فرق کیوں کیا گیا ہے؟ (محمد راغب قاسمی بنگلور)

جواب :- زوج کے اصل معنی جوڑے کے ہیں ، چونکہ شوہر و بیوی ایک دوسرے کا جوڑا ہیں ، اسی لئے انہیں بھی زوج سے تعبیر کیا جاتا ہے ، اور " امرأۃ " کے معنی مطلق عورت کے ہیں ، زوج کے لفظ میں زیادہ قربت اور نزدیکی پائی جاتی ہے ، نیز زوجیت کا تعلق دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی برقرار رہتا ہے ، اگر میاں بیوی دونوں مسلمان ہوں ؛ اس لئے عام طور پر انبیاء اور صالحین کی مسلمان اور نیک بیویوں کے لئے " زوج " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور غیر مسلم کی غیر مسلم بیوی ، نیز انبیاء کی نافرمان بیویوں کے لئے قرآن مجید میں " امرأۃ " کا لفظ استعمال ہوا ہے : جیسے ﴿ امرأۃ نوح و امرأۃ لوط ﴾ (۱) کیونکہ کفر کے ساتھ مرتے ہی رشتۂ نکاح ختم ہو جائے گا ، ہاں بعض مواقع پر انبیاء کی نیک بیویوں کے لئے بھی " امرأۃ " کا لفظ آیا ہے ، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے لئے ؛ لیکن اس سلسلہ میں مفسرین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ وہاں تذکرہ ان کے ماں بننے کے سیاق میں آیا ہے اور ماں بننے کی صلاحیت کا اظہار زیادہ واضح طور پر " امرأۃ " عورت کے لفظ سے ہوتا ہے ، واللہ اعلم ۔

کتاب سے مراد " تورات "

سوال :- قرآن پاک کی سورۂ مریم کی آیت نمبر بارہ ، جس کا ترجمہ اس طرح ہے : " اے یحییٰ ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو " اور اس کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے : " کتاب سے مراد توریت

(۱) التحریم : ۱۰

ہے ؛ کیوں کہ اس وقت توریت ہی کتاب شریعت تھی " ناچیز کی الجھن یہ ہے کہ توریت کے بعد زبور کا نزول ہوا تھا ، پھر بھی توریت کا ہی اس قابل ہونا کیوں اور کیسے ؟ اس میں کون سا نکتہ پوشیدہ ہے ؟ براہ کرام اس الجھن کو دور فرمائیں ۔ (محمد عبد الغفور ، یوسف گوڑہ)

جواب :- اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہر کتاب ایمان و ہدایت کا ذریعہ اور انسانیت کے لئے روشنی کا درجہ رکھتی ہے ، یہ اور بات ہے کہ انسان اپنی آمیزشوں کے ذریعہ اس کی روشنی کو مدھم کر دیتا ہے : اسی لئے تورات کے بارے میں بھی آیا کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے : ﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ﴾ (۱) اور یہی بات انجیل کے بارے میں بھی فرمائی گئی : ﴿ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ﴾ (۲) —— البتہ تورات کے بارے میں یہ بات خاص طور پر اس لئے فرمائی گئی کہ تورات ایک نئی شریعت کی نمائندہ تھی ، حضرت یحییٰ بھی اسی شریعت کے پیرو تھے ، زبور میں نئے شرعی احکام نہیں دیئے گئے تھے ، اسی طرح انجیل کو اس اعتبار سے خصوصی اہمیت حاصل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارت تھی اور انجیل میں بہت واضح الفاظ میں یہ خوشخبری دی گئی تھی ؛ چنانچہ عیسائی علماء کی بدترین آمیزشوں کے باوجود اب بھی انجیلوں میں نبوت محمدی ﷺ کے سلسلہ میں واضح اشارات موجود ہیں ۔

تلاوت قرآن کے ختم پر " صدق اللہ العظیم " پڑھنا

سوال :- عام طور پر قاری حضرات تلاوت قرآن مجید کے بعد آخر میں " صدق اللہ العظیم " پڑھا کرتے ہیں ، اس کا کیا حکم ہے ؟ کیا اس طرح پڑھنا مسنون ہے ؟ (قاری سمیع اللہ فلاحی ، گجرات)

جواب :- یہ کلمہ معنی کے اعتبار سے تو درست ہے ، خود قرآن مجید میں " صدق اللہ "

---

(۱) المائدۃ : ۴۴ (۲) المائدۃ : ۴۶

کی تعبیر آئی ہے(۱)، اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو سنت و مستحب سمجھے بغیر پڑھے؛ لیکن اس کا التزام نہیں کرے، کبھی کبھی چھوڑ بھی دے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ اس کو سنت یا مستحب سمجھ کر پڑھنا یا اس کا التزام کرنا درست نہیں، ایسی صورت میں یہ بدعت قرار پائے گا؛ کیوں کہ میرے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس فقرہ پر تلاوت قرآن مجید کا ختم کرنا ثابت نہیں، حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سورۂ نساء کی ابتدائی آیات کی تلاوت کر رہے تھے، جب اس آیت کریمہ پر پہنچے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾(۲)

تو آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: "بس، یہ کافی ہے" حسبك، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ راوی ہیں کہ اب جو میں نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (۳) غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کے "حسبك" کہنے پر انہوں نے "صدق الله العظیم" نہیں کہا؛ تاکہ تلاوت قرآن مجید اس فقرہ پر ختم کی جائے۔

قرآن کے اوراق پلٹنے کے لئے تھوک کا استعمال

سوال:- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مساجد میں قرآن کی تلاوت کرنے والے اکثر افراد قرآن کے اوراق کو لعاب دہن انگلی کو لگا کر صفحات پلٹتے ہیں؛ اس لئے اکثر قرآن کے پارے گندے ہو جاتے ہیں، کیا یہ فعل قابل مواخذہ ہے؟

(فیض الدین عمرانی، سعید آباد)

---

(۱) آل عمران: ۹۵ (۲) النساء: ۴۱

(۳) بخاری، حدیث: ۵۰۵۰، فضائل القرآن

جواب:- لعاب دہن ناپاک نہیں ہوتا، لیکن عرف میں اسے گندگی سمجھا جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم کی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے اوراق پلٹنے کے لئے یا تو ہاتھ کے ادھر حصہ پر انگلی اتنا لگایا جائے، یا ورق چھپا ہوا کسی پانی سے کام لیا جائے۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو کیمیکل سے دھونا

سوال:- قرآن مجید کے جو اوراق بوسیدہ ہوگئے ہوں، ان کا کیا حکم ہے؟ فی زمانہ ایسے کیمیکلز بھی آگئے ہیں، جن کے ذریعے چھپے ہوئے حروف کو دھویا جاسکتا ہے، تو کیا قرآن مجید کو دفن کرنے کے بجائے کیمیکل کے ذریعے اس کے حروف کو دھویا جاسکتا ہے؟ (طیب اللہ قادری، شکاگو)

جواب:- قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کے لئے فقہاء نے مختلف صورتیں لکھی ہیں: ایک صورت نذر آتش کردینے کی ہے، لیکن اس میں ایک پہلو بے احترامی کا بھی ہے، اس لئے زیادہ تر اہل علم نے اس سے منع کیا ہے، دوسری صورت کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کرنے کی ہے، اسے بہتر قرار دیا گیا ہے، تیسری صورت حروف کو دھونے کی لکھی گئی ہے:

"إذا صار المصحف خلقا ينبغي أن يلف في خرقة طاهرة يدفن في مكان طاهر أو يحرق أو يغسل" (۱)

کیمیکل سے دھونا بھی دھونے ہی کی ایک صورت ہے، اس لئے اس طریقہ پر بھی دھونے میں مضائقہ نظر نہیں آتا، بلکہ یہ صورت زیادہ قرین احتیاط معلوم ہوتی ہے، دھونے کی شکل یہ ہونی چاہئے کہ اس سیال مادہ کو کسی برتن میں جمع کرکے پاک مٹی پر بہادیا جائے، تاکہ وہ اچھی طرح جذب ہوجائے اور بہتر ہے کہ ایسی جگہ بہایا جائے جو لوگوں کی عام گذرگاہ نہ ہو۔

---

(۱) سراجیہ: ۷۱

بوسیدہ قرآنی اوراق کا مسئلہ

سوال:- بوسیدہ قرآنی اور دینی کتابیں جو ناقابل استعمال ہو چکی ہیں، ان کا کیا کریں؟ دفن کریں یا پھر کسی باؤلی وغیرہ میں ڈال دیں؟ (عبدالنعیم، گلبرگہ)

جواب:- قرآن مجید کے اوراق اگر بوسیدہ اور ناقابل استعمال ہو جائیں تب بھی ان کا احترام کرنا واجب ہے؛ اس لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے کسی پاک کپڑے یا کسی اور پاک چیز میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دیا جائے، جو لوگوں کی عام گزرگاہ نہ ہو:

"المصحف إذا صار خلقا لا يقرء منه ويخاف أن يضيع ، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ، ودفنه أولى " (۱)

دفن کر دینا افضل ہے، لیکن کسی ایسی جگہ میں بھی ان کو رکھا جا سکتا ہے، جہاں نجاست نہ ڈالی جاتی ہو اور جس میں ان کاغذی ٹکڑوں کو قدموں تلے روندے جانے کا خطرہ نہ ہو؛ کیوں کہ اصل مقصود بے احترامی سے بچانا ہے؛ اس لئے اگر اینٹ وغیرہ سے باندھ کر ایسی باؤلی میں ڈال دیا جائے، جس میں ناپاکی وغیرہ نہ ڈالی جاتی ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، کہ یہ بھی تدفین ہی کی ایک صورت ہے، آج کل بعض ایسے کیمیکل بھی آئے ہیں جن سے کاغذات تحلیل ہو جاتے ہیں، اگر ایسا کیمیکل ڈال دیا جائے اور اس کے بعد ان اوراق کی بقایات کو دفن کر دیا جائے، جس کی مقدار یقیناً اصل بوسیدہ اوراق کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہوگی اور ان کو دفن کرنا چنداں دشوار نہ ہوگا، اس کی بھی گنجائش ہے، اسی طرح بعض ایسے سیال مادے بھی ہیں، جو طبع شدہ حروف کو پوری طرح دھو دیتے ہیں، اگر ایسے سیال، دوا کا استعمال کیا جائے اور اس سے جو رقیق جز ابھر آئے اسے پاک مٹی میں جو لوگوں کی عام گزرگاہ نہ ہو جذب کر دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ فقہاء نے بوسیدہ قرآن مجید کے حروف کو مٹانے اور محو کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیه : ۳۲۳/۵ (۲) رد المحتار : ۵۵۵/۹، کتاب الحظر والإباحة

قرآن مجید سے فال نکالنا

سوال:- بہت سے لوگ قرآن مجید سے فال نکالتے ہیں، مجھے فال نکالنے کا طریقہ معلوم نہیں، برائے مہربانی اس کا طریقہ بتائیں؟

(رخشندہ خاتون، مولاعلی)

جواب:- حضور ﷺ نے نیک فالی کو پسند کیا ہے اور بد فالی کو ناپسند کیا ہے اور اسے غیر معتبر قرار دیا ہے، نیک فالی سے مراد یہ ہے کہ مثلاً آپ نے کسی کام کے لئے کسی شخص کو بلایا، معلوم ہوا کہ اس کا نام "ناجح" ہے، جس کے معنی "کامیاب" کے ہیں، آپ کے دل میں خیال آیا کہ انشاء اللہ اس کام میں آپ کو کامیابی حاصل ہوگی، یہ نیک فالی ہے اور کسی چیز کو منحوس و نامبارک سمجھنا بد فالی اور بدشگونی ہے، جس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک قرآن مجید سے فال نکالنے کی بات ہے تو قرآن مجید انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اتارا گیا ہے، یہ فال نکالنے کی کتاب نہیں ہے، نہ حضور ﷺ نے کبھی اس سے فال نکالا، نہ صحابہ ؓ نے اور نہ سلف صالحین نے، بلکہ فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، مشہور فقیہ علامہ قہستانیؒ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ (۱) اور ملا علی قاریؒ نے اس کے ممنوع ہونے کی صراحت کی ہے۔ (۲) اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مقصد اور موضوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نیز جس چیز سے نیک فالی لی جاتی ہے، اس سے بد فالی بھی لی جاتی ہے اور قرآن مجید کے کسی لفظ سے بد فالی لینا قرآن کی عظمت کے خلاف ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب آپ کو کسی بات میں تامل ہو تو دو رکعت نماز استخارہ کی نیت سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جس بات میں خیر ہو اللہ تعالیٰ اس پر جماؤ پیدا فرمادے، پھر جس طرف طبیعت کا رجحان ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس سے خیر و کامیابی کی دعا کرکے کام شروع کردیں اور فال وغیرہ کے پیچھے نہ پڑیں۔

---

(۱) جامع الرموز ۲/۲۸۳، کتاب الکراھیة

(۲) دیکھئے: نفع المفتی و السائل للعلامه اللکنوی: ۴۰۳

فون میں انتظار کی گھنٹی کی جگہ آیات قرآنی

سوال:- آج کل لوگ ٹیلیفون میں آیات قرآنی محفوظ کر دیتے ہیں، جو گفتگو کا انتظار کرنے والے کو سننے کے لیے ہوتی ہیں، گویا انتظار کی بیل کے طور پر آیات قرآنی کا استعمال ہوتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(عامر بن محمد فداء، سعودی عرب)

جواب:- قرآن مجید اللہ تعالی کا ذکر ہے، بلکہ ذکر کی تمام صورتوں میں افضل ہے، اس لیے اس کا احترام واجب ہے، یہاں تک کہ اگر قصداً بے احترامی ہو تو باعث کفر ہے، بے احترامی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی چیز کا بے محل استعمال کیا جائے، مثلاً ٹوپی کی جگہ سر ہے، اگر ٹوپی سر پر پہننے کے بجائے کوئی شخص دستی کے طور پر استعمال کرے، تو یقیناً اسے بے احترامی سمجھا جائے گا، اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کا مقصد اللہ تعالی کا ذکر اور اس کی عبادت ہے، اگر اسے بطور عبادت پڑھنے کے بجائے اس سے کم تر مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے، تو اگر چہ اس میں بے احترامی کا قصد نہیں ہوتا؛ اس لئے اس کو کفر قرار نہیں دیا جا سکتا؛ لیکن بہر حال اس میں بھی ایک حد تک بے احترامی کا پہلو پایا جاتا ہے؛ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر چوکیدار زور سے 'لا الہ الا اللہ' کہے اور مقصد یہ ہو کہ لوگوں کو اس کا بیدار رہنا معلوم ہو جائے، یا کوئی شخص کسی تاجر سے کپڑا خرید کرنے جائے اور تاجر سامان دکھاتے ہوئے کہے 'سبحان اللہ، اللھم صل علی محمد' اور مقصد یہ بتانا ہو کہ یہ کپڑا بہت عمدہ ہے، تو ایسا کرنا مکروہ ہے:

"..... رجل جاء إلى تاجر ليشتري منه ثوبا، فلما فتح المتاع قال: سبحان الله أو قال: اللهم صل على محمد، إن أراد بذلك إعلام المشتري بجودة ثوبه و متاعه كره" (۱)

---

(۱) قاضیخان علی هامش الهندیه: ۳/۳۲۲

''اللہ اکبر'' یا اذان کی بیل اور فون کے وقفۂ انتظار میں قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- آج کل مکان میں ایسی بیل (bell) لگائی جاتی ہے جس میں اللہ اکبر کی آواز آتی ہے، یا مکمل اذان ہوتی ہے، اسی طرح ٹیلی فون میں انتظار کی گھنٹی کے طور پر قرآن مجید کی آیات لگائی جاتی ہیں، ایسی بیل (bell) لگانے کا کیا حکم ہے؟

(سید معاذ، سکندرآباد)

جواب:- ''اللہ اکبر'' میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور صفت مبارکہ کا ذکر ہے، اللہ کا ذکر بھی ایک عبادت ہے، اذان عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور نماز جیسی عظیم الشان عبادت کی اطلاع دینے کے لئے ہے، اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسی لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور احترام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دین میں اس کا جو مقصد متعین ہے، اس سے کم تر مقصد کے لیے اس کا استعمال نہیں کیا جائے۔ اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے اللہ اکبر کہنا یا اذان کے کلمات کہنا اور اسی طرح وقفۂ انتظار ظاہر کرنے کے لیے آیات قرآنی کا پڑھنا ان امور کا بے محل اور بے موقع استعمال ہے؛ اس لیے یہ صورتیں کراہت سے خالی نہیں ہیں، فقہاء کے یہاں اس کی نظیریں موجود ہیں، اگر کوئی شخص کسی تاجر کے پاس کپڑا خریدنے کے لیے آئے، تاجر کپڑے کھولتے ہوئے تسبیح اور درود پڑھے اور مقصد یہ ہو کہ خریدار کو کپڑے کے عمدہ ہونے کی اطلاع دی جائے تو یہ مکروہ ہے۔

" من جاء إلى تاجر ... أراد به إعلام المشتري جودة ثوبه فذلك مكروه " (۱)

اسی طرح چوکیدار پہرہ دیتے ہوئے اپنی بیداری کو ظاہر کرنے کے لئے زور سے "لا

---

(۱) الفتاوی الهندیہ: ۵/۳۱۵

إله إلا الله " پڑھے یا درود پڑھے تو فقہاء لکھتے ہیں کہ وہ گنہگار ہوگا:

"حارس يقول : لا إله إلا الله أو يقول : صلى الله

على محمد يأثم : لأنه يأخذ لذلك ثمنا "(۱)

افسوس کہ لوگ اپنی ناسمجھی میں ایسے تلفظات کو دین داری کا تقاضا سمجھتے ہیں؛

حالاں کہ اس میں دین کی بے احترامی کا پہلو پایا جاتا ہے؛ اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

موبائل میں گھنٹی کی جگہ آیات قرآنی

سوال:- اگر موبائل میں بیل کی جگہ قرآن مجید کی

تلاوت رکھی جائے تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

(عامر بن محمد فہد ، سعودی عرب)

جواب:- جیسا کہ اوپر مذکور ہوا قرآن مجید کو ذکر وعبادت کے بجائے کسی اور ایسے

مقصد کے لیے استعمال کرنا درست نہیں جو قرآن وحدیث اور صحابہ کے عمل سے ثابت نہیں ہے؛

تلاوت قرآن کو محض فون کی اطلاع کے مقصد سے استعمال کرنا یقیناً اسی دائرہ میں آتا ہے، اس

لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، مسلمانوں کو اس سے ضرور ہی بچنا چاہیے۔

اسکرین پر نمودار ہونے والی آیات قرآنی کو بے وضو چھونا

سوال:- اگر میں ناپاکی کی حالت میں ہوں تو کیا قرآن

کی آیات — جو ٹی وی یا کمپیوٹر کے اسکرین پر آئیں — اس کو

چھو سکتا ہوں یا نہیں؟ (قاضی عبدالقادر، حیدرآباد)

جواب:- قرآن مجید کے نقوش — جن کو ہم تحریر کہتے ہیں — کا احترام کرنا واجب

ہے، خواہ یہ نقوش کاغذ پر ہوں یا کسی اور چیز پر، اور یہ نقوش اس وقت کہلاتے ہیں جب پڑھے

جاسکیں، جیسے کوئی شخص ہاتھ کے اشارے سے ہوا میں لکھے یا پانی میں لکھے تو اس کا اعتبار نہیں، جو

---

(۱) حوالہ سابق

تحریر پڑھی جا سکے اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''کتابت مستبینہ'' کہتے ہیں اور اس پر تحریر کے تمام احکام جاری ہوتے ہیں، جو تحریر پڑھی نہ جا سکے وہ ''کتابت غیر مستبینہ'' ہے، اس پر تحریر کے احکام جاری نہیں ہوتے، جیسے کوئی شخص ہوا میں یا پانی پر طلاق کے الفاظ لکھے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اب اس وضاحت کی روشنی میں غور کیا جائے تو ٹی وی اور کمپیوٹر کی اسکرین پر قرآن کی جو آیات نظر آتی ہیں وہ باضابطہ تحریر ہیں، ان کے حروف صاف پڑھے جا سکتے ہیں؛ بلکہ بعض اوقات کاغذ پر لکھے گئے حروف سے بھی زیادہ صاف نظر آتے ہیں: اس لئے بغیر وضو ان کا چھونا جائز نہیں، جیسا کہ قرآن مجید کے کتابت شدہ نسخوں کو چھونے کے لئے پاک اور باوضوء ہونا شرط ہے۔

ڈیجیٹل قرآن کو بے وضو چھونا

سوال:- آج کل موبائل میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور سننے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے، اسی طرح ڈیجیٹل قرآن بھی بازار میں دستیاب ہیں، جس میں بٹن دباتے ہی قرآنی آیات آجاتی ہیں، کیا ایسے موبائل اور ڈیجیٹل قرآن کو بغیر وضو کے چھونا درست ہوگا؟ (شمس الحق، سکندرآباد)

جواب:- قرآن مجید اصل میں حروف و نقوش سے عبارت ہے، موبائل ڈیجیٹل قرآن میں وہ حروف بنی ہوئی حالت میں نہیں ہوتے ہیں، بلکہ جب بٹن دبایا جاتا ہے تو مخصوص شعاعیں حرکت میں آتی ہیں اور وہ حروف کے سانچہ میں ڈھلنے لگتی ہیں، اس لئے اس حقیر کی رائے یہ ہے کہ جس وقت اس کے اسکرین پر قرآنی آیات لکھی ہوئی حالت میں موجود ہوں، وہ قرآن کے حکم میں ہے، ان کو بغیر وضو کے چھونا درست نہیں، البتہ اگر کوئی بیرونی غلاف موبائل کے اوپر موجود ہو جیسا کہ آج کل پلاسٹک غلاف موبائل کی حفاظت کے لئے اوپر سے لگایا جاتا ہے اور اسے کھول کر بہ آسانی الگ بھی کیا جا سکتا ہے، تو پھر اس غلاف کے اوپر سے چھونا جائز

ہوگا: کیوں کہ وہ ایسے بیرونی غلاف کے حکم میں ہے جو قرآن مجید کے ساتھ سلا ہوا نہیں ہوتا، جب تک اسکرین پر حروف بنے نہیں ہیں، موبائل کے اندر موجود شعاعوں کی مثال اس روشنائی کی سی ہے، جس سے قرآن مجید لکھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو روشنائی ابھی قرآنی حروف کے سانچہ میں ڈھلی نہ ہو، اس کو بغیر وضو کے چھونے میں کوئی قباحت نہیں۔

بیت الخلاء میں قرآن مجید کا کیسٹ بجانا

سوال:- قضائے حاجت کی جگہ میں قرآن یا دینی خطبات کی کیسٹ بجانے کا کیا حکم ہے؟ اس کو بیت الخلاء میں تلاوت کرنا سمجھا جائے گا یا باہر سے آنے والی آواز تصور کیا جائے گا؟

جواب:- آواز کا آنا ایک ایسی بات ہے جس کو روکنے پر انسان قادر نہیں ہے؛ اسی لیے حالت جنابت میں تلاوت کو منع کیا گیا ہے، لیکن قرآن سننے کو منع نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ تلاوت کرنا اپنی قدرت میں ہے، لیکن نہ سننا اپنی قدرت میں نہیں، قضائے حاجت کی جگہ میں تلاوت قرآن کی کیسٹ بجانا اس جگہ تلاوت کرنے کے حکم میں ہے، اور انسان ایسا کرنے پر مجبور نہیں ہے؛ لہٰذا بیت الخلاء کے اندر قرآن مجید کی کیسٹ بجانا درست نہیں اور احترام قرآن کے منافی ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جب آدمی قضائے حاجت کی جگہ میں ہو، تو نہ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے، نہ "یرحمك الله" کہہ کر چھینک کا جواب دینا چاہیے، نیز سلام اور اذان کا بھی جواب نہیں دینا چاہیے؛ یہاں تک کہ چھینک آئے تو دل ہی دل میں "الحمد لله" کہے اور زبان کو حرکت نہ دے:

"... لا يذكر الله تعالى و لا يشمت عاطسا الخ"(۱)

قرآن مجید کی کیسٹ، ترجمہ اور بریل تحریر کو بلا وضوء چھونا

سوال:- قرآن مجید کی کیسٹ پاکی حاصل کئے بغیر

---

(۱) فتاوی هنديه ۱/۵۰

چھونے کا کیا حکم ہے؟ نیز احناف کے نزدیک قرآن مجید کا ترجمہ
بھی قرآن ہی کے حکم میں ہے، اس کو چھونے کا کیا حکم ہوگا؟ اسی
طرح نابینا حضرات کے لیے بریل خط میں جو قرآن مجید لکھا جاتا
ہے، اس کو چھونے کا کیا حکم ہے؟ (عبدالعزیز، ہوڑی)

جواب :- (الف) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید اصل میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کلام سے مراد الفاظ ہیں، جو آوازوں کا مجموعہ ہوتے ہیں، جو حروف کاغذ پر لکھے جاتے ہیں، وہ اصل میں ان الفاظ پر دلالت کرنے والے نقوش ہیں، اس لیے ان کو بھی قرآن مجید کا درجہ دیا جاتا ہے، کیسٹ میں صوتی لہریں محفوظ کی جاتی ہیں، جو مشین کی تحریک پر آواز کی صورت اختیار کرتی ہیں، لہٰذا جیسے کاغذ پر لکھے ہوئے نقوش الفاظ قرآنی پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح یہ صوتی لہریں بھی الفاظ قرآنی پر دال ہیں، اور اس لیے یہ قرآن مجید کے حکم میں ہیں، کیسٹ کے فیتے مصحف کے درجہ میں ہیں اور پلاسٹک کے جس غلاف میں اسے لپیٹا گیا ہے کہ جس سے الگ کرکے اس کو پڑھا نہیں جا سکتا، وہ قرآن کی ایسی جلد کے حکم میں ہے جس سے مصحف قرآنی کے اوراق منسلک ہوں اور جس کو احتراماً بغیر وضو کے چھونے کی ممانعت ہے، اور کیسٹ کے اوپر پلاسٹک کا جو غلاف حفاظت کے لیے ہوتا ہے، جسے کیسٹ کے استعمال کے وقت آسانی الگ کیا جا سکتا ہے، اس کی حیثیت ایسے غلاف کی ہے جن کے ساتھ قرآن مجید کی تجلید نہیں ہوتی؛ لہٰذا اسے بغیر وضو کے بھی چھونا جائز ہوگا:

" ..... لا یجوز لهما (وللجنب والمحدث) مس المصحف إلا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز ، لا بما هو متصل به هو الصحيح " (۱)

(ب) امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ترجمۂ قرآن عین قرآن ہے؛ لیکن راجح قول یہ ہے کہ قرآن دراصل عربی الفاظ ہیں، جو مصحف میں لکھے ہوتے ہیں، فقہاء حنفیہ نے

---

(۱) فتاوی هندیه : ۳۸/۱

کتب اصول فقہ میں قرآن مجید کی تعریف اسی طرح کی ہے؛ البتہ چونکہ احناف کے نزدیک دوسری دینی کتابوں کو بلا وضو چھونا خلاف مستحب ہے؛ اس لیے ترجمہ کو بھی بلا وضو چھونا بہتر نہیں، دوسرے فقہاء کے نزدیک قرآن مجید کے تراجم کو بے وضو چھونے میں حرج نہیں، مالکیہ کا یہی نقطۂ نظر ہے:

" أما ترجمة معاني القرآن باللغات الأعجمية فليست قرآنا بل هي نوع من التفسير في ما صرح به المالكية " (۱)

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی بھی معلوم ہوتی ہے:

" و يجوز مس كتب التفسير و الفقه و غيرها من الرسائل و إن كان فيها آيات من القرآن " (۲)

(ج)　نابینا کے لیے ابھرے ہوئے خط میں جو حروف قرآن مجید کی تعلیم کے لئے لکھے جاتے ہیں، وہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہیں؛ کیوں کہ جس طرح مروج حروف الفاظ قرآن پر دلالت کرتے ہیں، یہ حروف بھی دلالت کرتے ہیں؛ لہذا ان کا حکم بھی قرآن مجید ہی کا ہوگا؛ چنانچہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر قرآن مجید کے عربی الفاظ کو غیر عربی حروف میں لکھا جائے تو وہ بھی قرآن ہی کے حکم میں ہوں گے، شوافع کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے:

" المصحف إن كتب على لفظه العربي بحروف غير عربية فهو مصحف، و له أحكام المصحف و بهذا صرح الحنفية، ..... و عند الشافعية مثل ذلك، قال القليوبي: تجوز كتابة المصحف بغير العربية لا قراءته و لها حكم المصحف في المس و الحمل " (۳)

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۳۸/۱۰، مادہ: مصحف　(۲) المغنی: ۲۰۳/۱

(۳) الموسوعة الفقهية: ۱۰/۳، مادہ: مصحف

غرض کر بریل حروف میں لکھے گئے، جیسا حضرات نے مصحف کو بغیر باوضو ہاتھ لگانا درست نہیں ہوگا۔

بیت الخلاء میں قرآن مجید کی کیسٹ لے جائے

سوال:- قضائے حاجت کی جگہ میں ایسی کیسٹ لے جانے کا کیا حکم ہے، جس میں قرآن مجید ٹیپ ہو یا جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو؟ (محمد فرقان فلاحی، اورنگ آباد)

جواب:- یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ذکر قابل احترام ہے، اور قرآن مجید تو سب سے افضل ذکر ہے؛ کیوں کہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس احترام کے تقاضوں میں یقینی طور پر یہ بات شامل ہے کہ اس کو ناپاکی کی جگہ سے بچایا جائے، رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگوٹھی میں محمد رسول اللہ نقش تھا، اس لیے جب آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے، "إذا دخل الخلاء وضع خاتمه" (۱)

چنانچہ فقہاء نے بیت الخلاء میں ایسی انگوٹھی لے جانے کو جس پر اللہ کا ذکر کندہ ہو، یا قرآن مجید کا کوئی حصہ لے جانے کو منع فرمایا ہے:

"و یکره أن یدخل في الخلاء و معه خاتم ، علیه اسم الله تعالیٰ أو شيء من القرآن" (۲)

البتہ اگر کیسٹ کو باہر چھوڑنے کی صورت میں چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو اسے پلاسٹک کے غلاف میں رکھ کر لے جانے یا کرتے کے جیب میں رکھ کر لے جانے کی گنجائش ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ اگر انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو تو انگوٹھی کے نگینہ

---

(۱) ابو داؤد عن انس بن مالک، حدیث نمبر:۱۹، کتاب الطهارة، باب الخاتم یکون فیه ذکر الله تعالیٰ یدخل به الخلاء، سنن ابن ماجه، حدیث نمبر:۳۰۳، کتاب الطهارة و سننها، باب ذکر الله عز وجل على الخلاء و الخاتم في الخلاء۔

(۲) ہندیہ:۱/۵۰

کو ہتھیلی کی جانب کر کے بیت الخلاء میں داخل ہو، اور عکرمہ نے اضافہ کیا ہے کہ اسے اپنی مٹھی میں لے لے، (۱) اسی طرح اسلامی عہد میں سکوں پر بھی اللہ تعالیٰ کے نام یا بعض آیات کندہ ہوتی تھیں، اگر آدمی گھر سے باہر ہو تو سکوں کا باہر چھوڑ کر بیت الخلاء جانا دشوار ہوتا ہے، اور اس میں پیسوں کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے، اسی لیے امام احمدؒ نے درہم کو بیت الخلاء میں لے جانے کی اجازت دی ہے:

" في الرجل يدخل الخلاء ، ومعه الدراهم أرجو أن لايكون به بأس " (۲)

قرآنی آیات کے طغرے لکھنا اور فروخت کرنا

سوال:- خطاطی اسلامی ثقافت کا اہم حصہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عربی خطاطی کا آغاز ہو گیا تھا، اس وقت کے اہم خطاطوں میں امیر المومنین حضرت علی ؓ، ابی بن کعب ؓ، زید بن ثابت ؓ، اسعد بن زرارہ ؓ، منذر بن عمر ؓ اور رافع بن مالک ؓ شامل ہیں، خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس فن کو فروغ حاصل ہوا، حضرات حسنین اور عبداللہ بن عمر ؓ بھی اچھے خطاط تھے، مشہور بزرگ خواجہ حسن بصریؒ بھی اپنے زمانہ کے اچھے خطاط تھے، اسلامی تاریخ میں بنو عباسیہ کا عہد بھی اسلامی خطاطوں کا زریں دور ہے، مصر، عراق، ترکی اور دیگر اسلامی ممالک میں خطاطی پر نمایاں خدمات انجام دی گئی ہیں اور اس دور میں بھی بہت سے اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی خطاطی پر نمایاں کام ہو رہا ہے، ہر زمانے میں خطاطوں نے قرآنی آیات کے

---

(۱) المغني لابن قدامه :۱/۲۲۷ (۲) المغني :۱/۲۲۹

بےشمار دیدہ زیب طغرے بنائے ہیں۔

پوچھنا مقصود یہ ہے کہ کیا خطاطی جائز ہے؟ اور قرآنی آیات کو طغروں کی شکل میں کاغذ پر، کپڑے پر مذ ر دوزی کے ساتھ، پتھر پر کندہ کر کے، لکڑی کو تراش کر، المونیم میں ڈھال کر، سیٹے کو کاٹ کر اور موتیوں کو پرو کر قرآنی آیات کے طغرے بنانا اور انہیں بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مندرجہ بالا چیزوں سے بنے قرآنی آیات اور احادیث کے طغروں کو گھروں میں خیر و برکت کے لئے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (ارشاد حسین فاروقی، دہلی)

جواب:- قرآن مجید اصل میں کتاب ہدایت ہے اور بنیادی طور پر قرآن مجید کی کتابت وطباعت اور اس کی نشر و اشاعت کا یہی مقصد ہونا چاہئے؛ لیکن چوں کہ کتاب اللہ ہونے کی وجہ سے یقیناً یہ باعث برکت بھی ہے؛ اس لئے تبرک کی نیت سے قرآن مجید یا اس کی کتابت شدہ آیت کو اپنے پاس رکھنا یا لٹکانا بھی جائز ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی؛ اس لئے آپ کے سوال کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) قرآن مجید کی کسی آیت کا طغرہ کی شکل میں لکھنا جائز ہے، بشرطیکہ:

(الف) حروف بنیادی طور پر رسم عثمانی کے مطابق ہوں؛ کیوں کہ علماء نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے کہ قرآن مجید کی کتابت ہمیشہ اسی رسم کے مطابق ہو۔

(ب) طغرہ کے طور پر قرآن مجید کی آیت کو اس طرح نہ لکھا جائے کہ آدمی محض تحریر میں تصنع کی وجہ سے غلط پڑھنے لگے: کیوں کہ یہ قرآن مجید کے احترام کے مغائر ہے۔

(ج) کلمات قرآنی کو ذی روح کی صورت میں یا کسی ایسی صورت میں نہ لکھا جائے، جس کو حقیر سمجھا جاتا ہو؛ کیوں کہ ذی روح کی تصویر بنانا حرام

ہے۔

۲) قرآن مجید کو سونا یا چاندی یا ایسی اشیاء زینت سے آراستہ کر لکھنا جو پاک ہوں، جائز ہے:

"لا بأس بأن يجعل المصحف مذهبا أو مفضضا أو مضببا" (۱)

نیز علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وجاز تحلية المصحف ، لما فيه من تعظيمه كما في نقش المسجد" (۲)

اس کے جائز ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اس طرح لکھنے والے کا مقصود قرآن مجید کی تعظیم ہوتا ہے نہ کہ بے احترامی، اور قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت وارد نہیں ہے۔

۳) قرآنی آیت یا اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر مشتمل طغروں کو دیوار پر لگانا یا مقام احترام میں رکھنا جائز ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

"ولو كتب القرآن على الحيطان والجدران بعضهم قالوا : يرجى أن يجوز ، وبعضهم : كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس" (۳)

اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے دیوار پر لکھنے سے منع کیا ہے، ان کا منشا ہے کہ یہ تحریری نقوش دیوار سے زمین پر گر سکتے ہیں، اور ان کے روندے جانے کی نوبت آ سکتی ہے، گویا اس کا خطرہ نہ ہو تو سبھوں کے نزدیک یہ جائز ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ سلف صالحین کے زمانہ سے ایسے

---

(۱) ہندیہ: ۵/۳۲۳ (۲) الدر المختار مع الرد: ۹/۵۵۴

(۳) ہندیہ: ۵/۳۲۳

طغرے لکھنے اور لگائے جانے کا رواج رہا ہے، خود کعبۃ اللہ کے غلاف پر زریں تاروں سے قرآن مجید کی آیات اور اسماء حسنیٰ لکھے جاتے رہے ہیں، اور اس کو بُرا نہیں سمجھا گیا ہے۔

۴) طغرہ لکھی ہوئی چیز کو زمین پر بچھانا جائز نہیں کہ اس میں اہانت کا پہلو ہے: " کتابۃ القرآن علی ما یفترش ویبسط مکروھۃ " (۱)

۵) اصل میں احترام و اہانت کا تعلق دو چیزوں سے ہے: ایک فاعل کی نیت سے، دوسرے عرف و عادت سے، یعنی جو چیز عرف میں اہانت آمیز سمجھی جاتی ہے، اسے اہانت سمجھا جائے گا، طغرہ بنانے یا اسے اپنے گھر لگانے سے نہ فاعل کا ارادہ بے احترامی کا ہوتا ہے اور نہ عرف میں یہ بات اہانت کی سمجھی جاتی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احترام اور تعظیم کے طور پر یہ چیزیں لگائی جاتی ہیں؛ اسی لئے فقہاء نے سکوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے کی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ اس کا مقصد بے احترامی نہیں ہوتا:

" لا بأس بکتابۃ اسم اللہ تعالیٰ علی الدراھم ؛ لأن قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون " (۲)

۶) جس چیز کو بنانا اور استعمال کرنا جائز ہے، اسے بیچنا بھی جائز ہے؛ اس لئے ایسے طغرے فروخت کئے جاسکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ آیات قرآنی کو (نعوذ باللہ) بیچنا نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس شئ کی خرید و فروخت ہے، جس پر قرآنی آیات لکھی گئی ہیں۔

آیات وغیرہ پر مشتمل کپڑے

سوال:- آج کل کپڑے پر سنہرے تاروں سے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ، آیت الکرسی اور قرآن مجید کی آیتیں وغیرہ لکھی اور فروخت کی جاتی ہیں، کیا ایسے پردوں کا خرید کرنا اور انہیں گھروں میں لگانا جائز ہے؟ (سمیع الدین، نارائن گوڑہ)

---

(۱) حوالہ سابق (۲) ہندیہ: ۳۲۳/۵

جواب:- ایسا کپڑا — جس پر آیات وغیرہ لکھی ہوں اور اس کو دیوار پر آویزاں کرنا مقصود ہو — کا خریدنا اور بیچنا جائز ہے، کیوں کہ یہ ان آیات کی قیمت نہیں ہے، بلکہ کپڑے کی قیمت ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اسے احترام کے ساتھ رکھا جائے، اسے زمین پر نہ بچھایا جائے اور اس طرح نہ رکھا جائے کہ اس سے بے احترامی کی بو آتی ہو۔

"إذا كان ستر فيه ذكر الله تعالى فلا بأس به وكره أن يشتري الثوب فيه ذكر الله مما يجلس عليه أو يداس" (۱)

آیت کریمہ اور دفع مصیبت

سوال:- مصیبت اور پریشانی میں بہت سے لوگ آیت کریمہ یعنی "لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين" کا ورد کرتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ کیا کسی حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے؟ (پروین ممتاز، اقبال باغ)

جواب:- حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تھا، اس وقت انہوں نے یہ دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے، (۲) اس سے اس واقعہ میں خود اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ دعا مصیبتوں سے نجات پانے کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے؛ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی چیز کے سلسلہ میں اس کے ذریعہ دعا کرے گا، اسے قبولیت حاصل ہوگی، (۳) حضرت یونس علیہ السلام کے اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات عطا کرتے ہیں ﴿ وكذلك

---

(۱) المغني لابن قدامة، كتاب الوليمة: ۱۰/۲۰۵

(۲) الأنبياء: ۸۷ (۳) تفسیر قرطبی ۱۱/۳۳۱

ننجي المؤمنين ﴾ (۱) علامہ قرطبی نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اس دعاء پر قبولیت اور نجات کا وعدہ کیا ہے، (۲) علامہ فخر الدین رازی نے بھی حدیث نقل کی ہے کہ کسی مصیبت میں اس آیت کو پڑھا جائے تو اللہ تعالی اس مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے، (۳) —— ان روایات سے معلوم ہوا کہ دفع مصیبت میں اس آیت کا خاص اثر ہے؛ البتہ اس کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، جو حدیث سے ثابت ہو؛ اس لئے اگر کسی خاص مقصد کے حاصل ہونے کے لئے یا دفع مصیبت کے لئے اس آیت کو پڑھا جائے تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، جس قدر پڑھے بہتر ہے، چاہے تو اپنی آسانی کے لحاظ سے کوئی تعداد مقرر کر کے پڑھ سکتا ہے؛ کیوں کہ جس ذکر کے لئے حدیث میں کوئی تعداد مقرر نہ ہو، اس میں انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ حسب سہولت جتنا پڑھ سکے، پڑھ لے۔

آیات قرآنی پڑھ کر پانی پر دم کرنا

سوال:- کوئی شخص قرآن مجید کی سورتوں کو پڑھ کر پانی پر دم کرے اور کسی انسان کو پلائے، کیا یہ درست ہے؟

(عظمت علی، ریاست نگر)

جواب:- حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بیماریوں میں دم کرنے کی اجازت دی ہے؛ (۴) لیکن اس کا تعلق خود آدمی کو دم کرنے سے ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے بہت سے فقہاء جن میں عطا، مجاہد وغیرہ بھی ہیں، نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ کسی طشت پر قرآن مجید کی آیات لکھی جائیں اور انہیں دھو کر پلایا جائے۔

" يكتب في طست ، فيغسل ويسقى المريض فأباحه عطاء ومجاهد وأبو قلابة " (۵)

---

(۱) الأنبياء: ۸۸ (۲) تفسير قرطبي: ۱۰/ ۳۳۱

(۳) دیکھئے: التفسير الكبير: ۱۱/ ۱۹۷ (۴) ترمذی: ۲/ ۲۶

(۵) فتاوی ہندیہ: ۵/ ۳۵۶

جب آیت کو دھو کر پینا درست ہے، تو آیت کو پانی پر دم کر کے اسے پینا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔ واللہ اعلم

اجرت دے کر قرآن مجید ختم کرانا

سوال:- میں نے باغ امجد الدولہ میں ایک مکان تعمیر کرایا، گھر میں خیر و برکت کے لئے آیت کریمہ اور قرآن پڑھنے والی جماعت کو بلایا، تین آدمیوں نے مل کر ایک گھنٹہ میں سوالا کھ آیت کریمہ اور آدھا گھنٹہ میں ۳۰/ پارہ قرآن مجید مل کر پڑھ دیئے اور تین ہزار روپیہ کا مطالبہ کرنے لگے، یہ کس حد تک درست ہے؟

(محمد ایوب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- گھر میں برکت کے لئے قرآن مجید پڑھنا بہتر بات ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر بابرکت عمل کیا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے بھی گھر میں تلاوت قرآن کی تلقین فرمائی ہے، لیکن تلاوت خود گھر کے لوگوں کو کرنی چاہئے؛ کیوں کہ انسان کے لئے اس کا اپنا عمل زیادہ فائدہ مند ہے، اجرت دے کر قرآن مجید کا پڑھوانا نادرست اور گناہ ہے؛ کیوں کہ اس میں قرآن مجید کی ایک طرح سے اہانت ہے کہ گویا تلاوت قرآن کو نعوذ باللہ خرید و فروخت کی چیز سمجھ لیا گیا ہے، اسی لئے فقہاء نے اس کو منع کیا ہے، چنانچہ مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

" قال تاج الشريعة في شرح الهداية : إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ ، وقال العيني في شرح الهداية : ويُمنعُ القارئ للدنيا ، والآخذ والمعطي آثمان ، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز "(۱)

---

(۱) شامی: ۹/۷۷، کتاب الأجرة

''تاج الشریعہؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اجرت پر قرآن مجید کی تلاوت باعث ثواب نہیں، نہ مردہ کے لئے اور نہ خود قرآن پڑھنے والے کے لئے، اور علامہ عینیؒ نے ہدایہ کی شرح میں کہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو دنیا کے لئے قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا جائے گا، اور اجرت لینے والا اور اجرت دینے والا دونوں گنہگار ہوں گے، پس حاصل یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں اجرت لے کر قرآن کے پاروں کی تلاوت کا جو رواج ہو گیا ہے، وہ جائز نہیں ہے''

غرض کہ ان کا اجرت لے کر آیت کریمہ اور قرآن کا پڑھنا جائز عمل نہیں تھا، اور اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، نیز آپ بھی گناہ میں شریک ہوئے؛ اس لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو توفیق ہو، آپ خود اور آپ کے گھر والے قرآن کی تلاوت کریں، نماز حاجت پڑھیں اور گھر میں برکت کے لئے دعاء کا اہتمام کریں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁
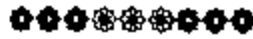
احادیث سے متعلق سوالات

ابدال سے متعلق حدیث

سوال:- ابدال کے بارے میں جو مشہور ہے کہ امت میں کچھ ابدال رہا کرتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث بھی وارد ہوئی ہے؟ اگر حدیث کے الفاظ بھی لکھیں تو مہربانی ہوگی۔ (سمیع الدین قاسمی، بنگلور)

جواب:- ابدال سے متعلق بعض باتیں صوفیاء کے یہاں مشہور ہیں، اس سلسلہ میں مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت ﷺ سے ایک روایت منقول ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

" الأبـدال فـي هـذه الأمة ثلاثون مثل إبراهيم خليل الـرحـمـن عز وجل ، كلما مات رجل أبدل الله تبارك وتعالىٰ مكانه رجلا " (۱)

" اس امت میں تیس ابدال ہیں، جو حضرت ابراہیم کی طرح ہیں، جب ان میں سے کوئی مر فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کرتا ہے"

---

(۱) مسند أحمد : ۳۲۲/۵ ، حدیث نمبر : ۲۲۸۲۸

یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے، علامہ ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات یعنی من گھڑت روایات میں شمار کیا ہے ۔(۱) اس سلسلہ میں بعض اور روایات بھی ہیں ؛ لیکن محدثین نے ان سبھی کو نامعتبر قرار دیا ہے ۔(۲)

چین جاکر علم حاصل کرو

سوال :- عام طور پر ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ علم حاصل کرو، چاہے چین جاکر ہو، اس سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں دنیاوی علم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چین میں دینی تعلیم کا کوئی نظام نہیں پایا جاتا تھا اور نہ اس وقت وہاں دین حق پایا جاتا تھا، یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور اس کا کیا مقصد ہے ؟

(ڈاکٹر حمید الدین، بمبئی)

جواب :- حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں :

" أطلبوا العلم و لو بالصين فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم "

” علم حاصل کرو، گو چین جانا پڑے ؛ اس لئے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے “

حدیث کی متعدد کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے ، علامہ سخاویؒ نے اس حدیث کے درجۂ اعتبار کے بارے میں لکھا ہے :

" قال البيهقي : متنه مشهور و إسناده ضعيف ، وقد

(۱) تذکرۃ الموضوعات ، حدیث نمبر : ۱۹۳

(۲) دیکھئے : أحسن المطلب ، حدیث نمبر : ۴۲۳

روى من أوجه ، كلها ضعيفة و قال المزي : له طرق ربما يصل بمجموعها إلى الحسن " (۱)

''امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس کا متن مشہور ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، یہ مختلف سندوں سے مروی ہے، گو سب کی سب ضعیف ہیں ، اور علامہ مزی کا بیان ہے: ممکن ہے اس کا مجموعہ حسن کے درجہ کو پہنچ جائے''

بعض اور اہل علم نے بھی اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے ۔ (۲) یعنی یہ معتبر حدیثوں میں سب سے کم تر درجہ کی حدیث ہے؛ اس لئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایک درجہ میں یہ حدیث معتبر ہے۔

اس حدیث میں علم دین یا علم دنیا کی کوئی صراحت نہیں اور حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جو علم نافع اور دنیا یا آخرت کے لئے ضروری ہو، مسلمانوں کے لئے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے، گو اس کے لئے کتنا بھی طویل سفر کرنا پڑے؛ کیوں کہ چین کا فاصلہ جزیرۃ العرب سے بہت زیادہ تھا ، اس حدیث سے اگر علم دنیا کا حصول معلوم ہوتا ہے ، تو علم دین حاصل کرنے کی ترغیب تو بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہے؛ کیوں کہ علم دین کی اہمیت تو علم دنیا سے بھی زیادہ ہے، جن علوم کو ہم دنیوی علوم کہتے ہیں، وہ ساٹھ ، ستر سال کی فانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور جس علم کو ہم علم دین کہتے ہیں، اس کا تعلق ہمیشہ ہمیش کی زندگی سے ہے؛ اس لئے صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ تمام نافع علوم اسلام میں مطلوب ہیں، چاہے ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے۔

''صبح کو جلد اٹھنے میں برکت ہے'' - حدیث کی تحقیق

سوال:- ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ صبح کو جلد اٹھنے میں برکت ہے ، اس حدیث کے الفاظ کیا ہیں اور کیا یہ حدیث

(۱) فیض القدیر :۱/۵۴۲ (۲) السراج المنیر :۱/۲۱۳

درست ہے؟ (مسیح الدین قاسمی، بنگلور)

جواب:- علامہ عجلونیؒ نے "کشف الخفاء" میں اس روایت کو طبرانیؒ کی طرف منسوب کیا ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: "بورك لأمتي في بكورها" اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، لا أصل له بهذا اللفظ، (۱) علامہ محمد درویش نے بھی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں شدید ضعف ہے، فيه ضعف شديد۔ (۲)

چند روایات (لولاك ... ، أنا من نور الله ... ، كنت نبيا) کی تحقیق

سوال:- یہ حدیثیں کس کتاب میں روایت کی گئی ہیں اور کیا یہ صحیح ہیں؟

(الف) لولاك لما خلقت الأفلاك ۔

(ب) أنا من نور الله ، وكل شئ من نوري ۔

(ج) كنت نبيا و كان آدم بين الماء و الطين ۔

(محمد یوسف، ٹولی چوکی)

جواب:- (الف) یہ روایت ان الفاظ میں زبان زد عام و خاص ہے؛ لیکن ان الفاظ میں منقول نہیں ہے، دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:

میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے کہا: "يا محمد! لو لاك ما خلقت الجنة و لو لاك ما خلقت النار"

"اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہیں کرتا

---

(۱) دیکھئے: كشف الخفاء، حدیث نمبر: ۹۲۴

(۲) أحسن المطالب، حدیث نمبر: ۴۵۴

اور اگر آپ نہیں ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہیں کرتا"

یہ روایت ابن عساکر کے حوالہ سے بھی منقول ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ:

" لو لاك ما خلقت الدنيا "

"اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہیں کرتا"

یہ تمام روایات سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں ؛ بلکہ ان کو موضوع یعنی گھڑی ہوئی روایت قرار دیا گیا ہے، البتہ محدثین نے اس کو اپنے معنی اور مراد کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے:

" قال الصنعاني : إنه موضوع ، كذا في الخلاصة ، لكن معناه صحيح " (۱)

معنا صحیح قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کے لئے اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور انسان کے اسی عمل سے جنت اور دوزخ متعلق ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مظہر اتم اور خلاصۂ وعطر ہے ؛ اس لئے گویا آپ ﷺ تخلیق کائنات کے مقصد ومنشاء کی تکمیل کا ذریعہ ہیں ، اگر آپ ﷺ کی تخلیق نہ ہوتی ، تو یہ مقصد ناتمام رہتا اور پھر پوری کائنات جو انسان اور انسان کے واسطہ سے عبادت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسی کی وجہ سے جنت ودوزخ کی تخلیق عمل میں آئی ہے، شاید ان کی تخلیق نہیں ہوتی ۔

(ب) یہ روایت بھی ان الفاظ میں نہیں ملتی ، البتہ دیلمی میں عبداللہ بن جراد ؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أنا من الله و المؤمنون مني ، فمن آذى مؤمنا فقد آذاني " (۲)

" میں اللہ سے ہوں اور اہل ایمان مجھ سے ہیں ، جس نے کسی مؤمن کو تکلیف پہنچائی ، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی "

لیکن اس روایت کی کوئی سند منقول نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ

---

(۱) کتاب الموضوعات الکبیر لملا علي قاري : ۱۰۱

(۲) المقاصد الحسنه للسخاوي : ۱۷۱/۱

جھوٹی اور سن گھڑت روایت ہے،علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے اور علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے یہاں یہ حدیث غیر معروف ہے،غرض کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے ناقابل اعتبار اور نادرست ہے۔(۱)

(ج) اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا عمل مکمل بھی نہیں ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری نبوت کا فیصلہ ہو چکا تھا،اس معنی کے اعتبار سے روایت درست ہے؛لیکن یہ الفاظ کسی صحیح حدیث میں منقول نہیں ہیں،علامہ سخاویؒ اور علامہ زرکشیؒ وغیرہ نے ان الفاظ کو بے اصل قرار دیا ہے؛البتہ ترمذیؒ کی روایت میں ہے کہ میں اس وقت نبی تھا،جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔اسی طرح صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں عرباض بن ساریہ سے منقول ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جارہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا خاتم النبیین ہونا لکھا ہوا تھا۔(۲)

ماں کے قدموں کے نیچے جنت

سوال:- ای ٹی وی اردو پروگرام میں بتایا گیا ہے کہ باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے،حالاں کہ ہم لوگ سنتے آئے ہیں کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے،حقیقت کیا ہے؟

(سید حفیظ الرحمن،شانتی نگر)

جواب:- قدموں کے نیچے جنت کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے،احترام کیا جائے اور خوش رکھا جائے،رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے سلسلہ میں جو بات آپ سنتے آئے ہیں،میرے علم کے مطابق وہی صحیح ہے،کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے:"فإن الجنة عند رجلها"(۳)باپ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ باپ جنت کا

---

(۱) موضوعات کبیر:۳۰ (۲) کتاب الموضوعات الکبیر:۹۳،۹۴

(۳) نسائی،کتاب الجهاد،باب الرخصة في التخلف لمن له والدة،حدیث نمبر:۳۱۰۴

درمیانی یعنی مرکزی دروازہ ہے: "الوالد اوسط أبواب الجنة" (۱) میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس میں فرمایا گیا ہو کہ باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے، واللہ اعلم۔

"ایک کا بدلہ سو سے" کی تحقیق

سوال:- ایک صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ آپ ﷺ کے چچا کو شہید کیا گیا، اس حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ نے کہا کہ میں ایک کا بدلہ سو سے لوں گا، کیا یہ بات صحیح ہے؟ (محمد مسعود، کھمم)

جواب:- بعض روایتوں میں اس طرح کی بات آئی ہے، کہ جب غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ شہید کیے گئے اور ان کی لاش پر سے آپ ﷺ کا گذر ہوا تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کا سینہ چاک ہے اور ناک و کان کو تراش دیا گیا ہے، تو دفور جذبات میں آپ ﷺ نے تیس یا ستر یا سو کا عدد ذکر کیا، کہ اس کے بدلہ میں اتنے افراد کا مثلہ کیا جائے گا، مختلف روایات میں مختلف اعداد کا ذکر آیا ہے؛ لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور نامعتبر ہے، اس کی بعض سندوں میں ایسے مبہم راوی ہیں، جن کا نام مذکور نہیں ہے اور بعض سندوں میں صالح مری کا نام آیا ہے، جو ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں اور جن کو امام بخاریؒ نے "منکر الحدیث" قرار دیا ہے، (۲) اس لئے یہ روایت صحیح نہیں ہے، واعظ حضرات کو چاہئے کہ کسی روایت کے بیان کرنے سے پہلے اہل علم سے اس کی تحقیق کرلیں، بیانات اور مواعظ میں بے اصل روایات کا بیان کرنا بھی اس دور کا بڑا فتنہ ہے اور اس سے بعض اوقات اسلام کی نیک نامی متاثر ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق

شب براءت کا حدیث سے ثبوت

سوال:- بعض حضرات کہتے ہیں کہ شب براءت کی کوئی

---

(۱) ترمذی، كتاب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل في رضا الوالدين، حدیث نمبر: ۱۹۰۰

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۷۲

حقیقت نہیں؛ بلکہ یہ بدعت ہے، کیا یہ کہنا درست ہے؟

(عبدالقادر قادری، شولاپوری)

جواب :- شب براءت کے سلسلہ میں مختلف روایتیں موجود ہیں، ان میں بعض ضعیف ہیں اور محدثین کو ان کی سند پر کلام ہے اور بعض حسن، یعنی معتبر ہیں، اس سلسلہ میں کتب تفسیر — طبری، قرطبی اور ابن کثیر — میں بھی مختلف روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔(۱) کتب حدیث میں سے خاص کر بیہقی میں متعدد روایتیں منقول ہیں، نیز صحاح ستہ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ میں اس مضمون کی روایت آئی ہے؛ چنانچہ چند ایسی روایات کا ذکر کیا جاتا ہے جو محدثین کے نزدیک فی الجملہ معتبر مانی گئی ہیں۔

☆ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور ہر ایک کی مغفرت کردی جاتی ہے، سوائے ایسے شخص کے جو مشرک ہو یا جس کے دل میں کینہ ہو، اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی کتاب ''شعب ایمان'' میں نقل کیا ہے؛ نیز علامہ ہیثمیؒ نے مسند بزار کے حوالہ سے نقل کر کے تبصرہ کیا ہے کہ اس میں عبدالملک کے سوا تمام راوی ثقہ و معتبر ہیں اور عبدالملک کو علامہ ابن ابی حاتمؒ نے اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' میں ذکر تو ضرور کیا ہے؛ لیکن ان کو ضعیف قرار نہیں دیا ہے،(۲) نیز علامہ منذریؒ نے اس کی سند کو معتبر بتایا ہے۔(۳) اور علامہ البانیؒ بھی اسے معتبر قرار دیتے ہیں۔(۴)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے ایک شب رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا، میں تلاش میں نکلی تو دیکھا کہ آپ ﷺ جنت البقیع میں ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر زیادتی کریں گے؟ میں نے عرض کیا:

---

(۱) دیکھئے: تفسیر طبری: ۲۵/۶۵، تفسیر قرطبی: ۱۶/۱۲۶، تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۳۷

(۲) مجمع الزوائد: ۸/۶۵ (۳) الترغیب و الترهیب: ۳/۴۵۹

(۴) الأحادیث الصحیحة: ۳/۱۳۷

مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ اپنی بعض بیویوں کے پاس چلے گئے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان کی شب آسمانِ دنیا کی طرف اترتے ہیں اور بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں، اس روایت کو بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے، جن میں ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ہمارے دور کے معروف سلفی محدث علامہ البانیؒ اس حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"و جملة القول أن الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب ، والصحة تثبت بأقل منها عددا مادامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشان في هذه الحديث " (۱)

''حاصل یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ان مختلف طرق کی بنیاد پر حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور حدیث کا صحیح ہونا، اس سے کم طرق کے ذریعہ بھی ثابت ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ضعف شدید سے محفوظ ہو، جیسا کہ اس حدیث کا حال ہے''

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب توجہ فرماتے ہیں اور اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور کینہ پرور شخص کے۔ (۲)

اس مضمون کی متعدد روایتیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت کثیر بن مرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علاء بن حارث وغیرہ سے منقول ہیں، اس دن اور رات کے اعمال کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے جو عوام میں مشہور ہے، مگر سند کے اعتبار سے ضعیف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) سلسلة الأحاديث الصحيحة :۳/۱۳۸ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۱۳۸۲

"نصف شعبان کی رات میں نماز پڑھو، اور اگلے دن روزہ رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالی اس دن آسمان دنیا کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی مجھ سے مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کے گناہ معاف کردوں؟ کیا کوئی ہے روزی کا خواہشمند کہ میں اسے رزق عطا فرماؤں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت دور کروں، ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ویسا...... "(۱)

غرض کہ شب برأت کی فضیلت فی الجملہ معتبر احادیث سے ثابت ہے اور اسے بدعت اور بے اصل قرار دینا درست نہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب قدر میں جس قدر اہتمام فرماتے تھے، اپنے ساتھ ساتھ اہل خانہ کو بھی اٹھاتے تھے اور رفقاء کو بھی بیداری کی ترغیب دیتے تھے، شب براءت میں اس درجہ کا اہتمام نہیں تھا، اس سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ شب قدر کی اہمیت شب برأت سے زیادہ ہے، لیکن اس سے یہ ثابت کرنا درست نہیں کہ شب برأت میں عبادت و دعا کا اہتمام ثابت ہی نہیں۔

پندرہویں شعبان کا روزہ

سوال:- یہ بات مشہور ہے کہ پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

(ماجد خان کاشفی، اورنگ آباد)

جواب:- حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نصف شعبان کی رات میں عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو

"إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها

---

(۱) ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۳۸۸

وصوموا نهارها" (۱)

لیکن یہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف بلکہ حد درجہ ضعیف سمجھی گئی ہے، علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے: "هذا حديث لا يصح" (۲) علامہ عراقی لکھتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے: "إسناده ضعيف" (۳) علامہ عینی نے اس کے [illegible] بعد دوسرے دو راوی ابن ابی سبرہ اور ابراہیم بن محمد کے بارے میں لکھا ہے کہ جمہور نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، (۴) ابن ابی سبرہ کو امام احمد بن حنبل اور مشہور محدث یحییٰ بن معین نے واضع حدیث کہا ہے، (۵) اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کا ذکر احادیث موضوعہ میں کیا ہے، (۶) اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ روایت غیر معتبر اور اس درجہ کی ضعیف ہے کہ فضائل میں بھی جس کا مؤید روایات کے بغیر اعتبار نہیں کیا جاتا؛ اس لئے اس روزہ کو سنت قرار دینا درست نہیں اور اسی لئے عام طور پر فقہاء نے بھی مسنون روزوں میں اس کا ذکر نہیں فرمایا ہے؛ البتہ پندرہ تاریخ ایام بیض میں سے ہے اور ایام بیض کا روزہ مسنون ہے، اس اعتبار سے اگر کوئی شخص اس دن کا روزہ رکھ لے تو اس میں حرج نہیں۔

"اختلاف أمتي رحمة" کیا یہ حدیث ہے؟

سوال:- اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور گروہ بندی سے منع کیا ہے؛ لیکن بعض علماء حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے، تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

---

(۱) سنن ابن ماجة، حديث نمبر: ۱۳۸۸

(۲) العلل المتناهية ۵۶۲/۲

(۳) دیکھئے: المغني عن حمل الأسفار ۱۵۵/۱

(۴) عمدة القاري ۸۲/۱۱

(۵) مصباح الزجاجة ۱۰/۲

(۶) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ص: ۸۱

اور اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ (صحیح الدین انصاری، دہلی)

جواب:- اختلاف اور جھگڑے میں فرق ہے، اختلاف سے مراد فروعی مسائل کے بارے میں مختلف اہل علم کے درمیان تشریح و توضیح کا اختلاف ہے، جیسے بعض حضرات کے نزدیک پورے سر کا مسح وضوء میں فرض ہے، بعض حضرات کے نزدیک چوتھائی سر کا اور بعض کے نزدیک چند بال کا بھی مسح کافی ہے، یہ اختلاف رائے ہے، اس کی وجہ سے امت میں کبھی انتشار پیدا نہیں ہوا۔ جو اختلاف مخلصانہ نہ ہو اور جس میں ایک شخص اپنے فہم کو درست اور دوسرے کے فہم کو غلط باور کرتا ہو اور اس پر مصر ہو، اس سے انتشار اور ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اور دل ایک دوسرے سے ٹوٹ جاتے ہیں، اختلاف کی یہ دوسری قسم تباہی و بربادی کا سبب ہے اور اس کو منع کیا گیا ہے، چنانچہ امام قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے: اگر حضور ﷺ کے صحابہ میں اختلاف رائے نہ ہوتا تو ہمیں اس سے خوشی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اگر یہ اختلاف نہ پایا جاتا تو مسائل میں رخصت اور گنجائش نہیں پیدا ہوتی

" لا يسرني أن أصحاب محمد ﷺ لم يختلفوا ؛ لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة " (۱)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے" واختلاف أصحابي لكم رحمة " (۲) اختلاف امت کے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب سلف کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے اور کسی دور میں ایک رائے پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے تو دوسری رائے پر عمل کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح بوقت ضرورت اس سے سہولت بہم پہنچتی ہے۔

---

(۱) فيض القدير للمناوي ۱/۲۰۹

(۲) حوالہ سابق بحوالہ بیہقی

جہاں تک اس حدیث کی سند کی بات ہے، تو اس کو علامہ مقدسی نے اپنی کتاب ''کتاب الحجۃ'' میں اور علامہ بیہقیؒ نے اپنے بعض رسائل میں، نیز امام الحرمینؒ نے سند اور کلام کے بغیر اسے نقل کیا ہے، علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض حفاظ کی کتابوں میں یہ روایت آئی ہو جو ہم تک نہیں پہنچی ہو(۱) اور علامہ مناویؒ نے بیہقیؒ کی کتاب ''مدخل'' اور علامہ دیلمیؒ کی کتاب ''مسند فردوس'' کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت نقل کی ہے کہ میرے صحابہ کا اختلاف رحمت ہے، اور ذکر کیا ہے کہ علامہ عراقیؒ اور بعض دیگر محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے؛(۲) اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے، لیکن اپنے معنی و مراد کے اعتبار سے درست ہے اور بہت سے سلف صالحین اور معتبر مصنفین اس بات کو نقل کرتے آئے ہیں۔ واللہ اعلم

"خیر الأمور أوسطها" کی تحقیق

سوال:- عام طور پر یہ بات اہل علم کے یہاں زبان زد ہے کہ درمیانی چیز بہتر ہوتی ہے''خیر الأمور أوسطها'' یہ صرف بزرگوں کا مقولہ ہے یا حدیث میں اس طرح کی بات آئی ہے اور اگر آئی ہے تو یہ صحیح حدیث ہے یا ضعیف؟

(احمد شریف نظامی، قاضی پورہ)

جواب:- اس روایت کے پورے الفاظ اس طرح ہیں: ''أمر بين أمرين وخير الأمور أوسطها '' یعنی ایسے کام کو اختیار کرو، جو دو پہلو کے درمیان ہو، اور چیزوں میں بہتر چیز وہ ہے جو درمیانی ہو، اس روایت کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مشہور محدث امام بیہقیؒ کی کتاب ''شعب الإيمان '' کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس کے راوی ایک تابعی عمرو بن حارث

---

(۱) دیکھئے: الجامع الصغير، حدیث نمبر: ۲۹۰۸

(۲) دیکھئے: فيض القدير: ۲۱۲/۱

ہیں، نیز انہوں نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے(۱) البتہ یہ روایت معنوی اعتبار سے درست ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر باتوں میں بعض لوگ افراط کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور بعض تفریط کا، تو یہ دونوں ہی طریقے نامناسب ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے اور میانہ روی سے ہٹا نہ جائے، غور کیا جائے تو شریعت کے تمام احکام اسی اصول پر مبنی ہیں۔(۲)

تعمیر میں اسراف اور حدیث نبوی ﷺ

سوال:- کیا یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر میں پیسہ خرچ کرنے کو ناپسند فرمایا ہے؟ (مسیح الدین، ملے پلی)

جواب:- تعمیر کا ایک درجہ تو ضرورت اور بہ سہولت رہائش کی فراہمی کا ہے، یہ تو جائز؛ بلکہ اگر گنجائش ہو تو بہتر ہے؛ کیوں کہ اس میں انسان کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے بھی مکانات تھے، دوسرا درجہ تعمیر میں غلو کا ہے: یعنی ضرورت سے بہت زیادہ تعمیر اور تعمیر کی آرائش پر کثیر رقم کا خرچ کرنا، اسے ناپسند کیا گیا ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد کی تعمیر میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کی بھی مذمت فرمائی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اینٹ اور مٹی کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں:

إذا أراد الله بعبد شرا خضر له في اللبن والطين حتى يبني"

اس روایت کو طبرانیؒ اور خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔(۳) اور علامہ مناویؒ نے نقل کیا ہے کہ اس کی سند معتبر و مقبول ہے،(۴) اسی طرح ایک

---

(۱) الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۱۶۲۸ (۲) دیکھئے: فیض القدیر للمناوی: ۲/۱۸۸
(۳) الجامع الصغیر، حدیث: ۲۹۶ (۴) دیکھئے، فیض القدیر: ۱/۲۹۴

اور روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور محمد بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس کا مال عمارت، مٹی اور گارے میں خرچ کرا دیتے ہیں؛ لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔(۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح عمارتوں کی تعمیر پر پیسہ خرچ کرنا اور اس کے لئے ایک دوسرے پر فخر کرنا قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

تعمیر کے سلسلہ میں فضول خرچی کو خاص طور پر اس لئے منع کیا گیا کہ اس سے کسی قوم میں تعیش کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے اور جو پیسہ بہتر کاموں میں خرچ ہوتا، وہ پیسے نامناسب کاموں میں خرچ ہونے لگتے ہیں، اگر یہی پیسہ تجارت میں صرف کیا جاتا، تو اس سے خود اسے بھی نفع ہوتا اور بہت سے لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم ہوتے، تعمیر میں جو پیسے لگتے ہیں، وہ منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں، ان کا حقیقی نفع نہ اس شخص کو پہنچ پاتا ہے اور نہ سماج کے دوسرے لوگوں کو، مگر افسوس کہ اس دور میں نہ صرف اپنی ذاتی عمارتوں پر بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کا مزاج بن گیا ہے؛ بلکہ مساجد اور دینی اداروں کی بھی تزئین و آرائش پر بے شمار پیسے خرچ کر دیے جاتے ہیں، جو یقیناً کسی قوم کے لئے بہتر علامت نہیں، آج ہمارے ملک میں مسلمان سلاطین کی حسین تعمیرات کے کتنے ہی شاہکار موجود ہیں؛ لیکن غور کیجئے کہ ان سے امت کو کیا فائدہ پہنچا، یہ آج ہمارے لئے سامانِ عبرت ہیں۔

عورت کی پسلی سے پیدائش اور حدیث

سوال:- شاید کسی حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے؟ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ (حافظ سمیع الدین، اورنگ آباد)

جواب:- یہ بات مختلف روایتوں میں آئی ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اگر

---

(۱) الجامع الصغیر، حدیث:۲۹۸

پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو ٹوٹ جائے گی، اس لئے اس کی کجی کے ساتھ ہی نرمی کے ساتھ اس کو برداشت کرتے ہوئے اس کے ساتھ رہو، ورنہ ٹوٹ جائے گی اور عورت کے ٹوٹنے سے مراد طلاق کا پیش آنا ہے، اس روایت کو مسلم اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے صحیح شمار کی گئی ہیں۔(۱) اس حدیث کا منشاء عورت کی توہین نہیں ہے، بلکہ اس کی جذباتیت کو بتانا ہے، کہ عورتیں طبعاً زود رنج ہوتی ہیں، مردوں کا کام یہ ہے کہ وہ ان کی اس فطری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے بردباری اور وسیع النظری سے کام لیں اور تشدد سے گریز کریں، گویا یہ عورت کی تنقیص نہیں، بلکہ اس کے لئے رحم اور خصوصی حسن سلوک کی اپیل ہے۔

پسلی خلقی طور پر ٹیڑھی بھی ہوتی ہے اور نازک بھی، بس یا تو یہ تشبیہ ہے یا خاتون اول حضرت حواء علیہا الصلوۃ والسلام کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت آدم ؑ کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں۔

حضرت علی ؓ کے لئے سورج کی واپسی

سوال:- کہا جاتا ہے کہ حضرت علی ؓ عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس لوٹا دیا، حضرت علی ؓ نے عصر کی نماز ادا فرمائی، پھر سورج غروب ہوا، کیا یہ حدیث معتبر طریقہ پر ثابت ہے؟

(سمیع الدین قاسمی، بھیونڈی)

جواب:- یہ روایت صحیح نہیں ہے، امام احمدؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور علامہ ابن جوزی نے اسے موضوع یعنی من گھڑت روایت قرار دیا ہے، گو امام طحاوی اور قاضی عیاضؒ کا رجحان اس کے معتبر ہونے کی طرف ہے، لیکن اکثر

(۱) دیکھئے: الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث: ۲۱۱۱، ۲۱۱۲

محدثین نے اس کو غیر معتبر ہی مانا ہے،(۱) محدثین نے کسی روایت کے موضوع یعنی من گھڑت ہونے کی ایک علامت یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہو اور یہ پہلو بھی اس روایت میں موجود ہے، اگر اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہوتو کثرت سے لوگوں نے اس کو نقل کیا ہوتا، کیوں کہ جو بات باعث تعجب ہوتی ہے، لوگ اسے بہت زیادہ نقل کرتے ہیں، پھر روایت میں اس واقعہ کو غزوۂ خیبر سے جوڑا گیا ہے اور معلوم ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع سے سینکڑوں کا ایک جم غفیر آپ کے ساتھ تھا، لہٰذا اگر ایسا ہوا ہوتا تو بہت سے لوگوں نے اس کو نقل کیا ہوتا۔

دھوپ سے گرم ہونے والے پانی سے متعلق حدیث

سوال:- ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ دھوپ میں گرم ہونے والے پانی سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے، یہ حدیث کس کتاب میں آئی ہے؟ آج کل قابر کے واٹر ٹینک استعمال ہوتے ہیں اور دھوپ سے پانی گرم ہو جاتا ہے، یہ حدیث صحیح ہو تو اس طرح کا ٹینک ممنوع ہونا چاہیے؟ (محمد بشیر ندوی، ممبئی)

جواب:- یہ روایت سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، روایت میں ہے کہ انہوں نے دھوپ میں پانی گرم کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تفعلي يا حميراء، فإنه يورث البرص"

"اے حمیراء! ایسا نہ کیا کرو، اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے"

اس روایت کو امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ: ۱/۶، حدیث: ۱۵، اور دار قطنی نے اپنی سنن: ۱/۳۸، حدیث: ۲، میں نقل کیا ہے اور دونوں ہی نے اس حدیث کو غیر معتبر قرار دیا ہے، اس روایت میں ایک راوی "خالد بن اسماعیل" آتے ہیں، جو محدثین کے نزدیک حد درجہ نامعتبر راوی ہیں، سنن دار قطنی میں ایک اور سند سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے، اس میں "ہیثم

---

(۱) دیکھئے، المقاصد الحسنة، حديث ۲۱۹، أسنى المطالب، حديث: ۲۰۹

بن عدی" نامی راوی آئے ہیں، جن کو محدثین نے کذاب قرار دیا ہے؛ اسی لئے فقہاء نے اس پانی سے وضو یا غسل کرنے کے مکروہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔(۱)

ٹخنوں کے نیچے پاجامہ کی حدیث

سوال:- اکثر مساجد میں اس حدیث کے بورڈ لگائے گئے ہیں، کہ ٹخنوں کے جتنے نیچے لنگی ہوگی، اتنا حصہ آگ میں ہوگا، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ (محمد عبدالستار، مقام غیر مذکور)

جواب: یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار "(۲) اور بھی حدیثوں میں ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے کی مردوں کے لیے ممانعت آئی ہے؛ اس لیے یہ سخت گناہ ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

سانپ کو مارنا اور حدیث

سوال:- کیا حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ آدمی سانپ کو دیکھے تو اس پر حملہ نہ کرے، بلکہ پہلے اس سے خواہش کرے کہ وہ چلا جائے، اور اس کو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حوالہ دے، ایسے میں تو خطرہ ہے کہ سانپ نکلے، اور کسی آدمی کو ڈس لے؟ (محمد فرحت اللہ، شاہ پور نگر)

جواب: اس سلسلہ میں بعض روایات موجود ہیں، ترمذی میں ایک روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

" إذا ظهرت الحية في المسكن فقولوها إنا نسئلك

---

(۱) سنن الدار قطني ، باب الماء المسخن ، حدیث نمبر: ۸۹

(۲) بخاری ، کتاب اللباس ، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار ، حدیث نمبر: ۵۴۵۰

بعهد نوح، و بعهد سليمان بن داؤد أن لا تؤذينا، فإن عادت فاقتلوه." (۱)

"جب رہائشی جگہ میں سانپ نکلے تو اس سے کہو، ہم تم کو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہمیں تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر اس کے باوجود دوبارہ آئے تو اسے مار ڈالو"

زیادہ تر شارحین کے یہاں یہ حکم بطور استحباب کے ہے، اور قاضی ابوالحسن ماوردی، اور قاضی عیاض نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ خاص مدینہ کے سانپ کے لیے ہے، نیز بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ منسوخ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ سانپ یا کسی اور مخلوق کی صورت اختیار کرلے؛ اس لیے احتیاطاً یہ حکم دیا گیا ہے، (۲) اگر سانپ حملہ کرے، یا اندازہ ہو کہ یہ پہلے سے یہاں بسیرا کئے ہوئے ہے، یا خطرہ ہو کہ کسی کو ڈس سکتا ہے، پھر اس کو متنبہ کئے بغیر مار ڈالا جائے تو حرج نہیں، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حوالہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ مخلوقات عالم کی نسلوں کو باقی رکھنے کے لیے کشتی نوح علیہ السلام میں ہر جانور کا جوڑا رکھا گیا تھا، گویا وہ تمام مخلوقات کے محسن ہیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام مخلوق پر حکومت عطا فرمائی گئی تھی: انسانوں پر بھی اور جنوں پر بھی —— اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن یعنی معتبر قرار دیا ہے؛ لیکن اس میں ایک راوی قاضی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ آئے ہیں، جن پر بہت سے محدثین کو کلام ہے؛ اس لیے بہت سے اہل علم اس روایت کو معتبر نہیں مانتے۔

حدیث "تهادوا تحابوا" اور ہدیہ و صدقہ میں فرق

سوال:- ایک حدیث کثرت سے بیان کی جاتی ہے

---

(۱) الترمذي، كتاب الأحكام، باب ما جاء في قتل الحيات، حديث نمبر: ۱۴۸۵

(۲) دیکھئے: فیض القدیر: ۲۰۱:۱

"تہادوا تحابوا" کیا یہ حدیث معتبر ہے؟ اور ہدیہ اور صدقہ ایک ہی ہے یا الگ الگ ہے؟ ہدیہ مالداروں کو دیا جاتا ہے اور صدقہ غریبوں کو۔ (احمد شاہ قادری، ممبئی)

جواب:- (الف) "تہادوا تحابوا" حدیث کے الفاظ ہیں، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے، اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے مسند ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور الفاظ کے اضافہ کے ساتھ مشہور محدث ابن عساکر کے یہاں بھی مروی ہے، اس دوسری حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے حسن قرار دیا ہے، اور پہلی حدیث کے بارے میں خلاف معمول علامہ سیوطیؒ نے کچھ نہیں لکھا ہے، مگر علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عراقیؒ کے حوالہ سے اسے حسن اور جید قرار دیا ہے، (۱) جس سے واضح ہے کہ یہ حدیث بھی معتبر ہے، اور یہ انسان کے مشاہدات و تجربات کے مطابق بھی ہے؛ کیوں کہ ہدایا و تحائف کا لین دین انس و محبت کو بڑھاتا ہے اور تعلقات میں قربت پیدا کرتا ہے۔

(ب) صدقہ کی دو صورتیں ہیں، صدقہ واجبہ اور صدقہ نافلہ، صدقہ واجبہ تو صرف غرباء کا حق ہے، اور صدقہ نافلہ خوشحال لوگوں کو بھی دیا جا سکتا ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیوی کو نفقہ دینا بھی صدقہ ہے، اس لیے ہدیہ و صدقہ میں امیر و غریب کا فرق نہیں؛ بلکہ مقصد کا فرق ہے، صدقہ آخرت کے اجر کی نیت سے کیا جاتا ہے اور ہدیہ دنیا میں تعلقات کو استوار کرنے اور محبت بڑھانے کی نیت سے دیا جاتا ہے۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

سوال:- ایک حدیث کے حوالہ سے پڑھا ہے: "جو آدمی خونی رشتوں سے قطع تعلق کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا" میری ایک چھوٹی سی سمجھ کے مطابق دو بھائی، دو بہن یا بھائی بہن کا رشتہ ہی خونی رشتہ ہے، یا خالہ، چچا، ماموں، پھوپھا کا بھی خونی رشتہ ہے؟ (آمنہ، شاہ آباد)

---

(۱) دیکھئے: الجامع الصغير و فيض القدير ۳ : ۲۷۱

جواب:- غالباً حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس کو مشکوٰۃ شریف میں بخاری اور مسلم کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا یدخل الجنة قاطع" (۱) "قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا" قطع رحمی سے مراد رشتہ داروں کے ساتھ بے تعلقی برتنے اور حسن سلوک نہ کرنے کے ہیں، خواہ بالکل قریبی رشتہ دار ہو، جیسے بھائی، بہن، یا نسبتاً کچھ دور کے رشتہ دار جیسے ماں باپ کے بھائی و بہن، یا اس سے بھی زیادہ دور کے رشتہ دار، رشتہ دار جو بھی ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور بے تعلقی سے بچنا چاہئے؛ البتہ جو جتنا قریبی رشتہ دار ہوگا، اسی نسبت سے اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہوگی، اور بے تعلقی برتنے کا گناہ ہوگا، صرف بھائی بہن ہی سے قطع رحمی اس حدیث میں مراد نہیں ہے، نیز جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جنت میں داخل نہ ہوگا؛ البتہ گناہ کی سزا پانے کے بعد ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال:- میں نے شب معراج میں ایک مقرر صاحب سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا، اس وقت ان کے چھ سو بازو تھے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اب تک کسی پرندے کے دو سے زیادہ پر نہیں دیکھے گئے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چھ سو پر کیسے ہو سکتے ہیں؟

(سید حبیب اللہ، توحنی پورہ)

جواب:- یہ حدیث صحیح ہے، اسے مشہور محدث طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، صحیح ابن حبان میں بھی یہ روایت آئی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پر سے یاقوت اور موتی بکھر رہے تھے، بعض روایتوں میں ہے کہ جب آپ

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر ۵۹۸۴، عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، باب إثم القاطع، کتاب الأدب، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۵۶

نے افق پر پر کھولے تو وہ پورے افق پر چھا گئے، اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے سند کے اعتبار سے صحیح یعنی معتبر قرار دیا ہے۔(۱) امام بخاریؒ نے بھی سورۂ نجم کی تفسیر میں اور امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے: "إن النبي ﷺ رأى جبريل، له ست مائة جناح" (۲) علامہ ابن تیمیہؒ نے وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ نے دو دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس شکل میں دیکھا، ایک دفعہ زمین سے آسمان کے افق پر، اور دوسری دفعہ واقعۂ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر۔(۳)

اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصل شکل یہی تھی، یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے خاص مواقع پر آپ نے یہ شکل اختیار فرمائی؟ بعض اہل علم کا رجحان دوسرے پہلو کی طرف ہے؛ اس لیے کہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں، اور ان کو خدا کی طرف سے مختلف شکلیں اختیار کرنے کی طاقت دی گئی ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل حضور ﷺ کے پاس وحی لے کر کبھی ان دیکھی شکل میں آتے تھے اور کبھی آپ کے صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں بھی، جہاں تک اس کے ممکن ہونے کی بات ہے، تو ممکن یا ناممکن مخلوق کے اعتبار سے ہے، خدا کی قدرت تو بے پناہ ہے کہ اس کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں، جیسے ایک چیونٹی کی طاقت کو ہاتھی کی طاقت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح؛ بلکہ اس سے بڑھ کر مخلوق اور خالق کی قدرت اور صلاحیت میں کوئی مقابلہ نہیں۔

رزق کی تلاش میں صبح سویرے جستجو

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبح صبح رزق کی تلاش سے رزق میں برکت ہوتی ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ جبکہ

---

(۱) الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۴۳۸۱

(۲) بخاری عن ابن مسعود، حدیث نمبر: ۳۲۳۲، کتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدکم آمین، مسلم عن، حدیث نمبر: ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴

(۳) دیکھئے: فیض القدیر: ۶/۸

دکانیں ہی دس بجے دن میں کھلتی ہیں۔ کیا یہ بات حدیث میں آئی ہے یا صرف لوگوں کا مقولہ ہے؟ (احمد سعید الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- یہ بات بعض حدیث میں آئی ہے کہ آدمی کو صبح سویرے رزق کی تلاش کرنی چاہیے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"باکروا في طلب الرزق و الحوائج فإن الغدو بركة و نجاح"

"رزق اور ضروریات کی تلاش میں عجلت کرو، یعنی صبح سویرے شروع کرو، اس لیے کہ صبح کا وقت کامیابی اور برکت کا وقت ہے"

اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں نقل کیا ہے، اور مسند بزار میں بھی یہ روایت آئی ہے، اس روایت میں ایک راوی اسماعیل بن قیس آئے ہیں، جو محدثین کے یہاں معتبر نہیں ہیں۔ (۱) البتہ حضور ﷺ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، صبح کے وقت جب آدمی جلد بیدار ہو جاتا ہے اور اپنے کام میں لگ جاتا ہے تو یہ وقت نشاط اور چستی کا ہوتا ہے، اور اس کا اثر آدمی کے دن بھر کی کارکردگی پر پڑتا ہے؛ اس لیے یہ مشاہدہ اور تجربہ کے عین مطابق ہے، اگر مارکٹ اور آفس دیر سے کھلتے ہوں تب بھی صبح میں جلدی اٹھنا اور کام کی تیاری کرنا مفید ہے، اس طرح آدمی وقت پر اپنی ڈیوٹی آسانی سے شروع کر سکتا ہے؛ اس لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ رات میں جلد سونے اور صبح جلد اٹھنے کی عادت ڈالی جائے۔

سوتے وقت روشنی رکھیں یا بند کر دیں؟

سوال:- رات کے وقت کمرہ کی لائٹ بند کر کے سونا بہتر ہے، یا روشن رکھتے ہوئے سونا؟ براہ کرم احادیث کی روشنی میں جواب دیں! (عبد المقتدر خاں، مہدی پٹنم)

---

(۱) دیکھئے: فیض القدیر: ۳/۹۴-۹۵

جواب :- اصل میں اس کا مدار انسان کے اپنے مزاج پر ہے، بعض لوگوں کو روشنی میں نیند نہیں آتی، اور بعض حضرات کی نیند روشنی سے بے نیاز ہوتی ہے، بعض دفعہ آدمی ایسی جگہ میں ہوتا ہے، جہاں حفاظت کے نقطۂ نظر سے روشنی جلا کر رکھنا بہتر ہوتا ہے؛ اس لیے تمام افراد کے بارے میں کوئی ایک ہی حکم متعین نہیں کیا جا سکتا، البتہ انسان کی عام فطرت اور احادیث کے مجموعی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ روشنی بجھا کر سونا چاہیے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے چراغ بجھا کر سونے کا حکم دیا ہے: "و أطفئوا مصابيحكم" اس روایت کو امام ابوداؤد اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور علامہ سیوطی نے اسے حدیث معتبر قرار دیا ہے۔ (۱) —— دوسرے سوتے وقت بعض دفعہ کپڑے برابر نہیں ہوتے، تاریکی بھی انسان کے لیے پردہ کا کام کرتی ہے، اگر روشنی جلتی ہے تو بے ستری کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے اگر کوئی عذر نہ ہو تو روشنی بند کر کے سونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

سفر سے واپسی پر گھر والوں کے لئے تحائف

سوال :- ایک عالم صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آدمی جب سفر سے واپس آئے تو گھر کے لوگوں کے لئے کوئی ہدیہ و تحفہ لانا سنت ہے، کیا حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟

(احمد تقی الدین، سعید آباد)

جواب :- عالم صاحب نے صحیح کہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سفر سے گھر واپس آئے تو چاہیے کہ گھر والوں کے لئے کچھ تحفہ لائے، چاہے چند پتھر ہی کیوں نہ ہو:

"إذا قدم أحد على أهله من سفر فليهد لأهله، فليطرفهم و لو كان حجارة" (۲)

---

(۱) دیکھئے: الجامع الصغير، حدیث نمبر: ۸۰۵

(۲) الجامع الصغير من فيض القدير، حدیث نمبر: ۸۸۹

اس مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابودرداء ﷺ سے بھی مروی ہے،(۱) —— اس میں پتھر سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اگر انسان کوئی قیمتی چیز خریدنے کے موقف میں نہ ہو تو کوئی معمولی چیز خرید لے، بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ پتھر سے خوبصورت اور دیدہ زیب پتھر مراد ہے، جس کی طرف آدمی کی رغبت ہوتی ہے، بہر حال اس ہدایت میں انسان کی نفسیات کا لحاظ ہے، گھر کا ذمہ دار شخص جب باہر سے آتا ہے تو عورتوں اور بچوں کا دل لگا رہتا ہے کہ گھر میں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے وغیرہ کی کوئی نئی چیز آئے گی، یہ تحفہ اس امید کو پورا کرتا ہے، اور گھر کے لوگوں کی دلداری ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ سے بھی اس طرح کے تحائف لانا ثابت ہے، ایک بار آپ ﷺ سفر سے واپس آئے تو ایک خوبصورت ہار لائے اور فرمایا کہ میں یہ ہار اسے دوں گا، جس سے مجھے محبت ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ ہار اپنی نواسی حضرت امامہ بنت عاص رضی اللہ عنہا کے گلے میں ڈال دیا۔

چھینک کے جواب سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال:- میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جو شخص چھینک آنے پر " الحمد لله على كل حال " کہا کرے گا، اس کے ڈاڑھ اور کان میں کبھی درد نہ ہوگا، کیا یہ حدیث ہے؟ اگر ہے تو براہ کرم پوری حدیث مع ترجمہ کے حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔ (نام غیر مذکور)

جواب:- یہ مضمون ایک روایت میں آیا ہے، جو سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے:

" قال رسول الله ﷺ : من بادر العاطس بالحمد عوفي من وجع الخاصرة ولم يشتك ضرسه أبدا " (۲)

---

(۱) دیکھئے: حوالۂ سابق، حدیث نمبر: ۸۹۰

(۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۲۹۰۹، بحوالۂ معجم الأوسط للطبراني، حدیث نمبر: ۱۳۱۷

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چھینکنے والے پر حمد کہنے میں
سبقت کرے، وہ کمر کے درد سے محفوظ ہوگا اور اس کے ڈاڑھ میں
کبھی تکلیف نہیں ہوگی"

اس روایت میں قابل لحاظ امور یہ ہیں کہ اس روایت میں "الحمد للّٰہ علی کل حال" کے الفاظ نہیں آئے ہیں، بلکہ زیادہ تر روایتوں میں جواب میں "یرحمك اللّٰہ" کہنا مروی ہے، دوسرے اس روایت میں کمر اور ڈاڑھ کی تکلیف کا ذکر آیا ہے، کان کی تکلیف کا ذکر نہیں ہے، تیسرے یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک راوی "حارث اعور" آئے ہیں، جن کو عام طور پر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، مشہور محدث علامہ ہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ ان کے علاوہ بھی اس میں بعض اور غیر معروف راوی آئے ہیں، غرض کہ یہ غیر معتبر روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

"دل میں سما سکتا ہے" کی تحقیق

سوال:- مفتی محمد سرور فاروقی ندوی صاحب اپنی کتاب "حضرت محمد ﷺ کا ذکر- ویدوں کی دنیا میں" میں لکھتے ہیں: "خدا کے حاضر مطلق ہونے کی کیفیت کو ایک حدیث نے بہت خوبصورت الفاظ میں سمجھایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا تمام کائنات میں نہیں سما سکتا، دل میں سما سکتا ہے، (ص ۹-۵۰) خدائے لامحدود کیسے دل میں سما سکتا ہے؟ اس کو ہر چیز پر محیط مانتے ہوئے ہم کس طرح اتنا محدود مان لیں کہ اسے مؤمن کا دل سمو لیتا ہے، مفتی صاحب نے حوالہ نہیں دیا ہے کہ انھوں نے یہ حدیث کہاں سے نقل کی ہے، اگر یہ حدیث آپ کے علم میں ہو تو اس کی تشریح و توضیح مع حوالہ فرمائیں اور اس حقیر کے ذہنی خلجان کو دور فرمائیں۔ (ابو احمد بخاری، آغا خان جونیئر کالج، حیدرآباد)

جواب :- اس حقیر کو باوجود تلاش کے یہ روایت نہیں مل سکی اور بظاہر مضمون کے اعتبار سے بھی یہ حدیث معلوم نہیں ہوتی؛ البتہ بعض صوفیاء سے اس طرح کی باتیں منقول ہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے کسی عارف کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ شعر نقل کیا ہے:

ارض و سماء کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ تو اس میں سما سکے

اس شعر کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں اللہ کے دل میں سمانے سے اللہ کی یاد کا دل میں سمانا مراد ہو، یا اللہ تعالیٰ کی معرفت مراد ہو کہ زمین و آسمان تو اللہ کی معرفت سے قاصر ہیں؛ لیکن میرے دل کو آپ کی معرفت حاصل ہے، مصنف کتاب بحمد اللہ ابھی زندہ ہیں، مناسب ہوگا کہ آپ ان سے ہی براہ راست دریافت کرلیں۔(۱)

سردار قوم کا احترام اور حدیث نبوی ﷺ

سوال :- کیا کہیں یہ بات آئی ہے کہ کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا احترام کیا جائے؟ ایک صاحب نے اپنے وعظ میں یہ بات کہی ہے؛ حالانکہ سردار کافر و مشرک بھی ہوسکتے ہیں، تو کیا ان کا بھی احترام کیا جائے؟ (شفیع الدین، گلبرگہ)

جواب :- جی ہاں! حدیث میں یہ بات آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه "(۲)

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو"

اس روایت کو حدیث کی مختلف کتابوں میں اور مختلف صحابہ ﷺ سے نقل کیا گیا ہے، ابن

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت :۳/۲۷۵ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۳۷۱۲

ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور دوسری کتابوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا گیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (۱) رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی میں بھی اس کا خصوصی لحاظ تھا، حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو ان کو تکیہ مبارک پیش فرمایا (۲) شاہ روم کو خط لکھا تو "عظیم الروم" (روم کی عظیم شخصیت) سے خطاب فرمایا۔

اس ارشاد نبوی ﷺ کا تعلق اخلاق و مدارات سے ہے، اور خوش اخلاقی مسلمانوں کے ساتھ بھی کرنی ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی، انسان کی حیثیت عرفی کا لحاظ اور اس کی عزت نفس کا خیال اخلاق کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اس میں کافر اور مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

بچہ کے کان میں اذان و اقامت کا حدیث سے ثبوت

سوال:- مسلمان بچوں کی پیدائش پر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے، کیا اس طرح اذان و اقامت کہنا حدیث سے ثابت ہے؟ (حیدر خاں، ریڈ ہلز)

جواب:- جی ہاں! اذان کا ذکر تو صحاح ستہ (حدیث کی چھ مشہور کتابوں) کی روایات میں ہے؛ چنانچہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں ان کی پیدائش کے وقت اذان دی، (۳) اقامت کا ذکر مسند ابویعلیٰ کی روایت میں ہے، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں دائیں کان میں اذان اور بائیں کان

(۱) الجامع الصغیر مع فیض القدیر، حدیث نمبر: ۳۴۵

(۲) فیض القدیر: ۱/۲۴۲

(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۵۱۴، نیز دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۰۵

میں اقامتِ تہجد کا تذکرہ ہے، علامہ سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب "الجامع الصغیر" میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (۱) یہ حدیث گو سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن سلف صالحین کے زمانہ سے اس کا تعامل رہا ہے؛ اس لئے یہ معتبر حدیث کے درجہ میں ہے۔

جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا

سوال:- عام طور پر ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا: "من عرف نفسه عرف ربه" اس حدیث کا کیا درجہ ہے؟

(حافظ تاج الدین، کریم نگر)

جواب:- یہ بات کہ جو شخص اپنی ذات کو سمجھے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو بھی پہچان لے گا، معنی کے اعتبار سے تو درست ہے؛ کیونکہ انسان کے وجود کے اندر اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی نعمتیں پنہاں ہیں، اگر انسان ان نعمتوں پر غور کرے تو خدا کے وجود اور اس کی قدرت و رحمت کو مانے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، علامہ سخاویؒ نے اس کو بے اصل روایت قرار دیا ہے، (۲) اور ملا علی قاریؒ نے بھی اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (۳)

کھانے سے پہلے کی دعاء اور حدیث

سوال:- کھانے کے شروع میں دعا پڑھی جاتی ہے "بسم الله و علیٰ برکة الله" ایک عالم صاحب نے کہا کہ یہ دعا حدیث سے ثابت نہیں ہے، یا یہ درست ہے؟ اور کیا کھانے سے پہلے یہ دعاء نہیں پڑھ سکتے ہیں؟

(محمد امجد قاسمی، ممبئی)

---

(۱) الجامع الصغير مع فيض القدير: ۶/۲۲۸، حديث: ۹۰۸۵

(۲) المقاصد الحسنة: ۱۹۸

(۳) كتاب الموضوعات: ۸۳

جواب:- کھانے سے پہلے حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ہو، یا اس دعا کے پڑھنے کی تلقین کی ہو، میرے علم کے مطابق یہ ثابت نہیں ہے، البتہ اہل علم نے کھانے کے آداب میں کھانے سے پہلے اس دعا کا ذکر کیا ہے اور اس موقع کے لئے یہ دعا غالباً اس روایت کو سامنے رکھ کر مقرر کی ہے، جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ وعمر ؓ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے مکان تشریف لائے، جب کھانے سے فارغ ہوئے اور آسودہ ہوگئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: روٹی، گوشت، خرما، ادھ پکی کھجور، جب اس طرح کی غذا پاؤ تو ہاتھ ڈالو اور اللہ کے نام اور اللہ کی برکت سے کھاؤ: فکلوا بسم اللہ وبرکۃ اللہ (۱) اس حدیث میں "بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ" کے بحیثیت دعا پڑھنے کی صراحت تو نہیں ہے لیکن اشارہ ضرور ہے، دوسرے دعا کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کتاب وسنت میں منقول ہی ہو، انسان اپنی ضرورت اور ذوق کے لحاظ سے دعا کرسکتا ہے، اس لئے اس دعا میں کوئی قباحت نہیں، معنی کے اعتبار سے بھی درست ہے اور حدیث میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے، ہاں اگر کسی موقع کے لئے رسول اللہ ﷺ سے کوئی دعا منقول ہو تو اس کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے، کہ اس میں دعا بھی ہے اور ایک سنت کی اتباع وپیروی بھی۔

روایت "ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر" کی تحقیق

سوال:- یہ حدیث عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ چند منٹ کے لئے دین کے بارے میں غور وفکر کرنا اپنے مقام میں ستر یا اسی سال کی عبادت سے افضل ہے، یہ حدیث سند کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے؟ (محمد سرفراز، بنگلور)

---

(۱) مستدرک حاکم: ۴/۲۰، حدیث نمبر: ۷۰۸۳

جواب:- اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: " فكرة ساعة أفضل من عبادة ستين سنة "

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے اس میں ایک راوی عثمان بن عبداللہ قریشی آئے ہیں، ان کو محدثین نے کذاب (بہت جھوٹا) قرار دیا ہے، اور اسی لئے علامہ ابن جوزیؒ اور دوسرے محدثین نے اسے موضوع یعنی بے اصل روایات میں شمار کیا ہے۔(۱)

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ مسند دیلمی میں بھی نقل کی گئی ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

" تفكر ساعة في اختلاف الليل والنهار خير من عبادة ألف سنة " (۲)

اس میں ایک راوی سعید بن میسرہ آئے ہیں، ابن حبانؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ان گھڑت باتیں نقل کرتے ہیں: " ويروي الموضوعات " حاکم نے بھی کہا ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف بے اصل باتیں منسوب کی ہیں، يروي عن انس موضوعات اور یحیی بن سعید القطانؒ نے بھی انہیں جھوٹا قرار دیا ہے، كذبه يحيى القطان (۳) غرض کہ یہ روایت بھی بے اصل ہے۔

''میں ایک مخفی خزانہ تھا'' - روایت کا درجہ

سوال:- یہ روایت مختلف مقرر حضرات وعظ میں بیان کرتے ہیں، اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کی کیا مراد ہے؟ "كنت كنزا مخفيا فاجببت ان اعرف فخلقت آدم "

(محمد یوسف، نولی چوکی)

---

(۱) دیکھئے: ابن جوزی فی الموضوعات: ۳/۱۴۴

(۲) مسند دیلمی: ۲/۳۷ (۳) لسان المیزان: ۳/۲۹۲، ترجمہ نمبر: ۳۷۷۹

جواب :- ان کلمات کا ترجمہ اس طرح ہے :

''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے آدم کو پیدا کیا''

باری تعالیٰ کی طرف منسوب یہ روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ بعض کتابوں میں نقل کی گئی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ، علامہ زرکشی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور اس کی کوئی صحیح یا ضعیف سند موجود نہیں، ملا علی قاری نے بھی اس سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے ''معرفت'' کی تفسیر عبادت سے کی ہے اب اس کی مراد یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میری عبادت کی جائے اس لئے انہوں نے انسان کو پیدا کیا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے: وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون، اس معنی کے اعتبار سے یہ بات درست ہے لیکن بہ حیثیت حدیث اس کا ثبوت نہیں ۔ (۱)

دو چیزیں ایک ساتھ کھانے کی ممانعت

سوال - ایک روایت کے مطابق حضرت محمد ﷺ نے دو چیزیں ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ایک اور روایت کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو کھجور پسند تھی، اس لیے آپ ﷺ کھجور اور تربوز ملا کر کھایا کرتے تھے، دونوں روایت میں ٹکراؤ محسوس ہو رہا ہے، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں؟

(محمد رفیع ، ممبئی)

جواب :- حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ساتھ دو کھجوریں ملا کر لینے کو منع فرمایا

(۱) دیکھئے الموضوعات الکبریٰ، ملا علی قاری ۱۹۳

ہے،(۱) اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی چیز محدود ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں، ایک شخص ایک دفعہ میں دو دو لینا شروع کردے تو یہ دوسروں کے لیے کدورت کا باعث ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ تو ضرورت سے زیادہ کھالیں اور کچھ کو ضرورت کے بقدر بھی نہ مل پائے، اگر دو الگ چیزیں ہوں جیسے: کھجور، تربوز، یا دسترخوان پر اتنی زیادہ مقدار میں ہوں کہ ایک شخص کا دو عدد اٹھانا دوسروں کے لیے اور میزبان کے لیے بارِ خاطر نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

عورت کے پردہ سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال:- علامہ غزالی کی مشہورِ زمانہ کتاب ''احیاء العلوم الدین'' میں ایک جگہ یہ بات آتی ہے کہ عورت کی دس چیز پوشیدگی کے لائق ہے، جب وہ شادی کرلیتی ہے تو اس کی ایک برہنگی کو شوہر ڈھانپ لیتا ہے اور جب وہ مرجاتی ہے تو قبر اس کی دس برہنگیوں کو ڈھانپ لیتی ہے، یہ حدیث کیسی ہے، یعنی صحیح ہے یا ضعیف اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟ (جویریہ عمار، نانڈیڑ)

جواب:- روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"للمرأة عشر عورات ، إذا تزوجت ستر الزوج عورة واحدة فإذا ماتت ستر القبر عشر عورات" (۲)

احیاء العلوم کے حاشیہ پر علامہ عراقیؒ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے حافظ ابوبکرؒ نے ''تاریخ الطالبین'' میں حضرت علی ﷜ سے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔(۳) علامہ ہیثمیؒ نے اسے طبرانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں خالد بن یزید راوی ہیں، ان کے بارے میں ابو حاتم نامی محدث کی رائے ہے کہ قوی اور معتبر راوی نہیں ہیں۔(۴)

---

(۱) دیکھئے: ترمذی: ۲/۳۰، باب ماجاء في كراهية قران التمرتين

(۲) احياء علوم الدين: ۲/۶۵ (۳) دیکھئے: حوالہ سابق

(۴) دیکھئے: مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۷۶۶۱

نیز علامہ ابن جوزیؒ نے اسے اپنی موضوعات میں جگہ دی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت بے اصل اور نہایت نامعتبر ہے۔

چالیس حدیثیں

سوال:- عام طور پر یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ چالیس حدیثوں کے لکھنے اور یاد کرنے کا بڑا اجر وثواب ہے، یہ حدیث کیا ہے؟ اور کس درجہ کی ہے؟ (محمد جمال الدین قاسمی، بھٹکل)

جواب:- اس مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا من السنة کنت له شهیدا وشفیعا یوم القیامة" (۱)

''جس نے میری امت پر چالیس حدیثیں محفوظ کردیں (یعنی ان تک پہنچادیں) میں اس کے حق میں قیامت کے دن سفارشی اور گواہ ہوں گا''

یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف و نامعتبر ہے، مشہور محدث امام دارقطنیؒ نے کہا ہے کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے:

"طرقه کلها ضعیفة ولیس بثابت"

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ:

میں نے اس کی تمام سندوں کو جمع کیا، اس میں سے کوئی بھی سند سقم سے خالی نہیں:

"لیس فیها طرق تسلم من علة قادحة"

امام نوویؒ نے گو اسی حدیث کے پس منظر میں ''اربعین'' یعنی چالیس حدیثوں کا مجموعہ

---

(۱) الفتح الکبیر: ۲/ ۲۰۸

مرتب کیا ہے؛ لیکن خطبہ میں صراحت کی ہے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر حفاظ حدیث متفق ہیں ؛(۱) لیکن چونکہ اس کا تعلق فضائل سے ہے؛ اس لیے بعض اہل علم نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ مرتب کیا ہے۔

پچاس نمازوں کی فرضیت کا حدیث سے ثبوت

سوال:- معراج کے موقع سے ابتداءً پچاس نمازیں فرض ہونے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر رسول اللہ ﷺ کے اللہ سے رجوع کرنے اور پھر پینتالیس نمازوں کی تخفیف کا ذکر، ہر عالم اور مقرر کی زبان پر ہے؛ لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے؛ تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسول اللہ ﷺ پر بالادستی ثابت ہو، آپ اس پر ضرور روشنی ڈالیں۔ (ضیاء الدین طوسی، صحیفہ)

جواب:- جو بات معتبر حدیث سے ثابت ہو، اسے محض اس اندیشہ کی بنیاد پر رد کردینا درست نہیں کہ شاید یہ یہودیوں کی سازش پر مبنی ہو، واقعہ معراج میں پچاس نمازوں کے فرض ہونے اور پھر اس میں تخفیف کئے جانے کا ذکر معتبر احادیث میں موجود ہے؛ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت پر اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کی تھیں، جب واپس آتے ہوئے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا ہے؟ تو میں نے کہا: پچاس نمازیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ اپنے پروردگار سے رجوع کریں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، پھر رسول اللہ ﷺ بار بار اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ ہیں اور پچاس شمار ہوں گی: ''ھن خمس وھن خمسون ...''(۲) یعنی یہ ہیں تو پانچ نمازیں؛ لیکن خدائے رحمان و رحیم اس میں ثواب پچاس نمازوں کا دیں گے۔

---

(۱) کشف الخفاء و مزیل الإلباس ۲/۲۲۷

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۳۴۹، باب کیف فرضت الصلاۃ في الإسراء.

اس طرح کی اور بھی روایتیں ہیں، جن کو محدثین نے معتبر مانا ہے اور اس میں امت کے لئے ایک بڑا سبق ہے کہ انسان کو ایک دوسرے کا مشورہ قبول کرنا چاہئے اور اس میں یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ میں افضل ہوں، میں اپنے سے کمتر شخص کا مشورہ کیسے قبول کراوں؟ مشورہ مانگنے والا مشورہ دینے والے کے مقابل کمتر نہیں ہو جاتا؛ بلکہ غور کیا جائے تو اس سے رسول اللہ ﷺ کی بلند اخلاقی اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے، بہر حال جو بات معتبر حدیثوں سے ثابت ہو، اس کو محض شبہ اور قیاس کی بناء پر رد نہیں کیا جا سکتا۔

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں

سوال:- عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ مسجد نبوی میں ۴۰؍ نمازیں پڑھنی چاہئیں، کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث بھی منقول ہے، اور اگر حدیث آئی ہے تو وہ معتبر مانی گئی ہے؟ (مقتدر خاں، سکندرآباد)

جواب:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس نے مسجد نبوی میں اس طرح چالیس نمازیں پڑھیں کہ درمیان کی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تو اس کے لئے دوزخ سے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور نفاق سے براءت لکھی جائے گی، "من صلی فی مسجدی ھذا أربعین صلاۃ لا تفوتہ صلاۃ کتب لہ براءۃ من النار وبراءۃ من العذاب وبراءۃ من النفاق" مشہور محدث علامہ ہیثمی نے اس روایت کو مسند احمد اور بعض دوسری کتب حدیث سے نقل کیا ہے، نیز لکھا ہے کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ یعنی معتبر ہیں (۱) —— پس مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کی فضیلت صحیح اور معتبر حدیثوں میں منقول ہے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔

ایک نماز میں ایک لاکھ اجر کی روایت اور مسجد حرام سے مراد؟

سوال:- مسجد حرام میں جو ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ

---

(۱) مجمع الزوائد ۸/۴، باب فی من صلی بالمدینۃ أربعین صلاۃ

کے برابر بتایا گیا ہے، یہ صرف مسجد کے لئے ہے یا پورے حرم
شریف کے لئے؟ مکہ مکرمہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ثواب
پورے حرم کے لئے ہے۔ (عامر ربانی، مرتول)

جواب:- حدیث میں مسجد حرام کا ذکر آیا ہے، لیکن اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ایک رائے کے مطابق اس سے مراد کعبۃ اللہ ہے؛ کیوں کہ کعبۃ اللہ روئے ارض کی پہلی مسجد ہے، جسے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے مٹے ہوئے نقوش پر نئی عمارت بنائی، دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خاص مسجد ہے جو کعبۃ اللہ کے چاروں طرف بنی ہوئی ہے، بہت سے اہل علم کی رائے یہی ہے؛ کیوں کہ جب مسجد کا لفظ بولا جائے تو اس سے اسی عمارت کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، تیسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد پورا مکہ مکرمہ ہے، چوتھی رائے وہ ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ پورا حرم شریف اس میں شامل ہے؛ کیوں کہ سورۂ بنی اسرائیل میں جو مسجد حرام کا ذکر آیا ہے، اس سے کعبہ یا اس کے صحن کا حصہ مراد نہیں؛ بلکہ حرم شریف مراد ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان سے شروع ہوا تھا اور ان کا مکان حرم میں تھا، بہت سے اہل علم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حدود حرم میں جہاں بھی نماز پڑھی جائے ان شاء اللہ ایک لاکھ نمازوں کا اجر حاصل ہوگا، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے تفصیل سے ان اقوال کا ذکر کیا ہے (۱) علامہ شامیؒ نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک ان فضیلتوں کا تعلق پورے مکہ؛ بلکہ حرم مکی سے ہے:

"أن المشهور عند أصحابنا أن التضعيف يعم جميع
مكة بل جميع حرم مكة الذي يحرم صيده" (۲)

---

(۱) أوجز المسالك: ۲۰۲/۳، باب ما جاء في المسجد النبوي، فتح الملهم: ۲۱۱/۳

(۲) رد المحتار، فروع أفضل المساجد: ۸۵۵

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ خواہ مخواہ کسل مندی سے کام لیں اور مسجد حرام میں جا کر نماز ادا کرنے کے بجائے ہوٹلوں کے کمروں اور اپنی قیام گاہوں میں نماز ادا کریں۔

شوہر کے حقوق سے متعلق ایک حدیث

سوال:- ایضاح البخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے عورت کو شوہر کے حق کے متعلق فرمایا: ''اگر تم اس کے زخموں کو چاٹ چاٹ کر صاف کرو تو اس کے حق کو ادا نہ کر سکو گی'' تو یہ کون سی حدیث ہے، کس پایہ کی ہے اور کس کتاب کی حدیث ہے؟

(طالبات خیر العلوم للبنات ،گلبرگہ)

جواب:- اس روایت کو مسند بزار نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''ایک صحابی اپنی صاحب زادی کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ یہ شادی کرنے سے انکار کر رہی ہے، آپ ﷺ نے لڑکی سے فرمایا کہ اپنے والد کا حکم مانو، لڑکی نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، جب تک آپ مجھے یہ نہ بتا دیں کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ میں شادی نہیں کرتی ، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کا حق اتنا زیادہ ہے کہ اگر شوہر کو زخم ہو اور بیوی اسے چاٹ لے یا اس کے ناک سے خون یا پیپ بہہ رہا ہو اور بیوی اسے نگل جائے تب بھی شوہر کا حق ادا نہیں ہوگا ، لڑکی نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں کبھی شادی نہیں کروں گی ، آپ ﷺ نے ان کے والد سے فرمایا: لڑکیوں کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح

ترمذی (۱)

اس حدیث کو علامہ ہیثمی، علامہ ابن حبان اور حاکم نے صحیح یعنی معتبر قرار دیا ہے۔ (۲)

ظاہر ہے کہ اس حدیث سے تاکید اور تحسین مقصود ہے، نہ کہ معنی حقیقی، منشاء نبوی یہ ہے کہ اگر خون، پیپ وغیرہ کو پینا جائز ہوتا تو شوہر کی یہ خدمت بھی بیوی کے ذمہ ہوتی، گویا بیوی کو چاہئے کہ شوہر کو زیادہ سے زیادہ راحت پہنچائے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ خود شوہر شب و روز اپنا پسینہ اسی لئے بہاتا ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے زیادہ سے زیادہ راحت و آسائش مہیا کرے؛ اس لئے اس کا بھی حق ہے کہ بیوی بچے اس کی راحت کا خیال رکھیں۔

ایک بے اصل روایت

سوال:- کچھ عرصہ قبل ہمارے یہاں ایک نکاح کی محفل میں آیا ایک عالم دین نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی لڑکی سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے اور اس کے والدین کسی وجہ سے اس کی شادی میں تاخیر کرتے ہیں تو بروز محشر ایام بلوغت سے شادی تک جتنے حیض آئے ہیں، اللہ تعالیٰ لڑکی کے والدین کو اتنا ہی حیض کے بقدر خارج ہونے والا سیال کھلا کر پلائیں گے، اس پر محفل کے اکثر سامعین نے اختلاف کیا اور میری فہم و فراست کو اس بات کو تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے، براہ کرم وضاحت فرمائیے کہ یہ بات کس حد تک درست ہے؟ **(محمد غازی فہیم الدین، تنزاں، گوئیر)**

جواب:- آپ نے جو بات نقل کی ہے، یہ کسی معتبر بلکہ ضعیف روایت میں بھی منقول نہیں ہے، اور مزاج شریعت کے بھی خلاف ہے، یہ درست ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے

---

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب النكاح، حديث نمبر: ۲۷۶۴، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب القسم والنشوز، باب ما جاء في عظم حق الزوج على المرأة، حديث نمبر: ۱۴۲۹۳

(۲) دیکھئے: جمع الفوائد ۱/۶۹۹، حدیث نمبر: ۴۳۲۰، ط: سہارنپور

شادی کے لائق ہو جانے کے بعد ولی کو فکر کرنی چاہئے کہ جلد سے جلد ان کا نکاح کر دیں اور یہ بات روایت میں آئی ہے کہ اگر اولیاء کی غفلت و بے توجہی کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور اس غفلت کی وجہ سے بچے گناہ میں پڑ گئے تو ماں باپ بھی گناہ میں شامل سمجھے جائیں گے؛ کیوں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی؛ لیکن جس طرح کا مضمون آپ نے نقل کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، اور خاص کر اگر کسی مجبوری کی وجہ سے نکاح میں تاخیر ہو تب تو ویسے بھی وہ ذمہ دار نہیں، مقرر حضرات کو چاہئے کہ کسی روایت کے ذکر سے پہلے اس کی تحقیق کر لیں؛ کیوں کہ بلا تحقیق رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی بات کو منسوب کر دینا کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ و ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنانا ہے۔(۱) و باللہ التوفیق ۔

مکھی سے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال :- کیا یہ بات صحیح حدیث میں آئی ہے کہ اگر مکھی کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبو کر پھینک دے اور یہ کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور ایک میں شفاء، بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک ہی چیز مضرت رساں بھی ہو اور فائدہ مند بھی، اور یہ بات نفاست و تہذیب کے خلاف بھی معلوم ہوتی ہے؟

(علیم الدین، مہدی پٹنم)

جواب :- یہ مضمون صحیح اور معتبر حدیث میں آیا ہے، خود امام بخاری نے کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر: ۳۱۴۲، اور کتاب الطب، حدیث نمبر: ۵۷۴۵ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، جب کوئی بات صحیح حدیث سے ثابت ہو تو اسے بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہئے؛ کیوں کہ دوسری صلاحیتوں کی طرح انسان کی عقل بھی محدود ہے؛ اس لئے ہماری عقل دھوکہ کھا سکتی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی بات غلط نہیں ہو سکتی، رہ گیا ایک چیز میں دو متضاد

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۱۰۸

صلاحیتوں کا جمع ہونا ، تو یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں ، انڈے میں زردی بھی ہوتی ہے اور سفیدی بھی ، دونوں کی خصوصیات الگ الگ ہیں ، گیہوں کا چھلکا ہضم میں معاون ہوتا ہے اور چھلکے کے بغیر اس کا گودا ، جس کا سفوف 'میدہ' کہلاتا ہے ، ثقیل ہوتا ہے ، دوسرے بعض اوقات ایک چیز کا مضر اثر خود اسی کے ذریعہ دور ہوتا ہے ، اگر سانپ کاٹ لے تو سانپ ہی کے زہر سے اس کا علاج کیا جاتا ہے ؛ اس لئے یہ باعث تعجب نہیں کہ مکھی کے ایک پر یا ایک حصہ میں جو جراثیم ہوتے ہیں ، دوسرے پر یا دوسرے حصہ سے ان کا تدارک ہو جائے ، مجھے یقین ہے کہ سائنس داں جب تحقیق کے سفر میں اور آگے بڑھیں گے تو وہ اس حدیث کی تصدیق پر مجبور ہوں گے ۔

جہاں تک بات نفاست وتہذیب کی ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ نے مکھی نکال کر اس کو کھانے کی ترغیب نہیں دی ہے ، یا اسے واجب نہیں قرار دیا ہے ؛ بلکہ فرمایا ہے کہ اگر اس کو ڈبو کر پھینک دیا جائے اور استعمال کر لیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے ، اب اگر کسی کی طبیعت کو اس طرح کا کھانا مرغوب نہ ہو اور وہ اس سے بچنا چاہے تو کوئی حرج نہیں ، پھر یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ شریعت کا حکم چائے کی پیالی اور گلاس ہی کے لئے نہیں ہے ؛ بلکہ بڑے سے بڑے برتن کے لئے بھی ہے ، مثال کے طور پر کسی کے یہاں دودھ کی بڑی دیگ چڑھی ہو ، اس میں دو مکھیاں بھی آگریں ، اب سوچئے کہ کیا وہ اتنا سارا دودھ پھینک دے؟ ایک غریب آدمی کے لئے یا ایک ایسے شخص کے لئے جس کے یہاں مہمان کی آمد آمد ہو ، یہ کس قدر دشوار ہوگا ، غرض کہ شریعت کے احکام تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دیئے جاتے ہیں ۔

❀❀❀ ❀ ❀❀❀

انبیاء علیہم السلام سے متعلق سوالات

آپ ﷺ کے شرح صدر کا واقعہ کتنی بار پیش آیا

سوال:- حضور ﷺ کی زندگی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کتنی مرتبہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے قلب کو نکال کر دھویا ہے؟

(سید نیاز احمد، مشیرآباد)

جواب:- رسول اقدس ﷺ کے شرح صدر کا واقعہ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق تین بار پیش آیا ہے، ایک بار حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں، جب کہ عمر مبارک دو سال سے تجاوز کر چکی تھی، دوسرے: پہلی وحی نازل ہونے کے وقت غار حراء میں، تیسرے: سفر معراج کے موقع پر، پیغمبر گناہوں سے معصوم ہوا کرتے ہیں، اس کے لئے قلب میں خاص استعداد کی ضرورت ہے، بچپن میں شرح صدر کا مقصد یہ صلاحیت پیدا کرنا تھا، وحی اللہ کا کلام ہے، ور اللہ کے کلام کو اٹھانا آسان نہیں ہے، پہاڑ کی چٹانوں میں بھی کلام الٰہی اٹھانے کی قوت نہیں ہے، جیسا کہ خود قرآن مجید نے بتایا ہے، (۱) پیغمبر کے سینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر کلام الٰہی کے تحمل کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے، غالباً اسی مقصد کے لئے نزول وحی سے پہلے قلب مبارک کے چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا، انسان کا پستی سے بلندی کی طرف تیز سفر کرنا آسان نہیں ہوتا، جو لوگ پہلی بار جہاز کے ذریعہ چند ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہیں، ان کے بھی بعض اوقات دل میں دھڑکن پیدا ہو جاتی ہے: چہ جائیکہ سفر

---

(۱) الحشر: ۱۰

آسانی، اس طویل اور بلند سفر کو قابل برداشت بنانے کے لئے آپ ﷺ کا شرح صدر معراج کے موقع سے فرمایا گیا، اہل علم نے ان واقعات کی یہی حکمت لکھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے کھجور کے تنے کا رونا

سوال:- ایک کتاب میں سے واقعہ پڑھنے کا موقع ملا کہ منبر بننے سے پہلے آپ ﷺ ایک کھجور کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب منبر بن گیا اور آپ ﷺ نے اس پر خطبہ دینا شروع کیا تو درخت رونے لگا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ (محمد مصلح الدین، جہاں نما)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات نہ صرف تمام انسانوں میں افضل ہے؛ بلکہ تمام مخلوقات میں اشرف و افضل ہے اور شرافت و فضیلت محبت کا تقاضہ کرتی ہے؛ اس لئے آپ تمام مخلوقات کے محبوب ہیں، انسان دوسری مخلوقات کی آواز نہیں سمجھ سکتا ہے؛ لیکن بعض دفعہ بہ طور معجزہ آپ ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے منجانب اللہ ایسا ہوتا تھا کہ دوسری مخلوقات بھی آپ کے لئے احترام و محبت کا اظہار کرتی تھیں، اسی کی ایک مثال یہ واقعہ ہے، یہ واقعہ حدیث کی متعدد کتابوں میں مختلف راویوں سے مروی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کھجور کے ایک تنے کے سہارے آپ ﷺ کھڑے ہوا کرتے تھے، جب منبر رکھا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا، تو اس سے اس طرح رونے کی آواز آنے لگی، جیسے اونٹنیاں روتی ہیں، آپ ﷺ اترے، اس تنہ پر اپنا دستِ شفقت رکھا، پھر وہ پُرسکون ہوگیا، (۱) — حدیث کی ایک اور کتاب نسائی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت زیادہ تفصیل کے ساتھ منقول ہے، (۲) — سنن ترمذی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، جس میں بچے کی طرح رونے کا ذکر آیا ہے۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۱۸

(۲) سنن نسائی، کتاب الجمعه، حدیث نمبر: ۵۴۵

(۳) ترمذی، کتاب الجمعه، حدیث نمبر: ۱۹۹۳

غرض کہ یہ واقعہ معتبر طریقہ پر ثابت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ نظر میں ہو تو چنداں باعث تعجب نہیں ہو صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ۔

حضور ﷺ اور ٹوپی کا استعمال

سوال :- کیا حضور ﷺ ٹوپی بھی استعمال فرمایا کرتے تھے؟

حدیث کے حوالہ سے جواب دیں ۔ (شیخ انور قادری، قاضی پورہ)

جواب :- رسول اللہ ﷺ کا ٹوپی پہننا ثابت ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے دو روایتیں نقل کی ہیں کہ آپ ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے: "کان رسول اللہ ﷺ یلبس قلنسوۃ بیضاء" (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ٹوپی پہننا ثابت ہے، (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ جس وقت ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اس وقت ان کے سر مبارک پر اونی ٹوپی تھی؛ (۳) اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ٹوپی پہننا درست ہے، اور آپ ﷺ پہنا کرتے تھے:

"لابأس بلبس القلانس و قد صح أن النبي ﷺ کان یلبسها" (۴)

حضور ﷺ کے آباء واجداد کے اسماء گرامی

سوال :- حضور پاک ﷺ کے دادا، دادی اور نانا نانی کے نام کیا تھے؟ (محمد فیروز، محمد نصرت ریڈ ہلز)

جواب :- آپ ﷺ کے دادا کا نام عبد المطلب اور دادی کا نام فاطمہ، نیز نانا کا نام وھب اور نانی کا نام برہ تھا۔

---

(۱) مجمع الزوائد ۵: ۱۲۱ (۲) ترمذی ۱: ۳۰۸

(۳) سنن ترمذی ۱: ۳۰۴ (۴) ہندیہ ۵: ۳۳۰

رسول اللہ ﷺ کے فضلات پاک تھے؟

سوال:- بعض کتابوں – جو کثرت سے پڑھی جاتی ہیں – میں لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پیشاب پاک تھا۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ پھر یہ کہ اگر ایسا تھا تو رسول اللہ ﷺ استنجاء کے بعد وضو کیوں فرماتے تھے؟ کیونکہ وضو تو جسم سے ناپاک چیز کے نکلنے پر ٹوٹتا ہے؟ (احمد احسان اللہ قادری، ممبئی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کو بعض خصوصی امتیازات حاصل ہیں، ان کو رسول اللہ ﷺ کے ''خصائص'' کہا جاتا ہے، علامہ سیوطیؒ اور بعض دوسرے اہل علم نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا پیشاب اور جسم قدس سے نکلنے والے تمام فضلات پاک ہیں، مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے ''بعض ائمہ شوافع نے حضور ﷺ کے پیشاب اور تمام فضلات کے پاک ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی کے قائل امام ابوحنیفہ بھی ہیں، جیسا کہ "المواهب اللدنية" نامی کتاب میں علامہ عینی کی ''شرح بخاری'' کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اور علامہ بیری نے ''اشباہ'' کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے، نیز حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس پر بہت سی دلیلیں موجود ہیں، اور ائمہ نے اس کو حضور ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے، نیز بعض اہل علم نے ملا علی قاری کی ''شرح مشکوٰۃ'' سے نقل کیا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب (حنفیہ) نے اسی کو اختیار کیا ہے''(۱)؛ اس لئے آپ نے جس کتاب کی عبارت کا حوالہ دیا ہے، وہ درست ہے، جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے استنجاء کرنے کے بعد وضو کرنے کی بات ہے تو وہ آپ ﷺ کے فضلات کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ آپ کی زندگی امت کے لئے اسوہ و نمونہ ہے، اس لئے آپ ﷺ وہ عمل فرمایا کرتے تھے، جس پر عمل کرنے کی امت مکلف ہے۔

---

(۱) ردالمحتار ۱/۲۲۵، ۳۲۵

آپ ﷺ انسان اور جنات دونوں کے نبی ہیں

سوال:- ایک صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ صرف انسانوں کے نبی ہیں، جنات کے نبی نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید شاہ نواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- یہ غلط ہے، حضور ﷺ انسان اور جنات دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئی تھیں، پھر آپ ﷺ ان پانچوں باتوں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے جس بات کا ذکر فرمایا، وہ یہ ہے کہ ہر نبی کی بعثت صرف اس کی قوم کی طرف ہوا کرتی تھی اور میری بعثت تمام سرخ و سفید کی طرف ہوئی ہے۔(۱) اس سے بھی زیادہ وضاحت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ مجھ پر جنات و انسان دونوں ایمان لائیں گے۔(۲) اس لئے صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت انسان اور جنات دونوں کے لئے ہے اور خود ارشاد ربانی ﴿وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين﴾(۳) میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں تھی

سوال:- ایک عالم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا سونا ہم لوگوں کے سونے کی طرح نہیں تھا، آپ سوتے میں بھی جاگتے رہتے تھے؛ اس لئے نیند سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، مگر یہ بھی سنا گیا ہے کہ ایک بار آپ فجر میں بیدار نہیں

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۵۲

(۲) مجمع الزوائد: ۸/۲۱۴

(۳) الأنبیاء: ۱۰۷

ہوسکے اور نماز قضا کی، مہربانی کرکے اس کی وضاحت فرمایئے۔

(سید بختیار، فلوت)

جواب:- انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بعض خصوصیات و امتیازات سے نوازا ہے، انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ نیند کی حالت میں بھی ان کی اپنے حواس پر گرفت باقی رہتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے:

"تنام عيناي ولا ينام قلبي"(۱)

اسی لئے انبیاء کرام کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا، حدیث میں ہے کہ ایک بار آپ ﷺ سو گئے، یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے تازہ وضو نہیں کیا اور نماز ادا فرمائی: "فقام معه إلى الصلوة ولم يتوضأ"(۲) قلب کے بیدار ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ ان امور کو محسوس کرسکتے تھے، جن کا تعلق جسم سے ہے، سورج کا نکلنا ایک خارجی شئ ہے، اس لئے آپ ﷺ کو احساس نہیں ہوسکا؛ اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔(۳)

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح اور مہر

سوال:- ہم کچھ ساتھیوں کے درمیان اس بات پر گفتگو چل رہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا سے کس طرح ہوا، کس نے نکاح پڑھایا اور مہر کیا مقرر ہوا؟

(امتیاز احمد قاسمی، ناگپور)

جواب:- نکاح کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک اجنبی مرد و عورت ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جائیں، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے

---

(۱) أبو داؤد عن عائشة رضي الله عنها، حدیث نمبر: ۲۰۲

(۲) صحيح البخاري، عن ابن عباس ؓ، حدیث نمبر: ۱۳۸

(۳) دیکھئے: رد المحتار: ۱/۲۵۳

ہی حضرت حوا کو پیدا فرمایا اور انہیں ان کی بیوی بنایا تو اب نکاح کے ایجاب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی؛ کیوں کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؛ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے باضابطہ نکاح کا ذکر نہ قرآن میں ملتا ہے، نہ حدیث میں اور نہ بائبل میں، جہاں تک مہر کی بات ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مہر کا حق شریعت محمدی میں ہے یا پہلی شریعتوں میں بھی تھا؛ تاہم بعض ضعیف روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا سے قربت کرنی چاہی تو انہوں نے مہر کا مطالبہ کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: بار الٰہا! ہم انہیں کیا مہر ادا کریں؟ حکم ربانی ہوا کہ میرے حبیب محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بیس دفعہ درود بھیجو، حضرت آدم علیہ السلام نے حکم ربانی کی تعمیل فرمائی۔(۱)

نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت آپ کا حلیۂ مبارک

سوال:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو امت موسوی میں نازل ہوئے تھے اور امت محمدیہ میں جس عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے، کیا دونوں کے حلیۂ مبارک میں کوئی فرق ہے؟ (سیدہ امۃ النور، مولاعلی)

جواب:- جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت موسوی کے عہد میں حضرت مریم کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے، بعینہ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اسی جسم وتن اور شکل وصورت کے ساتھ قیامت کے قریب شریعت محمدی کے عہد میں آسمان سے نزول فرمائیں گے؛ چوں کہ یہ بات اللہ کے علم میں تھی کہ بعض جھوٹے لوگ مثیل مسیح یا حضرت عیسیٰ کے حلول جسمانی کا دعویٰ کریں گے؛ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے نزول عیسیٰ کی پیشین گوئی میں خاص طور پر "عیسیٰ بن مریم" کے الفاظ کہلائے گئے؛ تاکہ اچھی طرح واضح ہوجائے کہ آسمان سے بعینہ ان ہی حضرت مسیح کا نزول ہوگا، جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، رہ گیا

---

(۱) القول البدیع للسخاوي: ۱۰۱/۱

لباس و پوشاک، تو جیسے انسان کے لباس و پوشاک میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، ضروری نہیں کہ جو لباس حضرت مسیح علیہ السلام پہلے زیب تن فرمایا کرتے تھے، زمین پر نزول کے بعد اسی طرح کا لباس آپ کے جسم پر ہو، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نزول فرمائیں گے تو دو زرد چادروں میں ملبوس ہوں گے۔

انبیاء کی تخلیق کس مٹی سے ہوئی؟

سوال:- ہماری مسجد کے امام و خطیب صاحب نے دورانِ تقریر جمعہ سے پہلے فرمایا کہ انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی مٹی سے پیدا فرمایا ہے؛ اسی لیے وہ معصوم ہیں، اور گناہ وغیرہ نہیں کرتے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی مٹی سے پیدا فرمایا ہے، یا تمام انسان مطلقاً مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں؟

(سید احمد سعید، کٹہ گورم)

جواب:- قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے مطلقاً مٹی سے پیدا کیے جانے کا ذکر ہے (۱) احادیث میں عام طور پر مٹی کا ذکر آیا ہے، کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں 'کلکم من آدم و آدم من تراب' (۲) البتہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں جو مٹی استعمال ہوئی تھی، وہ اسی روئے ارض کی تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ عز و جل نے آدم علیہ السلام کو ایک مشتِ خاک سے پیدا فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین سے لیا تھا؛ اسی لیے اولادِ

---

(۱) آل عمران: ۵۹

(۲) أبو داؤد عن أبي هريرة، حدیث نمبر: ۵۱۱۲، کتاب الأدب، باب بالتفاخر بالأحساب

آدم علیہ السلام زمین کی کیفیت پر پیدا ہوئی ہے، ان میں سفید بھی ہیں، سرخ بھی ہیں، سیاہ بھی ہیں، اور درمیانی رنگ و روپ کے لوگ بھی، نیکوکار بھی ہیں، اور بدکار بھی، نرم مزاج بھی ہیں اور تند مزاج بھی، اور ان میں سے درمیانی کیفیت کے لوگ بھی'' (۱)

بعض روایتوں میں البتہ یہ صراحت آئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے جو مٹی لی گئی، اسے جنت کے پانی سے گوندھا گیا، اس میں گو جنت کی مٹی کا ذکر نہیں ہے، صرف پانی کا ذکر ہے؛ لیکن یہ نہایت نامعتبر روایت ہے، (۲) علامہ ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات؛ یعنی من گھڑت روایتوں میں ذکر کیا ہے، (۳) اس لیے صحیح یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی روئے زمین کی مشتِ خاک سے کی گئی تھی، اور پھر آپ ہی کی نسلِ مبارک سے انبیاء کرام بھی پیدا ہوئے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ جس جگہ کو جو اعزاز عطا فرمانا چاہے، عطا فرمائے۔

حضرت خضر نبی تھے یا ولی اور زندہ ہیں یا گذر گئے؟

سوال:- میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی مسافر راستہ بھول جائے، تو اذان دینے پر حضرت خضر علیہ السلام اسے راستہ دکھانے آتے ہیں، بزرگوں کے کئی واقعات آئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی ہے؛ اس لئے بتائے کہ وہ پیغمبر تھے یا ولی؟ اور زندہ ہیں یا وفات ہوگئی؟ (محمد احمد علی، علی نگر)

جواب:- قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے دور کے تھے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کا اصل نام ''ایلیا بن ملکان'' تھا اور ''خضر'' لقب تھا، خضر کے معنی سبز کے ہیں، امام مجاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جہاں بھی نماز ادا کرتے سبزہ اُگ آتا تھا؛

---

(۱) مسند احمد: ۴/۴۰۰، حدیث نمبر: ۱۹۵۲۸ (۲) دیکھئے: الجامع الصغیر: ۲/۲۱۵

(۳) دیکھئے: کتاب الموضوعات: ۱/۱۹

اسی لئے خضر لقب پایا اور اسی نام سے مشہور ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم تکوینی عطا فرمایا تھا اور جمہور کی رائے یہی ہے کہ وہ نبی تھے؛ کیوں کہ باطنی امور کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے اور یہ انہیں حاصل تھا، نیز قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم بعض جہتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی فائق تھا اور نبی پر نبی ہی کا علم فائق ہوسکتا ہے؛ اس لئے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔(۱) —— رہ گیا ان کا زندہ رہنا یا وفات پاجانا، تو اس سلسلہ میں کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے؛ بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ہوچکی، واللہ علم —— البتہ آپ سے خواہش ہے کہ جن چیزوں سے کوئی دینی فائدہ متعلق نہ ہو، ان کے بارے میں سوال کرنے سے گریز کریں، سوال کا مقصد ذہنی تفریح نہیں ہے؛ بلکہ عمل کرنا ہے۔

کیا ذوالقرنین سے مراد سکندر یونانی ہیں؟

سوال:- کیا الیگزنڈر جو کہ یونان کا تھا اور حضرت ذو القرنین جن کا ذکر قرآن میں سورۂ کہف میں ہوا ہے، دونوں ایک ہی شخصیت تھے یا الگ الگ؟ کیوں کہ دونوں کو ہی سکندر اعظم کہا جاتا ہے؟ (محمد شاہد ممتاز، بیدر)

جواب:- بعض اہل علم نے سکندر یونانی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے، جو ارسطو کا شاگرد تھا اور جس کا زمانہ ۳۰۰ قبل مسیح بتایا جاتا ہے؛ لیکن یہ ضعیف و نامعتبر قول ہے، راجح یہ ہے کہ ذوالقرنین سے وہ سکندر مراد نہیں ہیں؛ کیوں کہ سکندر یونانی غیر مسلم تھا اور حضرت ذوالقرنین اللہ کے نیک بندے تھے اور اس درجہ و مقام کے حامل تھے کہ خود قرآن مجید نے بطور تحسین و ستائش ان کا ذکر کیا ہے۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲/۱۲۹

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: التفسیر المنیر: ۱۶/۲۳-۲۰، تالیف: ڈاکٹر وہبہ زحیلی

صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق سوالات

عشرۂ مبشرہ کے اسمائے گرامی

سوال:- عشرۂ مبشرہ جن کو بشارت دی گئی ہے، وہ کون ہیں؟ اور انہیں جنت کی بشارت دینے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ دوسرے صحابہ بھی ان خصوصیات کے حامل رہے ہوں گے؟

(محمد نوشاد، کریم نگر)

جواب:- دس صحابہ جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ان کو ''عشرۂ مبشرہ'' کہا جاتا ہے، ان کے نام اس طرح ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔(۱) یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بڑی آزمائشیں اور ابتلائیں اٹھائی ہیں، اور ان سب کے بارے میں آپ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں یہ خوش خبری سنائی تھی، اس بشارت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کے دوسرے رفقاء جنت سے محروم ہوں گے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں اور اسلام کے خادموں اور داعیوں میں تھے، دوسری حدیثوں میں پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے

---

(۱) سنن الترمذی، حدیث: ۳۷۴۷، مناقب عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

بارے میں عموماً اور بعض صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں خصوصیت سے جنتی ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے؛ اس لئے عشرۂ مبشرہ کے متعلق پیشین گوئی سے دوسروں کے درجہ و مقام کی نفی نہیں ہوتی۔

حضرت ابوبکر ﷺ کی بیوہ سے حضرت علی ﷺ کا نکاح

سوال:- کیا سوتیلی ساس کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے؟ کیونکہ گذشتہ منگل ۲۵/فروری ۲۰۰۳ کے ایڈیشن میں امیر المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ضمن میں یہ شائع ہوا تھا کہ '' حضرت ابوبکر ﷺ کے انتقال کے بعد محمد بن ابی بکر کی والدہ سے حضرت علی ﷺ نے نکاح کرلیا تھا اور دوسری جگہ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے بعد یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ اب خلیفہ کسے بنایا جائے؟ کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لے رہے تھے، تو کیا حضرت عثمان ﷺ کی شہادت کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات سے تھیں؟ جب کہ حضرت علی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا؟

(سید آیت اللہ قادری، مقام نامعلوم)

جواب:- (الف) شرعاً بیوی کی سوتیلی ماں بھی حرام نہیں ہوتی، چہ جائیکہ سوتیلی ساس کی سوتیلی ماں، حرمت بیوی کی حقیقی یا رضاعی ماں ہی سے ہوتی ہے، یہ حکم عام خواتین کے لیے ہے، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات پوری امت کی پاک مائیں ہیں؛ اس لیے اس رشتہ کی وجہ سے خود امہات المومنین پوری امت کے لیے حرام تھیں، بہر حال حضرت علی ﷺ کا ام المومنین سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی والدہ سے نکاح ہوا ہے؛ کیونکہ یہ حلال رشتہ تھا۔

(ب) یہ کہنا کہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے بعد کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لے رہے تھے، درست نہیں، اور جیسا کہ آپ نے لکھا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی

وفات خلیفہ سوم کی شہادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی، حضرت فاطمہؓ کی وفات ۳/رمضان المبارک ۱۱ھ میں ہوئی ہے(۱) اور حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت ۱۷ یا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی ہے۔(۲)

اہل بیت اور موجودہ دور

سوال:- اہل بیت کی حد کہاں تک شمار کی جاسکتی ہے؟ کیوں کہ آج کل جو لوگ اپنے آپ کو سید کہتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اہل بیت کہتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ عرب ممالک سے پورے کے پورے سید لوگ ہندوستان اور پاکستان میں ہی آگئے ہیں، عرب حضرات اپنے ناموں کے آگے سید نہیں لکھتے، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔ (سید جلال الدین نقشبندی)

جواب:- جن لوگوں کا نسب آپ ﷺ سے ملتا ہو، ان سب کا شمار اہل بیت میں ہے، اور آپ ﷺ کا نسب چلا ہے سیدہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ذریعہ، اس کے علاوہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی دوسری شاخیں بھی اسی حکم میں ہیں، اور حرمت زکوٰۃ کے مسئلہ میں انہیں بھی 'اہل بیت' میں شمار کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سارے خاندانی سلسلے ختم ہو جائیں گے، لیکن آپ ﷺ کا خاندانی سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا:

"وإنه منقطع يوم القيامة الأنساب إلا نسبي وسببي" (۳)

اس لئے اہل بیت تو قیامت تک باقی رہیں گے، رہ گئے ہندوستان میں سادات کی کثرت تو اس سلسلہ میں شجرۂ نسب کی موجودگی اور کسی خاندانی سلسلہ کی شہرت یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کی بنا پر کسی کے اہل بیت میں سے ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے، عربوں کا سید نہ

---

(۱) اسد الغابہ: ۷/۲۲۴ (۲) اسد الغابہ: ۳/۲۱۴

(۳) مجمع الزوائد: ۹/۸۲۳

لکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہاں سادات نہیں ہیں، یہ دراصل اصطلاح کا فرق ہے، بعض علاقے میں سادات کے لئے کوئی الگ اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی، بعض قبائل میں سادات کا ''صیب'' کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص کے پاس شجرۂ نسب موجود ہو یا اس کی خاندانی نسبت معروف ہو تو اس پر شک نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ ہم اس کی تحقیق کے مکلف نہیں اور کسی مسلمان سے بلاوجہ بدگمانی رکھنا درست نہیں۔

صحابہ ﷺ کی تعداد اور مدنی صحابہ

سوال:- رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ میں صحابہ کی کیا تعداد تھی اور مجموعی طور پر آپ کے صحابہ کی کیا تعداد رہی ہے؟ (عبدالرشید، سعید آباد)

جواب:- بعض روایات میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع سے آپ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے، یہ ایک تخمینہ اور اندازہ ہے، اسی لئے بعض روایتوں میں اس سے کم تعداد کا بھی ذکر آیا ہے، بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ بحیثیت مجموعی آپ سے سننے والوں کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار ہے۔(۱)—— ان روایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کم و بیش ڈیڑھ، پونے دو لاکھ لوگ آپ کی حیات طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے؛ کیوں کہ قرین قیاس یہی ہے کہ بہت سے بوڑھے، ضعیف لوگ، خواتین اور بعض اعذار سے دو چار حضرات حج میں شریک نہیں ہو سکے ہوں گے—— جہاں تک مدینہ منورہ میں صحابہ کی تعداد کی بات ہے، تو بیس ہزار سے ساٹھ ہزار تک کی روایتیں منقول ہیں اور بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزار اشخاص نے آپ (ﷺ) پر نماز جنازہ ادا کی ہے،(۲)—— اسی سے گمان کیا جاسکتا ہے کہ مرد و خواتین اور بچے اور بوڑھے ملا کر ساٹھ ہزار تک اس وقت مدینہ کی آبادی تھی۔

واللہ اعلم

---

(۱) التراتیب الاداریہ للکتانی ۲/۲۰۴-۲۰۵ (۲) حوالہ سابق۔۴۰۷

حضرت علی ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا

سوال:- ہماری عزیزہ مرحومہ کی تدفین کے موقع پر ان کے شوہر جب خود دفن کے لئے قبر میں اترنا چاہتے تھے، تو بعض احباب نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ فقہ حنفی کی رو سے شوہر کا اپنی بیوی کی نعش کو دفن کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ مرحومہ کے لڑکے اور ایک دوسرے محرم نے تدفین کا کام انجام دیا، اب ان کے شوہر موصوف کا استدلال یہ ہے کہ ''حضرت علی ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے غسل جنازہ میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ حصہ لیا تھا اور خود حضرت علی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے دفن فرمایا تھا'' اس بات کی وضاحت درکار ہے کہ کیا حضرت علی ﷺ کا عمل ہمارے لئے قابل تقلید نہیں؟ پھر یہ فقہی امتناع کیوں؟ اور وہ خاص کیا حالات تھے، جس میں حضرت علی ﷺ نے خود تدفین فرمائی؟ (اشرف مجیب الرحمن، حیدرآباد)

جواب:- بیوی کا جیسے ہی انتقال ہو، شوہر سے رشتۂ نکاح بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کے لئے اس (مرحومہ) کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اگر نکاح باقی رہتا تو اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہوتا؛ کیوں کہ دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا، گویا اب مرد اس کے حق میں اجنبی ہوگیا اور اجنبی کا حکم یہ ہے کہ عورت کو نہ چھو سکتا ہے اور نہ غسل دے سکتا، البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ دیکھ سکتا ہے؛ اسی لئے حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اور کفن نہیں پہنا سکتا، البتہ دیکھ سکتا ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے، ان کا استدلال سیدنا حضرت علی ﷺ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی اس روایت سے ہے، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت کے سلسلے میں احناف نے دو باتیں کہی ہیں : اول یہ کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا ، جنہوں نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش فرمائی تھی ، لہذا جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے کا ذکر ہے ، اس کا منشا یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دینے کا انتظام کیا تھا اور غسل وکفن کے اسباب مہیا کئے تھے اور ایسا ہوتا ہے کہ اسباب مہیا کرنے والوں کی طرف کسی فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے ، جیسے کہا جاتا ہے الف نے مکان تعمیر کیا ، حالاں کہ مکان مزدور تعمیر کرتے ہیں ، "الف" اسباب ووسائل فراہم کرتا ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر روایت کا منشا یہی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس غسل دیا ، تو یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے ؛ چنانچہ جب اس مسئلہ کی نسبت سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے : فاطمہ دنیا میں بھی تمہاری بیوی ہے اور آخرت میں بھی : " إن فاطمة زوجتك في الدنيا والآخرة "(۱) —— اس روایت کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ موت کے باوجود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہیں اور اس رشتہ میں عالم آخرت تک تسلسل ہے ؛ (۲) —— اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت سے دوسرے واقعات پر استدلال کرنا درست نہیں ۔

جہاں تک قبر میں اترنے کی بات ہے ، تو یہ بہتر ہے کہ قبر میں اترنے والے محرم رشتہ دار ہوں ، مگر ایسا ضروری نہیں ہے ، غیر محرم بھی قبر میں اتر سکتے ہیں :

" وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة من غير هم ، كذا في الجوهرة ، وكذا ذو الرحم الغير المحرم أولى من الأجنبي ، فإن لم يكن فلا بأس

(۱) المعجم الكبير للطبراني ، حدیث نمبر : ۱۰۳۳

(۲) دیکھئے : الدر المختار مع الرد : ۳/۹۰

للأجانب وضعها كذا في البحر الرائق "(۱)

سیدنا حضرت حسین ﷺ اور یزید

سوال:- آپ نے سنا ہوگا کہ پچھلے دنوں ممبئی کے ایک مقرر نے یزید کو "رضی اللہ عنہ" کہا ہے اور کہا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یزید کے ساتھ جنگ ایک سیاسی جنگ تھی، یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ اور حضرت علی ﷺ اور حضرت حسین ﷺ کے جنگ کی کیا نوعیت تھی؟ (اقبال احمد، ممبئی)

جواب:- اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت علی ﷺ وحضرت معاویہ ﷺ کے درمیان ہونے والی جنگ میں خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی ﷺ حق پر تھے، ان کا حق پر ہونا اور ان کے مخالفین کا اس معاملہ میں خطاء پر ہونا رسول اللہ ﷺ کی ان پیشینگوئیوں سے ثابت ہے، جو بہ سند صحیح منقول ہیں، البتہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ ﷺ کی خطاء اجتہادی تھی، اور اس کی حیثیت ایک لغزش سے زیادہ نہیں تھی؛ اس لئے یہ سب کے سب اللہ کے یہاں ان شاء اللہ مغفور ہیں، — رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ — جہاں تک یزید کی بات ہے تو اس کے دور حکومت میں کئی ایسے واقعات پیش آئے، جو نہایت ہی شرمناک اور لائق ملامت ہیں، جیسے حضرت حسین ﷺ اور اہل بیت اطہار کی مظلومانہ اور سفاکانہ شہادت، مدینہ پر خونریز حملہ، تین دنوں تک قتل عام اور عورتوں کی بے آبروئی، اور پھر مکۃ المکرمہ پر حملہ یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کو نذر آتش کر دینا، یہ تمام واقعات یزید کے عہد میں پیش آئے، اس لئے وہ اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کے افعال کے بارے میں بھی جواب دہ ہے: "كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته " (۲) کم سے

---

(۱) هنديه :۱/۱۶۶، الفصل السادس في القبر و الدفن

(۲) صحيح البخاري ، كتاب الجمعة ، باب الجمعة في القرى و المدن ، حدیث نمبر ۸۹۳

تاہم اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یزید نے قاتلانِ حسین اور واقعۂ حرہ کے مجرمین کو کوئی سزا نہیں دی؛ اس لئے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یزید کی تحسین وتعریف نہیں کی ہے، بعض ائمہ اہل سنت نے اس پر لعنت کی اجازت دی ہے، جیسے امام احمد بن حنبل اور بعض نے سکوت اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو اپنے عمل کے ساتھ اللہ کے دربار میں جانا ہے۔

یہ کہنا نہایت غلط ہے کہ حضرت حسین ؓ کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا محض سیاسی مقاصد اور دوسرے لفظوں میں اقتدار کے حصول کے لئے تھا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باپ کا اپنے بعد بیٹے کو بادشاہ نامزد کردینا اسلامی طریقہ نہیں تھا، اور یزید کے ظاہری حالات بھی ایسے نہیں تھے جو ایک اسلامی مملکت کے سربراہ کے لئے موزوں ہوں؛ اسی لئے اس وقت کے تمام ہی اکابر صحابہ ؓ حضرت حسین ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت عبداللہ عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ اس سے ناخوش تھے، اور انھیں خوف تھا کہ اس سے مسلمانوں میں قیصر وکسریٰ کی سنت جاری ہوجائے گی، البتہ فتنہ کے اندیشہ سے بہت سے صحابہ ؓ نے اس پر سکوت اختیار کیا یا بیعت کرلی، گو حضرت معاویہ ؓ کی رائے تھی کہ اس وقت بنو امیہ — جو حکومت کے اہم عہدوں پر فائز ہیں — کسی اور کی قیادت کو قبول نہیں کریں گے؛ اس لئے یزید کو جانشین مقرر کرنے سے مسلمانوں کو انتشار سے بچایا جاسکتا ہے اور وہ بھی اپنی حد تک اس سوچ میں مخلص تھے؛ مگر ایسے جلیل القدر صحابہ واکابر تابعین کی موجودگی میں ان کا یہ نقطۂ نظر جمہور کے نزدیک قابل تسلیم نہیں تھا۔

ان حالات میں اگر حضرت حسین ؓ اور بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ یزید کے خلاف نہ کھڑے ہوتے تو سمجھ لیا جاتا کہ اسلام میں ''انتخاب خلیفہ'' کے بجائے ''خاندانی بادشاہت'' بھی حکومت کا ایک جائز طریقہ ہے؛ اس لئے حضرت حسین ؓ نے اپنی جان کی قربانی پیش کرکے اس تصور کے غلط ہونے کو ہمیشہ کے لئے لوگوں کے ذہن میں بٹھادیا؛ چنانچہ آج ہم فقہ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے انتخاب سے امیر بنا ہو، اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں، اور جو بزور قوت حکمراں بن گیا ہو — جس کو قاضی ابوالحسن ماوردی

وغیرہ نے ''امارت قاہرہ'' سے تعبیر کیا ہے — کے خلاف بشرط قوت بغاوت کرنا جائز ہے۔

اہل سنت والجماعت کے مسلک کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی محبت رکھنی چاہئے اور ان کی عظمت سے دل معمور ہونا چاہئے، اور اہل بیت سے بھی پوری محبت ہونی چاہئے، اور ان کی توقیر میں ادنیٰ کمی نہیں ہونی چاہئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ دوہرا شرف حاصل تھا، وہ صحابی بھی تھے اور آل رسول میں بھی تھے، ان کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو حسین سے محبت رکھے گا، اللہ اس سے محبت رکھے گا: " أحب اللہ من أحب الحسین "(۱) اس حدیث کو ادرتو اور شیخ البانی جیسے ناقد حدیث نے بھی معتبر مانا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ کے استاذ ابراہیم نخعیؒ نے خوب فرمایا کہ ''اگر میں قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میں ہوتا اور مجھے معاف کر دیا جاتا اور جنت میں جگہ مل جاتی، تب بھی مجھے حضور ﷺ کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی'' (۲)؛ اس لئے میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگوئی کی جسارت کرتے ہیں، وہ قیامت میں کس منہ سے حضور ﷺ کا سامنا کریں گے؟

جہاں تک یزید کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنے کی بات ہے تو یہ قطعاً درست نہیں؛ ''رضی اللہ عنہ'' کے لغوی معنی ہیں: ''اللہ اس سے راضی ہو''، اس لحاظ سے ہر مسلمان کے لئے یہ جملہ استعمال ہوسکتا تھا؛ لیکن جب کوئی تعبیر کسی خاص طبقہ کی شناخت بن جائے تو اس کا استعمال دوسرے کے لئے مناسب نہیں، جیسے صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں، دعاء رحمت جیسے انبیاء کے لئے ہے، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی ہوسکتی ہے؛ بلکہ عام مسلمان تو اس کے زیادہ ضرورت مند ہیں، مگر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''علیہ الصلاۃ والسلام'' کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے لئے مخصوص ہیں، اس لئے کسی اور کے حق میں اس کا استعمال درست نہیں، اسی طرح ''رضی اللہ عنہ'' ایسا فقرہ ہے جس سے صحابہ کی شناخت متعلق ہوگئی ہے، یعنی جب کسی نام کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے تو لوگ اسے صحابی سمجھتے ہیں، اس لئے دوسروں کے

---

(۱) ترمذی عن یعلی بن مرۃ، حدیث نمبر: ۳۷۷۵

(۲) مجمع الزوائد: ۹/ ۱۹۵، بہ سند صحیح

لئے اس دعائیہ فقرہ کا لکھنا مناسب نہیں؛ چہ جائے کہ یزید کے لئے، جس پر بعض ائمہ اہل سنت نے لعنت تک کی اجازت دی ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو سلف صالحین کے طریقہ پر قائم رکھے، آل رسول اور اصحاب رسول کی محبت و تعظیم کے جذبہ سے نوازے اور افراط و تفریط سے بچائے۔

چند صحابیات کے نام

سوال:- حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

(سید اکبر، دہلی)

جواب:- حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت حارث بن حزن رضی اللہ عنہا ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام سلمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ (۱)

---

(۱) موسوعۃ حیاۃ الصحابیات میں ان کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔

شخصیات سے متعلق سوالات

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصریؒ کا استفادہ کرنا

سوال:- سلاسل تصوف میں سند اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معرفت حاصل کی، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے؛ اس لئے کہ حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہے، براہ کرم اس پر روشنی ڈالئے؟ (عبدالاحد قادری، گلبرگہ)

جواب:- حضرت حسن بصریؒ کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال پہلے ہوئی ہے: ولد لسنتين بقيتا في خلافة عمر -(۱) اس طرح ان کی ولادت کے کافی عرصہ بعد تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے ہیں؛ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات کا پورا پورا امکان موجود ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے: "رأى عليا" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے سنا بھی ہے؛ چنانچہ پہلے انہوں نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے، جن سے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات نہیں ہوئی، پھر اس کے بعد ان حضرات کا ذکر کیا ہے، جن سے ملاقات تو ہوئی ہے؛ لیکن حدیث سننے کا اتفاق نہیں ہوا ہے، پھر ان صحابہ کا ذکر ہے جن سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور حدیث بھی سنی

---
(۱) تہذیب التہذیب: ۲/۲۶۸

ہے، اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے (۱)؛ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور زہد وتقویٰ

سوال:- حضرت امام مالکؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان سے سوالات کیے گئے تو بہت سے سوالات کے جواب میں فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے" لا ادری" ایک صاحب کا کہنا ہے کہ یہ ان کے تقویٰ کی علامت تھی، امام ابوحنیفہؒ سے مسائل میں لاعلمی کا اظہار منقول نہیں، یہاں تک کہ جو مسائل پیش نہیں آئے تھے، ان کا بھی جواب دیتے تھے، وہ صاحب اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے اندر تقویٰ کم تھا، اس پر میرے اور ان کے درمیان کافی بحث ہوگئی، براہ کرم آپ اس پر روشنی ڈالیے۔ (مفتی امتیاز احمد، ممبئی)

جواب:- (۱) تقویٰ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی خشیت کا ہونا اور اس خوف وخشیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا، یہ وصف امام ابوحنیفہؒ میں بدرجہ اتم موجود تھا، ان کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جس شخص کو قرض دیتے، اس کے مکان کے سایہ میں بھی کھڑے نہ ہوتے کہ کہیں اس کا شمار قرض پر نفع اٹھانے میں نہ ہو جائے؛ اس لیے بعض محدثین نے ان کو" اورع الناس" یعنی اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ متقی کا خطاب دیا ہے، پس امام ابوحنیفہؒ کے ورع وتقویٰ کے بارے میں بدگمانی رکھنا اپنی نیکیوں کو ضائع کرنا ہے، عام مسلمانوں سے بھی بدگمانی رکھنے کو منع کیا گیا ہے، چہ جائیکہ اس پایہ ودرجہ کے فقیہ اور امام سے۔

(۲) بڑے سے بڑا صاحب علم بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ تمام احکام شریعت پر

---

(۱) دیکھئے: تہذیب التہذیب: ۲/۲۶۴، ترجمہ نمبر: ۲۸۳

اس کی نظر ہے؛ چنانچہ جیسے امام مالکؒ نے بعض مسائل میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے، اسی طرح اکثر سلف صالحین سے متعدد مسائل میں لاعلمی کا اظہار منقول ہے اور یہ یقیناً ان کے اخلاص اور خدا ترسی کی بات ہے؛ لیکن ورع و تقویٰ کو پرکھنے کی یہی ایک کسوٹی نہیں، ورنہ بہت سے عظیم المرتبت محدثین و فقہاء پر اعتراض کا دروازہ کھل جائے گا، ویسے خود امام ابوحنیفہؒ کا حال یہ ہے کہ انہوں نے سینکڑوں مسائل میں ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف رجوع کیا ہے؛ اسی طرح بے شمار مسائل وہ ہیں، جن میں ان کے شاگردوں نے ان سے اختلاف رائے کیا ہے اور امام صاحبؒ نے انہیں اپنی رائے کا پابند نہیں کیا، بلکہ یہ بھی پسند نہیں فرمایا کہ محض استاذ کے احترام میں وہ اس رائے کو اختیار کریں، جس سے وہ مطمئن نہ ہوں۔

اسی طرح بعض ایسے مسائل بھی ہیں، جن میں آپ نے تردد کی وجہ سے کوئی واضح جواب نہیں دیا، کتب فقہ کو کھنگالا جائے اور اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو بہت سے ایسے مسائل نکلیں گے، فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں ''فتاویٰ غیاثیہ'' ہے، اس میں آٹھ مسائل ایسے ذکر کیے گئے ہیں جن کے بارے میں امام صاحبؒ نے قطعی جواب دینے سے گریز فرمایا ہے، (۱) جو مسائل ابھی پیش نہیں آئے تھے ایسے مسائل میں بھی بعض اوقات امام صاحبؒ نے اپنی رائے دی ہے؛ لیکن یہ امام صاحبؒ کا امت پر احسان ہے کہ انہوں نے آئندہ پیش آنے والے مسائل کو بھی دقت نظر کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو بتایا کہ دجال کے زمانے میں ایک دن کئی سال کے برابر ہو جائے گا اور پھر اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اس دور میں نمازوں کے اوقات کیا ہوں گے اور کس طور پر نمازیں ادا کی جائیں گی؟ تو مستقبل میں پیش آنے والے مسائل کی رہنمائی کرنا سنت رسول ﷺ ہے، نہ کہ کوئی معیوب بات۔

(۳) یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے؛ لیکن یہ حقیقت ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ دین ہمیں براہ راست حضور ﷺ سے حاصل نہیں ہوا؛ بلکہ محدثین، فقہاء اور مفسرین و قراء

---

(۱) دیکھئے: فتاویٰ غیاثیہ: ۹۰، ثمانية مسائل لم يقطع فيها أبو حنيفة بجوابها

کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے، کچھ لوگوں نے قرآن وحدیث کے الفاظ کو پہنچانے پر زیادہ توجہ دی ہے اور کچھ لوگوں نے قرآن وحدیث کے الفاظ کے معنی ومفاہیم کو نقل کرنے پر زیادہ زور دیا ہے، اگر ان واسطوں پر اعتماد واعتبار کو کمزور کر دیا جائے، تو یہ بہت بڑی بدبختی کی بات ہوگی اور اس طرح خود دین وشریعت کا اعتبار اٹھ جائے گا: اس لیے ایسی ناشائستہ اور غیر مفید باتوں سے ہمیشہ بچنا چاہیے، ایسی باتوں کی طرف توجہ دینی چاہیے، جو انسان کے لیے دنیا وآخرت میں مفید ہوں اور جن کے بارے میں اسے جواب دینا ہو۔

امام قاسم ابن محمدؒ

سوال:- حضرت امام قاسم بن محمدؒ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا رشتہ تھا؟ نیز آپ کا: یعنی امام قاسم بن محمدؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے یا تبع تابعین میں، کیا آپ فقیہ یا مفتی بھی تھے اور کیا آپ نے فقہ کی کوئی کتاب بھی لکھی ہے؟ (شہباز سلطانہ، اکبر باغ)

جواب:- امام قاسم بن محمد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے، ۳۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۷ھ میں وفات پائی، اکابر تابعین میں ان کا شمار تھا اور فقہ وفتاویٰ کے اعتبار سے بڑے اونچے درجہ کے حامل تھے، عہد تابعین میں سات فقہاء کو امتیازی حیثیت حاصل تھی، جن کو "فقہاء سبعہ" کہا جاتا تھا، ان میں ایک قاسم بن محمد بھی تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (۱)

اولیاء کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کا استعمال

سوال:- علماء اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ بھی "رضی اللہ عنہ" لکھتے ہیں، کیا اس طرح لکھنا درست ہے؟ (عبد المجید، شبلی گنج)

جواب:- رضی اللہ عنہ ایک دعائیہ کلمہ ہے، جس کے معنی ہیں "اللہ ان سے راضی ہو" لغوی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ کسی کو یہ دعاء دی جاسکتی ہے؛ لیکن سلف صالحین کے عہد

(۱) دیکھئے: الأعلام للزرکلی: ۵؍۱۸۱

سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے "صلی اللہ علیہ وسلم"، انبیاء کرام کے لئے "علیہ السلام" صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے "رضی اللہ عنہ" اور دوسرے بزرگوں کے لئے "رحمۃ اللہ علیہ" کہا اور لکھا جاتا ہے، یہی مفسرین ومحدثین اور فقہاء وصوفیا کا معمول رہا ہے، گویا اس پر امت کا تعامل ہے اور اس تعامل کی وجہ سے یہ لفظ ان اہل اللہ کے مقام ومرتبہ اور حیثیت کی پہچان بن گئی ہے، اگر یہ تعبیر دوسروں کے لئے اختیار کی جائے تو ان کی حیثیت کے جاننے میں التباس واقع ہوسکتا ہے، نیز اس میں سلف صالحین کے تعامل کی مخالفت بھی ہوتی ہے اور مبالغہ کا بھی احساس ہوتا ہے؛ اس لئے اس دعائیہ کلمہ کو حضرات صحابہؓ ہی کے لئے استعمال کرنا چاہئے، گو بعض اہل علم نے دوسروں کے لئے بھی یہ کلمہ استعمال کیا ہے؛ لیکن موجودہ دور کے عرف کے لحاظ سے قرین صواب یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسروں کے لئے یہ تعبیر اختیار نہیں کی جائے۔

جنت اور جہنم سے متعلق سوالات

کیا جنت میں بھی غسل واجب ہوتا ہے؟

سوال:- (الف) جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟

(ب) دنیا میں بول و براز کی حاجت رہتی ہے، جنت میں اس کی حاجت نہیں ہوگی؛ لیکن جنت میں بھی جنتی حضرات جنسی خواہش پوری کریں گے، تو کیا وہاں بھی غسل فرض ہوگا؟

(م، ن، ش، گلبرگہ)

جواب:- جنت کے جن احوال کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں، ان کی کھوج میں پڑنا بے فائدہ عمل ہے، اس کے بجائے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو انسان کو جنت میں لے جانے والے ہیں، آپ کے سوال کا مختصر جواب اس طرح ہے:

(الف) مردوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کا ہونا باعث عار نہیں؛ لیکن عورتوں کے لئے ایک سے زیادہ شوہر کا ہونا باعث ننگ و عار ہے؛ اس لئے ان کے لئے ایک ہی شوہر ہوگا؛ البتہ جنت میں مردوں کی جنسی قوت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا۔

" عن أنس ﷺ : عن النبي ﷺ قال : يعطى المؤمن في الجنة قوة كذا وكذا من الجماع ، قيل : يا رسول

الله ! أو يطيق ذلك ؟ قال : يعطى قوة مائة " (۱)

(ب) شریعت کے جو احکام ہیں : یعنی کسی بات کا فرض و واجب یا حرام و مکروہ ہونا وغیرہ، یہ دنیا سے متعلق ہے؛ کیونکہ دنیا میں خواہش نفس کے مطابق چلنے کی اجازت نہیں ؛ بلکہ نفس کی خواہش پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو غالب رکھ کر امتحان میں کامیابی کا ثبوت فراہم کرنا ہے، بخلاف جنت کے، کہ وہاں نہ کوئی چیز فرض ہوگی ، نہ حرام اور انسان اپنی خواہشات نفس میں آزاد ہوگا : ﴿ مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ ﴾ (۲) ؛ کیوں کہ جنت اتنی وسیع ہے کہ وہاں ہر شخص کے لئے اپنے خواہش نفس کو پورا کرنا ممکن ہوگا ، اور اس سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہوگا ۔

اعراف سے کیا مراد ہے؟

سوال :- اعراف کیا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟

(سید یوسف علی، پی پی کا چشمہ)

جواب :- اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان کا درجہ ہوگا، اس میں ابتداءً وہ لوگ رکھے جائیں گے، جو دوزخ کے مستحق تو نہ ہوئے ہوں ؛ لیکن اہل جنت کے درجہ کو بھی نہ پہنچ پائے ہوں ، پھر اپنی کوتاہیوں کے اعتبار سے وقت گذار کر بتدریج جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے ، اعراف کا مقام بلندی پر واقع ہوگا اور عرب میں بلند چیز کو ''اعراف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے ، علامہ ابن تیمیہؒ کے بقول اسی لئے اس درمیانی مقام کو ''اعراف'' کہا گیا ۔

دوزخیوں کا نہ جینا نہ مرنا

سوال :- قرآن مجید میں سورۃ الاعلیٰ میں دوزخیوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ '' ثم لايموت فيها و لا يحيى '' یعنی وہ نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے ، حالاں کہ ظاہر ہے کہ یا

---

(۱) الجامع للترمذی ، أبواب صفة الجنة ، باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة ، حدیث نمبر : ۲۵۳۶ (۲) فصلت : ۳۱

تو جئیں گے یا مریں گے؟ ان دونوں کے علاوہ تیسری صورت نہیں ہوسکتی، اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

(امین الدین، نلگنڈہ)

جواب:- قیامت میں جب لوگ جنت و دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کردیا جائے گا، یہ علامتی طور پر اس بات کا اظہار ہوگا کہ اب کسی پر موت نہیں آئے گی، اہل جنت کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا کوئی دن نہ ہوگا کہ یہ ان کے عیش دوام کا مژدۂ جانفزا ہوگا اور اہل دوزخ کے لئے اس سے زیادہ حزن وملال کا کوئی دن نہ ہوگا کہ یہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والے رنج ومحن کا اعلان ہوگا، یہ باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں(۱) اور قرآن مجید نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے لئے خلود ودوام کی بات بار بار کہی ہے، وہ بھی اس پر واضح دلیل ہے، پس حاصل یہ ہے کہ اہل دوزخ بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے، سورۂ اعلیٰ میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ وہ نہ اس میں زندہ رہیں گے اور نہ مریں گے، اس میں زندہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کے لطف سے محروم رہیں گے، زندگی تو ہوگی؛ لیکن زندگی کی راحت اور سکون سے خالی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۵۴۸

کتاب الفتاوی

ساتواں حصہ

کتاب الطھارۃ

طہارت سے متعلق مسائل

وضوء کا بیان

بڑے برتن سے کس طرح وضو کیا جائے؟

سوال :- بعض دفعہ وضو کرنے کے لئے بکٹ میں پانی موجود ہوتا ہے، لیکن پانی نکالنے کا کوئی برتن موجود نہیں ہوتا، ایسی صورت میں وضو کرنے کی کیا صورت ہوگی ؟ کیا اس میں ہاتھ ڈبو ڈبو کر وضو کیا جاسکتا ہے ؟ (سید حامد، ملے پلی)

جواب :- اگر کوئی شخص پانی میں ہاتھ ڈالے، ہاتھ میں نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، لیکن فقہاء نے طہارت و نظافت یعنی پاکی اور صفائی ستھرائی دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ہدایت دی ہے کہ اگر چھوٹا برتن ہو جیسے لوٹا یا پیالہ تو برتن سے پانی انڈیل کر وضو کرنا چاہئے، اگر بڑا برتن ہو جس سے اس طرح پانی کا نکالنا دشوار ہو یا اس طرح پانی نکالنے کی صورت میں پانی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، لیکن کوئی چھوٹا برتن میسر ہو جس کے ذریعہ پانی نکالا جاسکتا ہو تو اس کی مدد سے پانی نکال کر وضو کیا جائے، اور اگر چھوٹا برتن بھی موجود نہ ہو تو بایاں ہاتھ ہتھیلی کو بچاتے ہوئے انگلیوں کے بقدر داخل کیا جائے اور اس سے پانی نکال کر دائیں اور بائیں ہاتھ کو اچھی طرح دھولیا جائے ؛ بلکہ بہتر ہے کہ تین بار دھویا جائے، پھر دونوں ہاتھ پانی میں ڈال کر چلوؤں سے پانی لیا جائے اور اس طرح وضو مکمل کیا جائے۔

"... وإن لم يكن معه كوز صغير أدخل أصابع يده اليسرى مضمومة في الإناء، ولا يدخل الكف ويرفع الماء من الحجب، ويصب على يده اليمنى، ويدلك الأصابع بعضه ببعض، فيفعل كذلك ثلاثا، ثم يدخل يده اليمنى بالغا ما بلغ في الإناء إن شاء. (۱)

مسواک کی فضیلت سے متعلق ایک حدیث

سوال:- ہم لوگ اللہ کی توفیق سے تبلیغی جماعت میں جاتے رہتے ہیں، جماعت میں حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کی تاکید کی جاتی ہے اور مسواک پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے، بعض ساتھیوں نے کہا کہ مسواک کر کے جو نماز پڑھی جاتی ہے، وہ بغیر مسواک کی نماز کے مقابلہ ستر درجہ افضل ہوتی ہے، اس کے بارے میں بتایئے۔

(محمد مصباح، ناگ پاڑہ، ممبئی)

جواب:- مسواک حضور ﷺ کی بڑی اہم سنت ہے، آپ کثرت سے مسواک فرمایا کرتے تھے، وضو میں اور نماز سے پہلے بھی مسواک کرنے کا معمول مبارک تھا؛ اس لیے واقعی اس سنت پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ جس عمل کی نسبت بھی رسول اللہ ﷺ سے ہو، وہ قابل اتباع و پیروی ہے؛ البتہ آپ کے ساتھی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ حدیث نامعتبر ہے، بعض اہل علم نے تو اس کو موضوعات یعنی من گھڑت روایات میں شمار کیا ہے اور مشہور محدث یحییٰ بن معین نے اسے باطل قرار دیا ہے، (۲) تاہم مسواک کی فضیلت پر بعض معتبر روایتیں بھی موجود ہیں۔

---

(۱) المحیط البرہانی: ۱۲۹/۱

(۲) دیکھئے: اسنی المطالب، ص: ۱۸۴، حدیث نمبر: ۸۱۹

مسواک کی جگہ انگلی اور منجن

سوال:- اگر مسواک ساتھ نہ ہو منجن سے دانت صاف کرنا ہو تو کیا انگلیوں سے منجن لگانا مسواک کی جگہ ہو جائے گا اور اس کے لئے دائیں ہاتھ کی انگلیاں استعمال کی جائیں گی یا بائیں ہاتھ کی؟ (اصغر حسین، پرانی حویلی)

جواب:- مسواک کا مقصد دانتوں کی صفائی اور منہ کے اندر کی آلائش کو دور کرنا ہے؛ لہٰذا اگر چہ کہ لکڑی کی مسواک کا استعمال بہتر ہے؛ لیکن اگر مسواک نہ ہو اور دانت کو انگلیوں سے رگڑ لے یا اس کے ساتھ منجن کا بھی استعمال کر لے تو یہ بھی کافی ہے؛ کیونکہ اس سے بھی مسواک کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ البتہ اس مقصد کے لئے دائیں ہاتھ کی انگلی کا استعمال ہونا چاہئے؛ کیوں کہ بائیں ہاتھ کا استعمال استنجاء کے لئے ہوا کرتا ہے، پھر اسی ہاتھ سے منہ صاف کرنا طبعی نظافت کے بھی خلاف ہے، اور شاید حفظانِ صحت کی رو سے بھی مناسب نہ ہو، فقہاء نے بھی دائیں ہاتھ کا ذکر کیا ہے:

"... وإن لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم بالإصبع من يمينه مقام الخشبة كذا ..." (۱)

واش بیسن کا رخ قبلہ کی طرف

سوال:- ہمارے گھر میں واش بیسن اور شاور قبلہ کی طرف ہے، جس میں ہم ہاتھ منہ دھونے اور نہانے کے ساتھ ساتھ وضو بھی کرتے ہیں، جس میں کلی بھی کرنی ہوتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبلہ کی طرف کلی نہیں کرنی چاہئے، یہ کہاں تک درست ہے؟

(شاہد علی، دریبن بازار)

---

(۱) الفتاوی الهندية ۷/۱

جواب:- بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ قبلہ کی طرف تھوکنا خلاف ادب ہے:

" أن النبي ﷺ رأى نخامة في قبلة المسجد ، فحكها بحصاة ، و نهى أن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه ، و قال : يبصق عن يساره أو تحت قدمه اليسرى " (۱)

جہاں تک قبلہ کی طرف رخ کر کے وضو کرنے کی بات ہے تو اس کو تو فقہاء نے وضو کے آداب میں شمار کیا ہے۔(۲) اور ظاہر ہے کہ جب وضو کرے گا تو کلی کو بھی شامل ہوگا، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں، قبلہ کی طرف رخ کر کے غسل کرنا مکروہ تو نہیں، لیکن خلاف ادب ہے: "... فهو ترك أدب كمد الرجل إليها" (۳)

داڑھی میں خلال کا طریقہ

سوال:- اگر داڑھی گھنی ہو تو خلال کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

(احمد مرتضیٰ، وجے واڑہ)

جواب:- خلال کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی انگلیوں کو گلے کی طرف سے ٹھوری کے بال میں داخل کر کے اسے اوپر کی طرف لے جائے؛ تاکہ اچھی طرح بال کی جڑوں تک پانی پہونچ جائے، گویا ہاتھ دایاں ہو، خلال ہتھیلی کی طرف سے ہو اور گردن سے ٹھوڑی کی طرف ہو:

" والمتبادر فيه إدخال اليدين أسفل بحيث يكون

(۱) سنن نسائی ، عن أبي سعيد الخدري ﷺ، حديث : ۷۲۶، باب ذكر نهي النبي ﷺ عن أن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه وهو في صلاته ، كتاب المساجد

(۲) مراقي الفلاح مع الطحطاوي ، ص:۴۲

(۳) طحطاوي على المراقي ، ص:۴۹

كف اليد لداخل من جهة العنق ... الخ"(۱)

یہ طریقہ خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے رکھتے اور اس سے داڑھی کا خلال کرتے، آپ ﷺ نے اس عمل کے بعد یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے اس کا حکم دیا ہے:

"كان إذا توضأ أخذ كفا من ماء فأدخله تحت حنكه فخلل به لحيته وقال: هكذا أمرني ربي عز وجل"(۲)

کان کے سوراخ کا مسح

سوال:- وضو کرتے ہوئے کیا کان کے سوراخ میں بھی انگلی ڈالنی چاہئے؟ ایک بزرگ نے مجھے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ کان میں انگلی ڈالنے کی ضرورت نہیں، کان کے اوپر مسح کرلینا کافی ہے۔ (محمد مدثر، قاضی پورہ)

جواب:- کان کے سوراخ میں مسح کے درمیان انگلی کا پہنچانا ضروری تو نہیں ہے، کیوں کہ وہ ایک حد تک جسم کا اندرونی حصہ ہے اور وضو میں اعضاء کے ظاہری حصوں کا دھونا اور ان پر مسح کرنا مطلوب ہے، البتہ کان کے سوراخ میں انگلی داخل کرنے کا ثبوت حدیث سے ہے:

"... وأدخل أصابعه في صماخ أذنيه"(۳)

---

(۱) رد المحتار: ۲۳۹/۱

(۲) سنن أبي داؤد، عن أنس بن مالك، كتاب الطهارة، باب تخليل اللحية، حدیث نمبر: ۱۴۵

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حدیث نمبر: ۱۳۳

اس لئے امام ابو یوسفؒ نے اسے سنت قرار دیا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ منجملہ آداب کے ہے:

" وإدخال الإصبع في صماخ أذنه أدب ، وليس بسنة ، هو المشهور ، وعن أبي يوسف : أنه كان يرى ذلك سنة "(۱)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹی انگلی کو سوراخ میں داخل کر کے اسے حرکت دی جائے؛ تا کہ جہاں تک ممکن ہو مسح کی تراوٹ پہنچ جائے۔(۲)

بچی ہوئی تری سے سر کا مسح

سوال:- میں اکثر وضو کرتے ہوئے سر کے مسح کے لئے الگ سے پانی لیتا ہوں؛ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الگ سے پانی نہیں لیا؛ بلکہ ہاتھ دھونے کے بعد اسی پانی سے سر کا مسح کر لیا تو ہمارا وضو درست ہو گیا یا نہیں، بعض احباب کہتے ہیں کہ اس کے لئے الگ سے پانی لینا ضروری ہے؟ (نعمان بشار قاسمی، ٹولی چوکی)

جواب:- بہتر تو یہی ہے کہ آپ سر کے مسح کے لئے مستقل طور پر پانی لیں؛ کیوں کہ جیسے چہرہ کا دھونا اور ہاتھ کا دھونا وضو کے فرائض میں ہے، اسی طرح سر کا مسح ایک مستقل فریضہ ہے، تاہم اگر ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں پر تری موجود ہو اور اس سے سر کا مسح کر لیا تو یہ بھی کافی ہے، مسح کا فریضہ ادا ہو جائے گا؛ کیوں کہ مسح کے لئے تر ہاتھ کا پھیرنا کافی ہے:

"ولو كان في كفه بلل فمسح به رأسه أجزأه"(۳)

---

(۱) المحيط البرهاني: ۱/۱۷۷ (۲) حوالہ سابق

(۳) المحيط البرهاني: ۱/۱۶۶

سر میں مہندی لگا کر مسح

سوال:- مہندی سر میں لگا کر سو جائیں، فجر کے وقت شدید سردی کی وجہ سے سر دھونے میں تکلیف ہو تو کیا سر میں لگی ہوئی مہندی کے ساتھ وضو کر سکتے ہیں؟ (م، طاہر، ملک پیٹ)

جواب:- مہندی پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتی؛ اس لئے اگر ہاتھ کے ذریعہ بالوں کے اوپر موجود مہندی کے لیپ کو گرا دیا جائے اور سر کو دھوئے بغیر اس پر مسح کر لیا جائے تو وضو ہو جائے گا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کافی ہے، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے، (۱) اس لئے اگر بحیثیت مجموعی سر کے چوتھائی بال کا مسح ہو جاتا ہے تو یہ بھی فریضۂ مسح کی ادائیگی کے لئے کافی ہوگا۔ واللہ اعلم

وضو میں گردن پر مسح

سوال:- وضو میں گردن پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، جب کہ بہت سے لوگ گردن کا مسح کرتے ہیں، کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟

(غلام رسول خاں، مہدی پٹنم)

جواب:- حدیث کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ راوی نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح سر کا مسح کرتے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو گدی اور اس سے ملے ہوئے گردن کے آگے کے حصہ تک پہنچایا؛ (۲) اسی طرح علامہ زیلعی نے اپنی مشہور کتاب نصب الرایہ میں حضرت وائل بن حجر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر پر مسح فرماتے ہوئے گردن کے اوپری حصہ پر بھی مسح فرمایا، (۳) ان دونوں روایتوں سے گردن کے

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۰۰ (۲) ابو داؤد، حدیث نمبر: ۱۳۲

(۳) نصب الرایۃ: ۱/۸، بحوالہ مسند بزار

اوپری حصہ پر بھی مسح کا ثبوت ملتا ہے، اگرچہ ان روایتوں پر محدثین نے کلام کیا ہے؛ البتہ انہیں کسی نے بھی موضوع یعنی بالکل بے اصل قرار نہیں دیا ہے، یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہ نے شرح العمدۃ (۱) اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (۲) میں اسی حدیث سے گردن کے مسح کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے، جو روایتیں ضعیف ہوتی ہیں، ان سے استحباب کے درجہ کا حکم ثابت ہوسکتا ہے، اسی لئے عام طور پر فقہاء احناف نے گردن کے مسح کو مستحب کہا ہے، (۳) امام شافعی اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے، (۴) ؛ البتہ مالکیہ اس کو بدعت اور مکروہ قرار دیتے ہیں، (۵) —— لیکن جب کسی مسئلہ پر حدیث موجود ہو گو وہ قبولیت کے بہت اعلیٰ درجہ پر نہ ہو، تب بھی اسے بدعت اور مکروہ کہنا درست نظر نہیں آتا؛ اس لئے صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ گردن کا مسح کرنا مکروہ بھی نہیں اور مسنون بھی نہیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کی پابندی نہیں فرمائی ہے؛ البتہ مستحب ہے۔

گردن کا مسح اور حدیث

سوال:- گردن کا مسح کرنا سنت ہے یا بدعت؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنت ہے، اور بعض حضرات اسے بدعت قرار دیتے ہیں، براہ کرم حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(الف، ب، سلطی عیدی بازار)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور پانی والے ہاتھوں سے گردن پر مسح کیا قیامت کے دن وہ طوق عذاب سے محفوظ رہے گا، حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

---

(۱) شرح العمدۃ: ۱/۱۹۳ (۲) نیل الأوطار: ۱/ ۵۹

(۳) دیکھئے: البحر الرائق: ۱/۲۹، مراقی الفلاح: ص: ۳۸

(۴) دیکھئے: روضۃ الطالبین: ۱/۶۱، المحرر فی الفقه: ۱/۳

(۵) دیکھئے: مختصر خلیل: ۱/۱۴

" رواه أبو الحسن بن فارس بإسناده ، وقال : هذا إن شاء الله حديث صحيح " (۱)

اس لئے اس کو بدعت کہنا درست نہیں ؛ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی پابندی ثابت نہیں ؛ اس لئے اہل تحقیق کے نزدیک گردن کا مسح مستحب ہے نہ کہ مسنون ، مولانا ظفر احمد عثمانی کی یہی رائے ہے :

" دلت هذه الأحاديث على استحباب مسح الرقبة ، ولا يمكن القول بسنية لعدم نقل المواظبة " (۲)

بال کے جوڑے پر مسح

سوال :- عورتیں بعض دفعہ سر کے اوپر ، بیچ کے حصہ میں جوڑا باندھتی ہیں ، اگر وہ بال کھولے بغیر اس جوڑے پر مسح کریں تو کیا وضو ہو جائے گا ؟ (عبد الصمد ، ٹولی چوکی)

جواب :- وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے ، مسح کا تعلق اصل میں سر سے ہے نہ کہ بالوں سے ؛ لہٰذا بال کے اس حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے جو سر کے دائرہ میں واقع ہو ، جوڑا کھولنے کے بعد اگر بال اتنے بڑے ہوں کہ گردن اور اس کے نیچے آجائیں تو بال کے اس حصہ پر مسح کرنا کافی نہیں ۔

" فلا يصح مسح أعلى الذوائب المشدودة على الرأس ... بحيث لو أرخاها لكانت مسترسلة " (۳)

اوڑھنی پر مسح

سوال :- جو بہنیں حج و عمرہ کے لئے جاتی ہیں وہ حالت

(۱) التلخيص الحبير : ۱/۹۳ ، حدیث نمبر : ۹۸ ، سنن الوضوء
(۲) إعلاء السنن : ۱/۱۲۰ (۳) طحطاوي على مراقي الفلاح : ۳۳

احرام میں سر پر ایک خاص قسم کی اوڑھنی باندھ لیتی ہیں؛ تاکہ بال ٹوٹنے نہ پائیں، بعض خواتین اسی اوڑھنی کے اوپر سے سر کا مسح کر لیتی ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ سنا ہے کہ سعودی عرب کے علماء بھی اس کی اجازت دیتے ہیں۔ (شاذیہ تسکین، ملے پلی)

جو اب:- جن اعضاء پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر براہ راست مسح کرنا ضروری ہے، بالواسطہ مسح کرنا کافی نہیں، جیسے کوئی شخص ٹوپی پہنے ہوا ہو اور ٹوپی کے اوپر سے مسح کرلے تو کافی نہیں ہوگا، اس سے صرف دو صورتیں مستثنیٰ ہیں، ایک چرمی موزہ پر مسح کرنے کی مسافروں کے لئے تین دن ورات اور مقیم کے لئے ایک دن ورات کی اجازت، چاہے بلا عذر ہو، دوسرے: عذر کی وجہ سے زخم پر باندھی ہوئی پٹی پر مسح کرنے کی اجازت؛ اس لئے سر پر باندھے ہوئے کپڑے پر مسح کرنا کافی نہیں، کپڑا کھول کر احتیاط کے ساتھ بالوں پر مسح کرنا چاہئے؛ کیوں کہ قرآن میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے نہ کہ ٹوپی یا رومال پر "وامسحوا برؤسکم" (۱) فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"لا يجوز على عمامة وقلنسوة وبرقع وقفازين لعدم الحرج"(۲)

مروجہ موزوں پر مسح

سوال:- میں اور میری بہن و دیگر رشتہ دار بہنیں ایک دینی مدرسہ میں عالم کورس پڑھ رہے ہیں، بوقت ظہر مدرسہ میں نماز پڑھ کر اپنے اپنے مکان چلے جاتے ہیں، وضو کرتے وقت بعض لڑکیاں کپڑے کے موزے پہنے رہتی ہیں، بغیر پیر دھوئے اوپر سے مسح کر لیتی ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ (حافظہ امری بیگم، یاقوت پورہ)

---

(۱) المائدة:۲ (۲) الدر المختار مع رد المحتار:۱/۲۷۴

جواب:- کپڑوں کے مروجہ موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں، مسح ایسے موزے پر جائز ہے، جو یا تو خاص چمڑے کا ہو، یا اس کا نچلا حصہ چمڑے کا بنا ہوا ہو، یا ایسے موٹے گاڑھے اور مضبوط کپڑے یا کسی اور شئی کا موزہ ہو جو بغیر باندھے ہوئے پاؤں پر ٹھہر جائے اور پاؤں نظر نہ آئے

"والثخين الذي ليس مجلدا ولا منعلا بشرط أن يستمسك على الساق بلا رباط ولا يرى ما تحته، وعليه الفتوى" (۱)

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس موزے کو پہن کر کچھ دور پیدل چلنا ممکن ہو

"... ما يكون صالحا لقطع المسافة والمشي المتتابع عادة" (۲)

بلکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو پہن کر ایک فرسخ یعنی تین میل تک چل سکتے ہوں، (۳) —— نائلون کا جو موزہ آج کل مروج ہے، اس میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی، اس لئے کپڑے کے مروجہ موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں، موزہ نکال کر پاؤں کا دھونا ضروری ہے۔

اگر پٹی کا کھولنا دشوار ہو؟

سوال:- میرے ہاتھ پر زخم آگیا، خون بند کرنے کے لئے ڈاکٹر نے ایک ہی بنائی پٹی چپکا دی، اور خون رک گیا، اب پانی سے بھگو کر نکالنے کی کوشش کر رہی ہوں، لیکن پٹی نکل نہیں پارہی ہے، اگر اسے کھینچنے کی سعی کی جائے تو اندیشہ ہے کہ پٹی کے ساتھ خون نکلنے لگے گا اور زخم ہو جائے گا، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیں، چند دنوں میں خود بخود پٹی نکل جائے گی، ایسی صورت میں

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۳۲/۱　(۲) فتاوی قاضی خان: ۴۹/۱

(۳) دیکھئے: رد المحتار: ۲۴۸/۱

مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (آفتاب شیخ ممبئی)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ زخم پر دوا لگائی ہو، دوا کی وجہ سے چمڑے تک پانی نہیں پہنچ پائے اور دوا کے صاف کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے اوپر سے پانی کا بہادینا کافی ہے، یہ بھی اسی طرح کی صورت ہے، اس لئے پٹی کے اوپر سے پانی گذار دیں اور اس کو نکالنے کی طرف متوجہ رہیں، جب پٹا اپنی جگہ چھوڑ دے اور زخم پیدا کئے بغیر نکلنے کے لائق ہو جائے تو نکال دیں۔

وزن اٹھانے پر پیشاب کے قطرات آجائیں؟

سوال:- زید کا لڑکا ۱۸ رسال کا ہے، اسے چھینک آنے پر، کھانسی کرنے پر، وزن اٹھانے پر پیشاب کے قطرات نکل آتے ہیں، کیا وہ بغیر غسل کے نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟ (علاء الدین، ستاپلی)

جواب:- پیشاب کی وجہ سے وضوء واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل، ایسے لڑکے کو چاہئے کہ نماز سے پہلے یا قرآن چھونے سے پہلے وضوء کرلے، زبانی قرآن پڑھنے کے لئے وضوء کرنا ضروری نہیں، اگر پیشاب کے قطرات ہتھیلی کی گہرائی کے برابر پھیل گئے ہوں، تو کپڑے کے آلودہ حصہ کو بھی دھونا واجب ہوگا، اگر اس سے کم ہو تو واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔(۱)

فراغت کے بعد پیشاب کے قطرات آیا کرتے ہوں

سوال:- میری عمر 22 سال ہے، میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں جب بھی ضرورت سے فارغ ہوتا ہوں، اس کے تھوڑی دیر میں پیشاب کے 2 یا 3 قطرے نکل جاتے ہیں، یہ بیماری مجھے تقریباً ایک سال سے زیادہ عرصہ سے ہے، میں نے کئی مرتبہ

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۴۶

یونانی علاج بھی کروایا لیکن جب علاج کرواتا ہوں، کچھ فائدہ دکھائی دیتا ہے، اور کچھ دن بعد پھر سے ضرورت سے فارغ ہونے کے تھوڑی دیر بعد زور سے کھانسنے وغیرہ پر پیشاب کے قطرے نکل جاتے ہیں، اس بیماری سے مکمل شفاء پانے تک کیا مجھے ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد نماز کے لیے (Under Wear) بدلنا ہوگا، اور کیا جب بھی ضرورت سے فارغ ہوں، اس کے بعد نماز پڑھنا چاہیں تو (Under Wear) بدلنا ہوگا؟

(XYZ، میدک)

جواب:- اگر پیشاب سے فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد دو، تین قطرے نکلتے ہیں، تو ایسی صورت میں اہتمام کرنا چاہیے کہ ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اچھی طرح کھانس لیں، یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کریں کہ پیشاب کے رکے ہوئے قطرات نکل آئیں، ایسی صورت میں زیر جامہ بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بہر حال اگر پیشاب کے قطرات آجائیں، اور ان قطرات کے آنے میں ایسا تسلسل نہ ہو کہ ان سے بچتے ہوئے نماز پوری کی جاسکے، تو پھر ضروری ہے کہ قطرات کے آنے کے بعد نیا وضو کرے، اور اگر کپڑے پر ہتھیلی کی گہرائی سے زیادہ حصہ آلودہ ہو جائے تو انڈر ویئر بدل لینا، یا اس حصہ کو دھو لینا ضروری ہوگا، ہاں اگر نجاست ہتھیلی کی گہرائی سے کم مقدار میں ہو، یا اتنا معذور ہو کہ پیشاب کے قطرات سے بچتے ہوئے نماز پوری کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے اسی کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

"... لو غسله تنجس ثانياً قبل الفراغ من الصلاة جاز أن يغسله و إلا فلا" (۱)

---

(۱) البحر الرائق ۱/۳۷۳، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۱/۱۳۰

پیشاب کے قطرات کا شک

سوال:- میری عمر ستر سال سے زیادہ ہے، مجھے بار بار پیشاب ہوتا ہے اور پیشاب کے قطرات بھی آتے رہتے ہیں، بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وضوء کر چکے، اس سے پہلے استنجاء کیا تھا، وضوء کے بعد کپڑے پر تری نظر آتی ہے اور شبہ ہوتا ہے کہ شاید پیشاب کے قطرات ہوں، ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

(عارف حسین، نولی چوکی)

جواب:- آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے، اس کی تین مختلف صورتوں سے الگ الگ احکام متعلق ہیں، پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پیشاب کے قطرات اس تسلسل سے آتے ہوں کہ ان سے بچتے ہوئے وضوء کر کے نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، تب تو ایسا شخص شرعاً معذور ہے، جب نماز کا وقت شروع ہو، وضوء کر لے، نماز کا وقت ختم ہونے تک درمیان میں پیشاب کے قطرات آبھی جائیں تو وضوء باقی سمجھا جائے گا اور اس کے لئے نماز پڑھنا اور قرآن مجید چھونا وغیرہ جائز ہوگا، — دوسری صورت یہ ہے کہ اتنی زیادہ پیشاب کے قطرات نہیں آتے، البتہ کثرت سے پیشاب کے قطرہ کے بارے میں شبہ ہوتا رہتا ہے، ایسی صورت میں استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد شرمگاہ پر یا کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر لے، تاکہ وسوسہ نہ ہو، وضوء کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کی وجہ سے شک میں پڑنا چاہئے، — تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا شک پیدا ہوتا ہو، ایسی صورت میں دوبارہ وضوء کر لینا واجب ہے:

"رأى البلة بعد الوضوء سائلا من ذكره يعيد ، وإن كان يعرض كثيرا أو لا يعلم أنه بول أو ماء لا يلتفت إليه وينضح فرجه أو إزاره بالماء قطعا للوسوسة" (۱)

---

(۱) فتاوی بزازیہ: ۱۳/۱

دودھ پلانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال:- جیسے جسم سے پیشاب یا خون کے خارج ہونے کی وجہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، کیا بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے بھی وضوء ٹوٹ جائے گا؟ کئی بہنوں کے ذہن میں یہ سوال ہے، براہ کرم وضاحت کے ساتھ جواب دیں۔ (ام شیماء، یاقوت پورہ)

جواب:- وضوء ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو ناپاک ہوں اور جسم سے باہر نکلے، جیسے پیشاب، پائخانہ وغیرہ، یہی حکم خون، پیپ وغیرہ کے نکلنے کا بھی ہے: اس لئے اگر عورت کے پستان سے پیپ نکلے یا اندر زخم ہو گیا ہو اور اس سے پانی نکلے، تو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا:

" الدم والقيح والصديد وماء الجرح والنفطة وماء البشرة والثدي والعين والأذن لعلة سواء على الأصح "(۱)

دودھ ایک پاک چیز ہے اور بچے کے لئے حلال ہے: اس لئے دودھ پلانے سے وضوء واجب نہیں ہوتا، اگر اس کی وجہ سے وضوء واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے ضرور اس کا ذکر فرمایا ہوتا، یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ناک کے راستے سے بلغم نکلتا ہے یا آنکھ سے آنسو نکلتا ہے، کہ ان چیزوں کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹتی۔

معذور شخص کے وضو کرنے کا مسئلہ

سوال:- میرے ماموں کرسے نیچے معذور ہیں، خود سے اٹھ کر وضو کرنے کے لئے جا نہیں سکتے اور پانی کا استعمال نہیں

---

(۱) رد المحتار: ۱؍۲۵۱۰

کر سکتے ، گھر میں بعض دفعہ کوئی آدمی رہتا ہے تو وضو کرا دیتا ہے اور بعض دفعہ نہیں رہتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ بار بار لوگوں کو وضو کرانے کو کہیں تو لوگ گرانی محسوس کرتے ہیں، ایسی صورت میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا وہ صرف تیمم پر اکتفا کر سکتے ہیں؟

(عبید الرحمٰن، میسور)

جواب:- صحت اور بیماری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، کسی بھی انسان کو اپنی صحت کے بارے میں مطمئن نہیں ہونا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ صحت مند ہی رہے گا، ہر شخص کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آج اس کا بھائی جس عذر اور بیماری سے دوچار ہے کل وہ بھی اس میں مبتلا ہو سکتا ہے، پھر نماز جیسی عبادت میں مدد کرنا بجائے خود باعث اجر و ثواب ہے؛ اس لئے بیمار اور معذور کے متعلقین اور اہل خانہ کو چاہئے کہ اس کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کریں، بہتر سلوک کریں اور ان کی مدد کریں، انشاء اللہ اس طرح وہ بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا ملازم موجود ہو جس کی وہ اجرت ادا کرتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس سے وضو کرانے کا تقاضا کرے، اگر ملازم موجود نہ ہو تو کیا دوسرے لوگوں سے بھی اسے مطالبہ کرنا چاہئے؟ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کے لئے دوسروں سے وضو کرانے کا مطالبہ کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ وہ تیمم کر سکتا ہے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے لوگوں سے وضو کرانے کا مطالبہ کرنا چاہئے، اگر لوگ تعاون نہیں کریں تو پھر تیمم کر سکتا ہے:

" وفي المحيط : ولو وجد المريض من يوضؤه جاز له التيمم عند الإمام ، وعندهما لايجوز ، ولو كان له خادم أو اجير ، لايجوز له التيمم بالاتفاق " (۱)

(۱) مجمع الانہر: ۱/۳۸، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۱/۲۴۵

اس لئے آپ کے ماموں کو چاہئے کہ اگر اپنا کوئی ذاتی ملازم نہ ہو اور گھر میں ایسے لوگ ہوں، جو وضو کرانے میں تعاون کیا کرتے ہوں تو ان سے وضو کرانے کی خواہش کریں اور اگر ایسے لوگ ہوں جو تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے، یا بدمزاجی سے پیش آتے ہیں تو ان کے لئے گنجائش ہے کہ تیمم پر اکتفا کرلیں۔ واللہ علم

سوکھے ہوئے زخم کی تہہ کے اکھڑ جانے پر وضو کا حکم

سوال:- عام طور پر جب زخم سوکھتا ہے تو ایک خشک تہ چمڑے کے اوپر جم جاتی ہے، جو آہستہ آہستہ بار بار جسم کو دھونے یا اس کو اکھاڑنے سے نکل جاتی ہے، گر وضو کرنے کے بعد اس کو اکھاڑ دیا جائے تو کیا دوبارہ وضو کرنا ہوگا یا اس حصہ کو دھونا ضروری ہوگا؟ (نوراللہ، میر پیٹ)

جواب:- وضو اس وقت واجب ہوتا ہے، جب جسم کے اندر سے کوئی ناپاک چیز جسم کے باہر آجائے، خواہ فطری طور پر بنے ہوئے راستے سے آئے یا چمڑے کے پھٹ جانے کی وجہ سے آئے، جیسے خون نکل کر بہہ جائے؛ اس لئے اگر زخم کے بعد اس کا جما ہوا سوکھا حصہ باہر نکال لیا جائے یا خود اکھڑ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اور نہ اس کو دوبارہ دھونے کی ضرورت ہوگی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"کالدملة وعليه جلدة رقيقة ثم نزعها، لا يلزمه اعادة غسل على ما تحتها" (۱)

معدہ میں نلکی پہنچانے سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال:- میڈیکل ٹیسٹ کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ معدہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے اور گوشت کا کوئی ٹکڑا مزید تجزیہ کے لئے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۱/۲۱۷-۲۱۶

باہر نکالا جاتا ہے تو کیا اس طرح کے عمل سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

(حسنین احمد، ظہیرآباد)

جواب:- اگر نلکی نجاست کے حصہ تک پہنچ جائے اور نجاست سے آلودہ ہو کر واپس لوٹے یا خون نکل آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگر نلکی پر نجاست نہ لگی ہو، یا گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا نکالا ہو اور وہ نجاست سے آلودہ نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا؛ کیونکہ صرف گوشت کے ٹکڑے کا جسم سے الگ ہو جانا ناقض وضو نہیں ہے:

"فصار كما لو انفصل قطعة من اللحم فإنه لا ينقض" (۱)

اور منہ سے نکلنے والی چیز جب تک منہ بھر نہ ہو ناقض وضو نہیں ہوتی:

"لكن ما عليها قليل لا يملأ الفم فلا يكون حدثا" (۲)

خون چڑھانا اور وضو

سوال:- آج کل بہت سے مواقع پر ایک انسان سے دوسرے انسان کے اندر خون منتقل کیا جاتا ہے، اس صورت میں خون لینے اور دینے والے کا وضو باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے؟

(کلیم الدین احمد، حافظ بابا نگر)

جواب:- خون کا اتنی مقدار میں نکلنا یا نکالا جانا کہ وہ بہہ سکے، ناقض وضو ہے، یعنی اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا جس شخص کے بدن سے خون لیا گیا؛ تاکہ دوسرے کے جسم میں چڑھایا جائے، اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، جس کے جسم میں چڑھایا گیا ہے، اگر خون کے چڑھانے اور سیرنج چبھونے میں ایک دو قطرہ خون نکل آئے، تو اس کا بھی وضو ٹوٹ جائے گا، اگر خون نہیں نکلا، تو وضو نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ نجاست کے جسم سے نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نہ کہ جسم میں داخل ہونے کی وجہ سے۔

---

(۱) البحر الرائق: ۸۲/۱ (۲) کبیری: ۱۹۶

بلغم کے ساتھ خون کے اثرات

سوال:- میں نے ایک دن عشاء کی نماز پڑھی، اس سے پہلے میں نے دستی جس ناک صاف کیا تھا، نماز کے بعد دیکھا کہ دستی میں ناک کی آلودگی کے ساتھ خون کے اثرات بھی ہیں، گویا دستی ناپاک تھی، ایسی صورت میں وہ دستی جیب میں رکھ کر میں نے نماز پڑھی، یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ (محمد مجتبیٰ قاسمی، بنگلور)

جواب:- اگر دستی میں ہتھیلی کی گہرائی کے برابر خون نہیں تھا، بلکہ بلغم کے ساتھ خون کے کچھ اثرات تھے، تو اسے ناپاک نہیں سمجھا جائے گا، لہٰذا آپ کی نماز درست ہوگئی، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"إذا امتخط الرجل في ثوب و رأى فيه أثر الدم لا ينجسه ، لأن كل مالا يكون حدثا لا يكون نجسا"(۱)

کمر کے نیچے کا حصہ بے حس کردیا جائے تو وضو کا کیا حکم ہے؟

سوال:- بعض دفعہ علاج کے لئے کمر کے نیچے کا حصہ سن کردیا جاتا ہے، تاکہ جسم بے حس ہوجائے، اس طرح بعض ٹیسٹ اور علاج میں سہولت ہوتی ہے، ایسی صورت میں وضو کا کیا حکم ہے؟ (فضل الرحیم قاسمی، ممبئی)

جواب:- اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے جس سے انسان کی اپنی اعضاء پر گرفت باقی نہ رہے اور پیشاب، پاخانہ یا ہوا کے خروج کا احساس نہ ہو پائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نیند کو ناقض وضو قرار دیا ہے، نیند میں یہی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ایک حد تک آدمی کی قوت احساس معطل ہوجاتی ہے؛ اس لئے فقہاء نے بے ہوشی

(۱) خانیہ علی هامش الهندیہ :۱/۲۷

اور جنون کو بھی ناقض وضو قرار دیا ہے:

"الإغماء ینقض الوضوء و إن قل ، وفي الخانیة ...... و کذالك الجنون و الغشي وھو تعطیل القوی المتحرکة و الحساسة بضعف القلب و اجتماع الروح إلیه بسبب الخفة فلا یجد منفذا للرجوع" (۱)

لہٰذا اگر کسی کے کمر کے نیچے کا حصہ وقتی طور پر سُن کر دیا گیا ہو تو اس کا حکم معذور کا ہے، جب بھی نماز کا وقت شروع ہو، تازہ وضو کر لے، اور نماز ادا کرے۔

شہوت کے ساتھ رطوبت نکلنے پر وضوء

سوال:- شہوت کی لذت کے ساتھ جو پانی خارج ہوتا ہے، کیا اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟ (زید خان، حیدرآباد)

جواب:- اس خارج ہونے والے مادہ کو "مذی" کہتے ہیں، جو شہوت کے موقع پر جسم سے خارج ہوتا ہے، اور اس کے بعد فتور اور گراوٹ کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، یہ ناپاک ہے، اور اس سے صرف وضوء اور اس جگہ کو دھولینا واجب ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں یہی تعلیم دی ہے:

"ولا غسل في الودي و المذي ... و أما المذي ... فقال رسول الله ﷺ کل فحل یمذی ففیه الوضوء" (۲)

ٹی وی دیکھنے سے وضوء

سوال:- کیا ٹی وی دیکھنا ناقض وضوء ہے؟

(نوید عزیز، نالندہ)

---

(۱) تاتارخانیہ: ۱/۲۳۷، نیز دیکھئے: ہندیہ: ۱/۱۲

(۲) بدائع الصنائع: ۱/۱۳۹

جواب:- جسم کے کسی حصہ سے کسی نجاست کا نکلنا، یا پیشاب و پائخانہ کے مقام سے کسی بھی چیز کا نکلنا، نقض وضوء ہے، محض کسی خراب چیز کو دیکھنے کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹتی، جب تک کہ کوئی چیز جسم سے خارج نہ ہو، اس لئے ٹی وی، اور تصویریں — خواہ فحش ہوں — کے دیکھنے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، ہاں! وضوء کے اندر گناہوں کے کفارہ ہونے کی صلاحیت ہے، اس نیت سے وضو کر لینا مناسب ہوگا۔

اونٹ کا گوشت کھانے پر وضوء

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

(محمد اسلم بن بادم، خلوت)

جواب:- بعض احادیث میں اونٹ کے گوشت کے کھانے پر وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے،(۱) لیکن وضو کا لفظ عربی زبان میں صرف ہاتھ، منہ دھونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چوں کہ اونٹ کے گوشت میں چکناہٹ اور ایک طرح کی بو پائی جاتی ہے، اس لئے دوسری احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے اس حدیث میں وضو سے ہاتھ، منہ دھونے کا معنی مراد لیا ہے:

" المراد منه غسل اليدين و الفم لما في لحم الإبل من رائحة كريهة و سودمة غليظة بخلاف لحم الغنم " (۲)

نواقض وضوء

سوال:- وضو کن کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟ وضاحت فرمایئے۔

(محمد عقیل احمد، پرکاش نگر)

---

(۱) ترمذی، أبواب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۱

(۲) مرقاة: ۱/۳۳۲

جواب:- وضوء بنیادی طور پر تین چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے: اول، یہ کہ جسم کے کسی حصہ سے کوئی ناپاک چیز باہر نکلے، خواہ پیشاب ہو یا خون نکل کر بہہ جائے، یا پیٹ کی طرف سے منہ بھر قئے ہو، دوسرے: پیچھے کے راستہ سے کوئی بھی چیز نکلے، تیسرے: نماز کی حالت میں — سوائے نماز جنازہ کے — کوئی شخص قہقہہ لگا کر ہنس دے،(۱) —— ان تین صورتوں میں وضوء کو توڑنے والی تمام وجوہ شامل ہیں۔

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو کے بعد بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا چاہئے، کیا یہ درست ہے؟ اور قرآن وحدیث سے کیا یہ مسئلہ ثابت ہے؟ (نسیم احمد، ملک پیٹ)

جواب:- جی ہاں! فقہاء نے لکھا ہے کہ وضو کے بعد بچے ہوئے پانی کو قبلہ رخ کھڑے ہو کر پینا چاہئے۔ وأن يشرب فضل وضوئه مستقبلا قائما (۲) چنانچہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے وضو فرمایا، وضو سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا اور فرمایا: میں چاہتا تھا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ دکھاؤں۔ (۳)

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی

سوال:- کیا وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا چاہئے؟ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر اور قبلہ رخ ہو کر پیا جاتا ہے تو کیا بیٹھ کر یا قبلہ رخ ہوئے بغیر زمزم پینا درست ہے؟ (جمیل احمد، باکارم)

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۱/۲۶۰-اور اس کے بعد

(۲) البحر الرائق: ۱/۵۶، نیز دیکھئے: درر الحکام: ۱/۱۲

(۳) دیکھئے: ترمذی: ۱/۷، نسائی: ۱/۱۷

جواب:- فقہاء نے زمزم کی طرح وضو کے بچے ہوئے پانی کے لئے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ کھڑے ہوکر یا قبلہ رخ ہوکر پیا جائے؛ لیکن زمزم یا وضو کے بچے ہوئے پانی کو بیٹھ کر پی لینے میں بھی کوئی حرج نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" وأن يشرب بعده من فضل وضوئه كماء زمزم مستقبل القبلة قائما أو قاعدا " (۱)

گھر سے وضو کر کے مسجد جانا

سوال:- میرا مکان مسجد کے قریب ہے، با جماعت نماز ادا کرنے کے لیے گھر سے جاتے وقت کبھی گھر پر ہی وضو کر کے مسجد جاتا ہوں، بعض اوقات مسجد میں جا کر وضو کر لیتا ہوں، مسجد میں وضو کے لیے سہولت ہے، پانی کا انتظام اچھا ہے، مسجد میں میرے وضو کرنے سے کسی کو تکلیف یا زحمت واعتراض نہیں ہے؛ لیکن میرے ایک دوست کا اصرار ہے کہ میں گھر سے ہی وضو کر کے مسجد آؤں، مسجد میں آکر وضو نہ کروں، میری نیت یہ ہوتی ہے کہ تازہ وضو کے ساتھ نماز ادا کروں، میرے لیے کون سا طریقہ مناسب ہوگا، وضو گھر پر کروں یا مسجد میں؟ (فقیر احمد، گلبرگہ)

جواب:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس نے وضو کیا اور بہتر طور پر وضو کیا، پھر نماز کے ارادہ سے نکلا، تو جب تک وہ اس ارادہ پر قائم ہے، نماز ہی کی حالت میں ہے، اور اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے، پھر اگر تم میں سے کوئی اقامت کی آواز سنے تو دوڑے نہیں، تم میں سے جس کا گھر جتنا دور ہے وہ اتنا ہی

---

(۱) ردالمحتار علی هامش الدر: ۱/۲۳۵۔

زیادہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے، لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: قدموں کی کثرت کی وجہ سے۔(۱) ——اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے کہ یہاں وضو کر کے نکلنے سے مراد گھر سے نکلنا ہے، البذا یہ حدیث بتاتی ہے کہ گھر سے وضو کر کے نکلنا افضل ہے: "و فيه دلالة على فضل الوضوء قبل الخروج "(۲) ——جب آپ نے نماز ادا کرنے کے لیے وضو کیا تو جب تک اس سے نماز ادا نہیں کر لیا، یا نماز کا وقت نہیں گذر گیا، وہ تازہ وضو ہی سمجھا جائے گا۔

بجلی کی چوری اور وضوء و نماز

سوال:- آج کل بجلی کی چوری بہت ہوگئی ہے، گھروں میں یہاں تک کہ بعض مسجدوں میں بھی میٹر کو وائر لگا کر موٹر سے پانی بھرتے ہیں، کیا ایسے پانی سے وضوء جائز ہوگا اور اس وضوء سے نماز درست ہوگی؟ (حسنی افروز، میدک)

جواب:- بجلی کی چوری بھی چوری ہی ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے، میرے علم کے مطابق مسجدوں میں عموماً بجلی کی چوری سے احتیاط برتی جاتی ہے، یہ احتیاط مسجد کے ساتھ ساتھ گھر میں بھی ہونی چاہئے؛ تاہم جو پانی بجلی کے ذریعہ اوپر چڑھایا گیا، اس سے وضو کرنا اور پھر اس وضوء سے نماز ادا کرنا درست ہے، بعض افعال خود گناہ ہوتے ہیں؛ لیکن دوسرے افعال کو متاثر نہیں کرتے، جیسے غصب کی ہوئی جگہ کا استعمال گناہ ہے؛ لیکن اگر ایسی زمین پر نماز پڑھ لی جائے تو ادا ہو جائے گی، اسی طرح غصب کی ہوئی چھری سے کام لینا گناہ کا باعث ہے؛ لیکن اگر اس سے جانور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہوگا، اسی طرح چوری کی ہوئی بجلی سے پانی چڑھانا گناہ ہے؛ لیکن وضو کر لیا جائے تو وضوء درست ہو جائے گا۔

---

(۱) مؤطا امام محمد: ۱/۱۸۵، حدیث نمبر: ۸، نیز دیکھئے: مؤطا امام مالک: ۱/۷۷، حدیث نمبر: ۶۱

(۲) التعليق الممجد على مؤطا إمام محمد: ۱/۱۸۶، ط: دمشق

بغیر وضوء کے اذان

سوال:- ہمارے محلے کی مسجد میں وقت ہوجانے کی وجہ سے مؤذن صاحب نے آتے ہی اذان دیدی، بعد میں وضوء کیا، اس طرح بے وضوء اذان دینے پر مسجد کے ایک مصلی کو سخت اعتراض ہے ان کا اصرار تھا کہ دوبارہ اذان دی جائے، اور مؤذن صاحب کا کہنا تھا کہ بے وضوء اذان دی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ کیا بغیر وضوء کے اذان دی جاسکتی ہے؟ (حمید الدین، گنٹور)

جواب:- اذان بھی ایک عبادت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نماز کی دعوت بھی ہے؛ اس لئے باوضوء اذان دینا چاہئے، بغیر وضوء کے اذان دینا مکروہ ہے، لیکن اگر اذان دیدے، تو سنت اذان ادا ہوجاتی ہے، اذان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں:

"وثلثة لا يعاد أذانهم : المحدث في ظاهر الرواية إلخ"(۱)

نیز ہدایہ میں ہے:

"وينبغي أن يؤذن ويقيم على طهر ، فإن أذن على غير وضوء جاز ؛ لأنه ذكر وليس بصلاة وكان الوضوء فيه استحبابا" (۲)

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں اذان کی سنت ادا ہوگئی، البتہ مؤذن صاحب کو آئندہ اس میں احتیاط کرنی چاہئے۔

بلا وضوء اذان دینے کا معمول

سوال:- ہماری مسجد کے مؤذن صاحب چھ سالوں سے

---

(۱) فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندية ۷۷/۱

(۲) ہدایہ ۹۰/۱، باب الاذان

اذان اور مسجد کے دیگر کاموں کی ذمہ داری پر ہیں، مسجد کی صفائی کرنے کی وجہ سے ان کے کپڑے گرد آلود ہوتے ہیں، کبھی کبھی عصر کی اذان گہری نیند سے اٹھ کر بغیر وضوء دے دیتے ہیں، جمعہ کے روز بھی اذان کہہ کر غسل کرنے جاتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (محمد عبداللہ، مقام غیر مذکور)

جواب:– اگر بغیر وضوء کے اذان دے دی جائے تو گو ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں؛ لیکن اذان درست ہو جاتی ہے، اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں:

"قال محمد في مؤذن أذن على غير وضوء وأقام: أجزأه ولا يعيد" (۱)

لیکن جو طریقہ مکروہ یا سنت کے خلاف ہو، اس کا معمول نہیں بنانا چاہئے، امام صاحب کو چاہئے کہ اس کا لحاظ کریں؛ البتہ آپ کے سوال میں دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ امام اور مؤذن سے وہی ذمہ داریاں متعلق کرنی چاہئیں، جو ان کے شایان شان ہو، ہر طرح کی ذمہ داریاں متعلق کر دی جائیں، تو اس سے اصل فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی پیدا ہو جانا فطری بات ہے، اسی طرح کپڑوں کے گرد آلود رہنے میں ان کا کوئی قصور نہیں، ایسے امور کے سلسلہ میں عام مسلمانوں کو مسجد کی انتظامیہ کو توجہ دلانی چاہئے، اور مسجد کا ایسا تعاون بھی کرنا چاہئے کہ دینی خدمت گزاروں کے مقام و مرتبہ کا لحاظ باقی رہ سکے، امام و مؤذن کی غلطیوں کو تلاش کرنا اور اپنے آپ کا محاسبہ نہیں کرنا یقیناً زیادتی ہے۔

بغیر طہارت کے اوراد واذکار پڑھنا

سوال:– شوگر کا مریض ہونے کی وجہ سے بار بار پیشاب آتا ہے، جس کی وجہ سے اکثر بے طہارت اور بے وضوء ہو جاتا

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیہ ۵۱۹/۱

ہوں، اس حالت میں کیا زبان سے درود شریف کا یا مختصر سورتیں جو
یاد ہیں، ان کا ورد کر سکتے ہیں؟ (سید آصف علی، گولکنڈہ)

جواب:- نماز پڑھنے یا قرآن کو ہاتھ میں لینے کے لئے باوضو ہونا اور ظاہری نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے، درود شریف، قرآن مجید کی زبانی تلاوت اور اوراد و اذکار کے لئے یہ ضروری نہیں، تو ممکن کہ ایسی حالت میں جب کہ آپ معذور بھی ہیں؛ اس لئے آپ اس حالت میں بھی اوراد و اذکار پڑھ سکتے ہیں اور درود شریف اور زبانی تلاوت قرآن مجید کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

دینی کتابوں کو بلا وضو چھونا

سوال:- ہم لوگ مختلف دینی کتابوں کا اجتماعی طور پر مطالعہ کرتے ہیں، ہم میں سے ایک شخص کتاب پڑھتا ہے اور بقیہ لوگ اسے سنتے ہیں، بعض دفعہ پڑھنے والے اور سننے والے بے وضو بھی رہتے ہیں، تو قرآن مجید کے علاوہ دوسری دینی کتابوں کے پڑھنے اور چھونے کے لئے بھی باوضو ہونا ضروری ہے؟ اس پر ہمارے احباب میں اکثر گفتگو ہوتی رہتی ہے، صحیح حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟
(سمیع الدین، رائے چوٹی)

جواب:- قرآن مجید چونکہ بہ کمال وتمام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کا ایک ایک حرف باری تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ اس لیے اس کی خاص اہمیت وفضیلت ہے اور اس میں کوئی اور کتاب اس کی شریک وسہیم نہیں؛ اس لیے اس کی تعظیم وتوقیر بھی اعلیٰ درجہ کی واجب ہے؛ چنانچہ جس شخص پر غسل واجب ہو، اس کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی بھی ممانعت ہے اور جس کو وضو کی ضرورت ہے اس کے لیے قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کی تو اجازت ہے؛ لیکن بغیر وضو کیے ہوئے چھونا درست نہیں، دوسرے شرعی علوم کی کتابوں کو بغیر یا کی کے پڑھ بھی جا

سکتا ہے اور چھوا بھی جا سکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جہاں آیات قرآنی کا اقتباس ہو، وہاں پر ہاتھ نہ لگایا جائے، لیکن بہتر ہے کہ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، سیرت وغیرہ کی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لیے بھی وضو کر لیا جائے:

"والقسم الثالث وضوء مندوب في أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية" (۱)

"نحو الفقه والحديث والعقائد فيتطهر لها تعظيما" (۲)

کمر کا نچلا حصہ سُن کر دینا ناقض وضو ہے

سوال:- آج کل علاج کی بعض صورتوں میں جسم کو سُن کر دیا جاتا ہے، تو اگر کمر میں انجکشن لگایا جائے جس سے کمر کے نیچے کا حصہ سُن ہو جائے تو کیا اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

(اکرام الحق، یاقوت پورہ)

جواب:- نیند کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں انسان کی اپنے اعضاء پر گرفت باقی نہیں رہتی اور اعضاء جسم ڈھیلے پڑ جاتے ہیں خود حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے، (۳) اسی بنیاد پر فقہاء نے بیہوشی کو بھی ناقض وضو قرار دیا ہے، (۴) اگر کمر کے نیچے کا حصہ سُن ہو جائے تو اس میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے اور خروج ریح کا کوئی احساس نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ صورت بھی ناقض وضو ہے۔

---

(۱) مراقی الفلاح ص: ۸۳ (۲) حاشیہ طحطاوی: ۴۴

(۳) ابوداؤد: ۲۷/۱ (۴) ہدایہ: ۲۵/۱

غسل کا بیان

غسل واجب ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

سوال:- میرے دوست کو جریان کا مرض ہے، ایک قطرہ منی بھی نکلے تو آدھا جسم دھو کر نماز پڑھتے ہیں، کیا یہ کافی ہے، یا پورے بدن کا غسل کرنا ضروری ہے؟ (نام غیر مذکور)

جواب:- غسل اس وقت واجب ہوتا ہے، جب منی شہوت اور ایک گونہ اچھلنے کی کیفیت کے ساتھ جسم سے خارج ہو، اگر یہ کیفیت نہ ہو؛ بلکہ غیر ارادی طور پر مادۂ منویہ خارج ہو جاتا ہو، جیسا کہ بیماری میں ہوا کرتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا، اسی طرح اگر پیشاب کے ساتھ مادۂ منویہ نکلے، تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس وقت انتشار اور ایستادگی کی کیفیت پائی جائے، اگر یہ کیفیت نہیں پائی جائے اور عام طرح کی کیفیت ہو تو صرف وضوء واجب ہوگا، غسل واجب نہیں ہوگا؛ (۱) البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جب غسل واجب ہو تو پورے بدن کا غسل واجب ہوتا ہے نہ کہ آدھے جسم کا؛ لہٰذا غسل واجب ہونے کے بعد صرف کمر سے دھونے پر اکتفاء کرنا درست نہیں، یا تو پورے جسم کو دھونا چاہئے اور اگر اس سے معذور ہو تو شرمگاہ کا حصہ دھو کر تیمم کر لینا چاہئے، نیز کپڑے کے جس حصہ میں نجاست لگ گئی ہو، اس کو بھی دھونا واجب ہے۔

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۴

غسل کے بعد وضو

سوال:- اگر غسل کرلیا جائے اور غسل کرنے کے بعد پیشاب وغیرہ کی نوبت نہیں آئے تو کیا نماز پڑھنے کے لئے پھر بھی وضو کرنا ضروری ہے؟ میں ایسا ہی سمجھتا تھا؛ لیکن مجھے ایک امام صاحب نے بتایا کہ یہی غسل کافی ہو جائے گا، اب دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔ (خواجہ بدر الدین، ملک پیٹ)

جواب:- غسل کرنے میں انسان کے اعضاء وضو بھی دھل جاتے ہیں اور مقصود یہی ہے کہ یہ اعضاء دھل جائیں؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے،(۱) —— اس لئے غسل کے بعد وضو کرنا نہ واجب ہے اور نہ مسنون۔

غسل کرنے کا مسنون طریقہ

سوال:- غسل کرنے میں نیت کے بعد تمام جسم اور کپڑوں کو اچھی طرح تر کرلیا جائے اور غلاظت وغیرہ پانی سے دور کرلی جائے، کیا اس طرح غسل ہوگیا؟ یا تمام جسم اور کپڑوں کو اچھی طرح تر کرنے کے بعد وضو کیا جائے، پھر سیدھے اور بائیں کندھوں سے تین بار پانی بہایا جائے اور اخیر میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا جائے، ان دو طریقوں میں سے کونسا طریقہ درست ہے؟

(ب) غسل کے وقت جسم پر کپڑے کا ہونا ضروری ہے یا

---

(۱) ترمذی، أبواب الطهارة، باب ماجاء في الوضوء بعد الغسل، حدیث نمبر: ۱۰۷، نیز دیکھئے: ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب في الوضوء بعد الغسل، حدیث نمبر: ۵۷۹، أبوداؤد، كتاب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، حدیث نمبر: ۲۵۰

بغیر کپڑے کے بھی غسل ہو جاتا ہے؟

(محمد خلیل الرحمن، نائب صدر حج سوسائٹی محبوب نگر)

حوالب:- غسل میں یہ بات ضروری ہے کہ اگر جسم پر نجاست لگی ہو تو اسے دور کر لیا جائے اور پورے جسم کو دھولیا جائے؛ لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کیا جائے، اگر غسل خانہ میں پانی جمع نہ رہتا ہو تو وضو کے ساتھ ہی پاؤں بھی دھولیا جائے، پھر شرمگاہ دھوئی جائے خواہ نجاست ہو یا نہ ہو، اس کے بعد تین دفعہ دائیں کندھے پر پھر تین دفعہ بائیں کندھے پر اور اس کے بعد تین دفعہ سر کو شامل کرتے ہوئے پورے جسم پر پانی بہایا جائے، نہ بہت زیادہ پانی خرچ کریں نہ بہت کم پانی استعمال کریں، پہلی دفعہ پانی ڈالنے کے بعد جسم ملے اور اس کا خیال رکھے کہ غسل کے وقت رخ قبلہ کی طرف نہ رہے، اگر ایسی جگہ غسل کر رہا ہو، جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد اخیر میں ٹخنوں تک پاؤں دھوئے۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ذکر کی ہوئی دونوں ہی صورتیں درست ہیں؛ البتہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔

(ب) یہ بات واضح ہے کہ ستر کا خیال رکھا جائے؛ لہٰذا اگر ایسی جگہ پر غسل کر رہا ہو جہاں لوگوں کی نظر پڑ سکتی ہو تب تو حصۂ ستر پر کپڑا رکھنا واجب ہے، اور اگر بند غسل خانہ میں غسل کر رہا ہو، تب بھی بہتر ہے کہ شرمگاہ کے حصہ پر کپڑا رکھے، بالکل بے لباس نہ ہو جائے، تاہم یہ واجب نہیں، اگر بے لباس حالت میں غسل کر لے، تب بھی غسل ہو جائے گا اور گنہگار نہیں ہوگا۔

غسل میں جسم پر پانی ڈالنے کی ترتیب

سوال:- آپ نے عرصہ پہلے غسل سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ ” پہلے دائیں کندھے پر پانی ڈالا جائے،

(۱) ہندیہ: ۱/۱۴

پھر بائیں حصہ پر،اس کے بعد سر پر" اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر
دائیں بائیں حصہ کو دھو چکا ہو اور اخیر میں سر سے پانی ڈالے تو پھر سر
کا میل و کچیل جسم پر پڑ سکتا ہے؛ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ پہلے سر پر
پانی ڈالا جائے، پھر دائیں اور بائیں کاندھے پر؟

(عبدالرحیم قریشی، بہ پلی)

جواب:- فقہاء حنفیہ کے یہاں عام طور پر وہی طریقہ لکھا گیا ہے، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، یعنی "پہلے دایاں پہلو، پھر بایاں، پھر سر، پھر پورے بدن پر":

" ثم يفيض الماء على كل بدنه ثلاثا مستوعبا من
الماء ، بادئا بمنكبه الأيمن، ثم الأيسر ، ثم برأسه ،
ثم على بقية بدنه مع دلكه ندبا " (۱)

لیکن فقہاء احناف سے ایک اور قول یہ بھی منقول ہے کہ پہلے سر پر پانی بہائے، پھر دائیں حصہ پر، اور اس کے بعد بائیں حصہ پر:

" ونصوا على أنه يسن أن يبتدئ في حال صب الماء
برأسه ، ثم على ميامنه ، ثم على مياسره " (۲)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی پہلے سر پر پانی بہاتے تھے، پھر پورے بدن پر:

"كان النبي ﷺ يأخذ ثلاثة أكف ويفيضها على
رأسه ، ثم يفيض على سائر جسده " (۳)

اس لئے یہ نقطۂ نظر زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سر پر پانی بہایا جائے، پھر جسم پر دائیں اور بائیں، یہ تفصیل سنت کی ادائیگی کے لحاظ سے ہے، فرض کی ادائیگی کے لئے تو مطلق پورے جسم پر پانی کا بہا دینا کافی ہے۔

(۱) رد المحتار : ۱/۲۹۵ (۲) الموسوعة الفقهية : ۳۱/۲۱۶
(۳) بخاری ، باب من أفاض على رأسه ثلاثا ، حدیث نمبر : ۲۵۶

طبی آلات ڈالنے کی وجہ سے غسل

سوال:- بہت سی دفعہ خواتین کے امراض رحم کی تشخیص کے لئے ڈاکٹر کو طبی آلات یا خود اپنی انگلی عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنی پڑتی ہے، کیا اگر کسی مریضہ کا اس طور پر ٹسٹ کیا گیا ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہو جائے گا؟ (ڈاکٹر شہناز خیر، ٹولی چوکی)

جواب:- غسل صرف صنفی اعضاء میں کسی چیز کے داخل کرنے سے واجب نہیں ہوتا؛ بلکہ دو صورتوں میں واجب ہوتا ہے، یا تو مرد و عورت کے درمیان تعلق قائم ہو، یا شہوت کے ساتھ مادۂ منویہ کا خروج ہوا ہو، یہ دونوں شکلیں وہ ہیں جن میں مرد و عورت لذت حاصل کرتے ہیں، اگر طبی آلات وغیرہ عورت کے رحم میں داخل کئے گئے لیکن اس سے اس درجہ کی شہوت پیدا نہیں ہوئی کہ مادۂ منویہ کا خروج ہو جائے تو پھر اس کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوگا۔

"لا مني أو ودي وإدخال أصبع ونحوه في الدبر أو القبل على المختار" (۱)

طہارت خانہ میں غسل

سوال:- کیا طہارت خانہ میں غسل کیا جاسکتا ہے؟ ایک عالم صاحب سے سنا ہے کہ طہارت خانہ میں غسل کرنا ممنوع ہے۔

(محمد شعیب، نظام آباد)

جواب:- غالباً طہارت خانہ سے آپ کی مراد بیت الخلاء اور پیشاب خانہ ہے، ان مقامات پر غسل کرنے کی صورت میں اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید نجاست کی چھینٹیں غسل کرنے والے کے جسم پر پڑ جائیں؛ اس لئے عالم صاحب نے منع کیا ہوگا، اس لئے جہاں الگ غسل

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳۰۴

کرنے کی سہولت ہو، وہاں طہارت خانوں میں غسل نہیں کرنا چاہئے؛ البتہ اگر طہارت خانہ کشادہ ہو، اس کے ایک حصے میں غسل کیا جاسکتا ہو اور اس کا اندیشہ نہ ہو کہ غسل سے جو پانی گرے گا، اس کی چھینٹیں نجاست والے رکن جسم کی طرف واپس آسکتی ہیں، تو بوقت ضرورت طہارت خانوں میں بھی غسل کیا جاسکتا ہے، حرمین شریفین میں اکثر اوقات اسی طرح غسل کرنا پڑتا ہے۔

بغیر صابن کے غسل

سوال: کیا غسل کرنے میں صابن لگانا ضروری ہے؟ اگر بغیر صابن کے غسل کرلیں تو کیا اس سے نماز پڑھنا و قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہوگا؟ (محمد عارف، شاہ جہاں نگر)

جواب: غسل نام ہے پورے جسم پر پانی بہانے کا؛ اس لئے غسل کے درست ہونے کے لئے صابن لگانا ضروری نہیں، پانی کا بہہ دینا کافی ہے، احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے غسل کی جو کیفیت منقول ہے، اس میں عام طور پر صرف پانی ڈالنے ہی کا ذکر ہے، صابن تو مزید صفائی کے لئے لگایا جاتا ہے، اس کا لگانا بہتر ہے؛ لیکن یہ نظافت کے لئے ہے، طہارت (پاک ہونا) — جو شرعاً واجب ہے — کے لئے ضروری نہیں۔

بدخوابی کی وجہ سے غسل

سوال: اگر کوئی نوجوان لڑکا یا لڑکی خواب میں صحبت کے مناظر دیکھے اور اس سے لذت بھی محسوس کرے، تو ایسی صورت میں ان پر غسل لازم ہوگا یا نہیں؟

(قادری ایم ایس خان، جدید ملک پیٹ)

جواب: جو صورت آپ نے لکھی ہے، اگر اس میں انزال بھی ہوجائے، خواہ اسے محسوس کرلیا جائے یا کپڑوں پر اس کے آثار سے اندازہ ہوجائے، تب غسل واجب ہوگا،

صرف خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا:

"منها الجنابة : وهي تثبت بسببين ، أحدهما خروج المني على وجه الدفق والشهوة من غير إيلاج باللمس أو النظر أو الاحتلام أو الاستمناء ... من الرجل والمرأة في النوم واليقظة" (۱)

اگر احتلام کا وقت معلوم نہ ہو؟

سوال:- کل میں نے فجر کی نماز ادا کرلی ، نماز سے فارغ ہوکر دوسرے کاموں میں لگ گیا اور دفتر چلا گیا ظہر کے وقت جب وضوء سے پہلے استنجاء کے لئے حمام میں داخل ہوا تو اپنے پاجامہ پر دھبہ نظر آیا ، جو بظاہر احتلام ہی کا ہوسکتا ہے ، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (حمید اللہ ، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- بظاہر کپڑے پر دھبہ کا پایا جانا بد خوابی و احتلام کی علامت ہے ، کم سے کم اس سے غالب گمان تو پیدا ہو ہی جاتا ہے اور شریعت میں احکام کی بنیاد گمان غالب پر بھی ہے ؛ اس لئے آپ پر غسل کرنا واجب ہے ؛ چوں کہ یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ احتلام کی نوبت کب آئی ؟ اس لئے فقہاء نے ظاہری قرائن کو سامنے رکھتے ہوئے کہا ہے کہ دھبہ دیکھنے سے پہلے آخری بار جب وہ سویا ہو ، سمجھا جائے گا کہ اسی وقت اس کو غسل کی ضرورت پیش آئی ؛ لہٰذا صرف آج کی نماز ظہر آپ کو لوٹانی ہوگی۔

"وروى هشام عن محمد : فيمن رأى في ثوبه أثر المني قال : يعيد الصلاة من أقرب نومة إليه" (۲)

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری : ۱/۱۴

(۲) تاتارخانية ۱/۶۸۵

جنابت کی حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا

سوال:- کیا بیمار پر دم کرنے کے لئے حائضہ عورت اور جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو، وہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرسکتا ہے؟ (عبدالمجیب، مغل پورہ)

جواب:- سورۂ فاتحہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ قرآن مجید کی تلاوت ہے، دوسرے: اس کی حیثیت دعاء کی بھی ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جس آدمی پر غسل واجب ہو، وہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرسکتا؛ لیکن دعاء کرسکتا ہے، اس لحاظ سے فقہاء نے اجازت دی ہے کہ بطور دعاء کے جنابت کی حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے:

"الجنب إذا قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء لا بأس به ، و ذكر في غاية البيان : أنه المختار" (۱)

غسل کرتے وقت درود شریف

سوال:- میں حمام میں تھا اور غسل کر رہا تھا، جسم پر کپڑے برابر نہیں تھے کہ اس دوران مسجد میں اذان شروع ہوگئی، جب "أشهد أن محمداً رسول الله" مؤذن نے کہا تو بے ساختہ زبان پر درود شریف آگیا، بعد میں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ ایسی حالت میں میں نے حضور پاک ﷺ کا مبارک نام لیا، اس کا کفارہ کیا ہوگا اور کن جگہوں پر آپ پر درود شریف پڑھنا درست نہیں؟ (سمیع اللہ، گولکنڈہ)

جواب:- درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے لئے دعا کی جاتی ہے اور دعا اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ دونوں نہایت ہی

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۷

قابل احترام ہیں؛ اس لئے ایسے مواقع پر درود نہیں پڑھنا چاہئے؛ کیونکہ یہ تقاضۂ احترام کے منافی ہے، فقہاء نے سات مواقع پر درود شریف پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں ایک موقع "قضاء حاجت" کا ہے اور دوسرا موقع بیوی کے ساتھ ہم آغوش ہونے کا ہے۔

"تكره الصلاة عليه في سبعة مواضع: الجماع، وحاجة الإنسان ..." (۱)

اس میں گو غسل کی حالت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن قضاء حاجت اور بیوی سے قربت کی حالت پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ غسل کرتے وقت بھی ستر کا لحاظ نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے اس حالت میں بھی زبان سے درود شریف پڑھنا درست نہیں؛ البتہ اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں؛ چونکہ آپ نے بلا ارادہ پڑھا ہے؛ اس لئے یہ گناہ نہیں اور کفارہ تو گناہ پر واجب ہوتا ہے، اور اگر کسی نے قصداً پڑھا ہو؛ لیکن اسماء مبارکہ کی اہانت کا ارادہ نہ ہو تو گناہ ہوگا، اس پر کوئی مالی کفارہ تو واجب نہیں، البتہ استغفار و توبہ کرنا واجب ہوگا، اگر اہانت کی غرض سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام خدانخواستہ کوئی شخص لے تو یہ کفر ہے، ایسے شخص کو تو بہ بھی کر لی ہوگی اور ایمان کی تجدید بھی کر لی ہوگی۔

غسل جنابت کے بعد بال منڈوانا

سوال: - ہم نے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد سر کے بال منڈوائے اور ناخن تراشے، پھر دوبارہ غسل کئے بغیر نماز پڑھ لی، کیا اس طرح ہمارا نماز پڑھنا درست ہوا؟ یا ہمیں دوبارہ غسل کرنا چاہئے تھا؟ (حمید اللہ، اورنگ آباد)

جواب: - غسل کرتے وقت جسم کی بالائی سطح کو دھونا ضروری ہے، خواہ وہ بال ہوں یا جسم کے چمڑے ہوں، یا ناخن کی ہڈی ہو، اگر اسے دھولیا گیا اور بعد میں وہ حصہ الگ

(۱) رد المحتار: ۲۳۰/۲، مطلب في المواضع التي تكره فيها الصلاة على النبي ﷺ

کرلیا گیا تو اس سے غسل اور وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ لہذا بال منڈوانے کے بعد دوبارہ سر دھونا ضروری نہیں:

"... کما لا یعاد الغسل للمحل ولا الوضوء بحلق شاربه وحاجبه وقلم ظفره" (۱)

(۱) در مختار مع رد المحتار: ۱/۲۱۶، المحیط البرهانی: ۱/۲۱۲

استنجاء کا بیان

غسل خانہ میں پیشاب

سوال:- بعض دفعہ جب غسل کیا جاتا ہے اور جسم پر ٹھنڈا پانی پڑتا ہے، تو چاہے پہلے سے استنجاء کر چکے ہوں، پھر بھی چند قطرے پیشاب کے آجاتے ہیں، البتہ ٹی کل ٹائلس کا فرش ہونے کی وجہ سے آسانی سے دھل بھی جاتا ہے، ایسی صورت میں کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ (افشاں تحسین، مہدی پٹنم)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کی وجہ سے وسوسہ کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

"لا يبولن أحدكم في مستحمه، فإن عامة الوسواس منه" (۱)

اسی لئے فقہاء نے وضو یا غسل کی جگہ میں پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے: "وكره أن يبول في موضع يتوضأ أو يغتسل فيه" (۲) لیکن یہ اس وقت ہے، جب پیشاب وہاں رکا رہے اور خاص طور پر ارادہ کر کے وہاں پیشاب کیا جائے، اگر پیشاب کے

---

(۱) سنن ابن ماجہ، كتاب الطهارة وسننها، باب كراهية البول في المغتسل، حدیث نمبر: ۳۰۴
(۲) در مختار مع الرد ۱/۵۵۷

بعد اس جگہ کو صاف کر دیا جائے، تو حرج نہیں؛ کیوں کہ اصل مقصود پیشاب کی آلودگی سے بچانا ہے۔

ٹشو پیپر سے استنجاء

سوال:- آج کل استنجاء کے لئے ٹشو پیپر بنائے جا رہے ہیں، مغربی ملکوں میں تو اس کا رواج بہت زیادہ ہے؛ لیکن ہندوستان میں بھی اب اس کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے، پتلون پہننے والوں کو خاص طور پر اس کی ضرورت پیش آتی ہے، کیا اس پیپر سے پیشاب کرنے کے بعد صفائی کرنا کافی ہوگا، اور اس کے بعد نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ (محمد ارشد، جیدی مغلہ)

جواب:- ایسی تمام چیزوں سے استنجاء کرنا جائز ہے جو پاک ہوں، اور اس سے نجاست کی صفائی ہو سکتی ہو۔

"... بنحو حجر مما هو عين طاهرة قالعة لا قيمة لها كمدر منق" (۱)

یہ کیفیت ٹشو پیپر میں بھی موجود ہے، وہ پتھر اور مٹی سے زیادہ بہتر طور پر نجاست کو صاف کرتا ہے، اور اگر پہلے سے نجاست نہ لگی ہو، تو پاک بھی ہے، ہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ فقہاء نے کاغذ سے استنجاء کرنے کو منع کیا ہے؛ لیکن اس سے ایسا کاغذ مراد ہے جو لکھنے کے لائق ہو اور چکنا ہو، استنجاء وغیرہ کے لئے جو خاص پیپر تیار کیا جاتا ہے، وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ اس پر لکھا جائے، نیز اس کاغذ میں چکناہٹ بھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ کھردرا ہوتا ہے، اور اس میں رطوبت کو جذب کرنے کی بہت زیادہ صلاحیت ہوتی ہے؛ اس لئے یہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، غرض کہ ٹشو پیپر سے استنجاء کیا جا سکتا ہے؛ لیکن پانی کا استعمال بہر حال بہتر ہے؛ اس لئے کہ

---

(۱) در مختار مع الرد: ۱/ ۵۴۸

ٹشو پیپر سے نجاست تو دور ہو جاتی ہے، مگر نجاست کے اثرات زائل نہیں ہوتے، پانی سے نجاست کا اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

غیر مختون شخص اور غسل واستنجاء

سوال:- میں نو مسلم ہوں، شوگر کا مریض ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں کے مشورہ سے ختنہ نہیں کرایا ہے، ایسی صورت میں استنجاء کرتے وقت گوشت کے اس حصہ پر پانی نہیں پہنچ پاتا ہے، جیسا کہ مختون مردوں کے ساتھ ہوتا ہے، پانی اوپر چڑھے ہوئے چمڑے کے غلاف تک محدود رہتا ہے تو کیا میرا استنجاء اور غسل درست ہو جائے گا، یا میرے لئے ختنہ کرانا ضروری ہے؟

(عبدالکریم، حیدرآباد)

جواب:- اگر ختنہ کرانے میں صحت کے نقصان کا اندیشہ ہو اور ڈاکٹروں نے منع کر دیا ہو تو ختنہ نہ کرانے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ ختنہ کرانا فرض یا واجب نہیں ہے، اسی طرح ایسی صورت میں چمڑے کے اوپر سے پانی کا گذار دینا اور جہاں تک پانی پہنچ سکتا ہے، وہاں پانی کا پہنچ جانا کافی ہے؛ کیوں کہ شریعت کے احکام انسان کی طاقت کے اعتبار سے ہوتے ہیں:

"(الأقلف) إذا اغتسل من الجنابة ولم يصل الماء تحت الجلدة وغسل ما فضل من الجلدة على رأس الحشفة وما يخرج من البول عن رأس الحشفة يخرج من الجنابة" (۱)

استعمال شدہ ڈھیلے سے دوبارہ استنجاء

سوال:- کیا مٹی کے ڈھیلے یا اینٹ کے ٹکڑے کو ایک

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية :۱/۴۳

سے زیادہ مرتبہ طہارت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟

(احمد سعید، مجریال)

جواب:- مٹی کے اندر اللہ تعالی نے آلودگی کو جذب کرنے اور پھر اسے تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے؛ اس لئے طہارت کے احکام میں بوقت ضرورت مٹی کو پانی کا قائم مقام بنایا گیا ہے، اگر کوئی شخص استنجاء کرے اور مٹی میں نجاست پوری طرح تحلیل ہو چکی ہو، مٹی پر اس نجاست کے اثرات محسوس نہ ہوتے ہوں تو اس سے دوبارہ استنجاء کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا اندیشہ موجود ہے کہ شاید آلودگی کے تحلیل ہونے کا عمل مکمل نہ ہو پایا ہو اور وہ بجائے جسم کو پاک کرنے کے مزید آلودہ کرنے کا سبب بن جائے؛ اس لئے فقہاء نے استعمال شدہ ڈھیلے کو دوبارہ استعمال کرنے سے منع کیا ہے اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، جو قریب بہ ناجائز ہوتا ہے؛ البتہ اگر نسبتاً بڑا ڈھیلا ہو، استنجاء کے لئے ایک بار اس کے ایک کنارہ کا استعمال کیا گیا ہو اور دوسری بار دوسرے کنارے کا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے:

"وكره تحريما بعظم ... وحجر استنجى به إلا بحرف آخر أي لم تصبه النجاسة" (۱)

پیشاب کی چھینٹیں

سوال:- ہماری آفس میں پیشاب خانہ کا ایسا نظام ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، اور اس کی چھینٹیں پڑ جاتی ہیں، ایسی صورت میں ہم لوگ نماز کس طرح ادا کریں؟ جب کہ اتنا موقع نہیں ملتا کہ گھر آ کر کپڑے بدل کر نماز پڑھی جائے۔

(یوسف شریف، نارائن گوڑہ)

جواب:- اولاً تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ بیٹھ کر

---

(۱) رد المحتار: ۱/۵۵۲

پیشاب کرنے میں کوئی مجبوری ہو، اس کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں ناپاکی میں آلودہ ہونے کا امکان رہتا ہے، اگر آفس میں بیت الخلاء موجود ہو تو بہتر ہے کہ آپ اس میں پیشاب سے فارغ ہوا کریں، رہ گئی کپڑے پر پڑنے والی چھینٹیں تو ان کی وجہ سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اور ان کو دھوئے بغیر نماز ادا کی جاسکتی ہے:

"فإن انتضح عليه البول مثل رؤس الإبر، فذلك ليس بشيء؛ لأنه لا يستطاع الامتناع عنه" (۱)

اس لئے اس کی وجہ سے نماز قضا نہ ہونے دیں۔

گھر میں پشت رو بیت الخلاء

سوال:- ہمارے گھر میں ایسا بیت الخلاء ہے جس میں بیٹھنے والے کی پشت قبلہ کی طرف پڑجاتی ہے، کیا اس کی وجہ سے نحوست ہوتی ہے؟ جب سے ہم نے اس مکان کی تعمیر کی ہے، ہم لوگ افلاس اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (محمد سلیم، تالاب کٹہ)

جواب:- ایسا بیت الخلاء بنانا جس میں قبلہ کی طرف پشت پڑے، قبلہ کے احترام کے خلاف ہے اور گناہ ہے، جب بیت الخلاء کی وضع اس طرح کی بنی ہوئی ہے، تو ظاہر ہے کہ بار بار گناہ کے ارتکاب کی نوبت آتی ہے، اسلام کسی چیز میں نحس کا تو قائل نہیں؛ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی وجہ سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مصیبتیں آتی ہیں؛ اس لئے آپ اپنے بیت الخلاء کی وضع کو درست کرلیں اور اپنی اس غلطی پر استغفار کریں، نیز گھر میں تلاوت قرآن مجید کا اہتمام کریں اور جن لوگوں کے لئے مسجد جانے کا حکم نہیں ہے، ان کو گھر کے اندر نماز کا اہتمام کرنے کی تاکید کریں، انشاء اللہ اس سے آپ کے گھر میں برکت آئے گی اور مصیبتوں سے حفاظت ہوگی۔

(۱) الهداية: ۱/۷۳، باب الأنجاس وتطهيرها، ط: مکتبہ بلال دیوبند

سورج اور چاند کی طرف رخ کرکے استنجاء

سوال:- یہ بھی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ سورج اور چاند کی طرف رخ کرکے استنجا نہیں کرنا چاہیے، کیا یہ درست ہے؟ کیا اس میں سورج اور چاند کی پوجا کرنے والوں کی مشابہت نہیں ہوتی ہے، اور اگر ایسا کرنا مکروہ ہے، تو یہ کراہت کھلی جگہوں پر ہے یا بیت الخلاء میں بھی ہے؟ (عبد القدوس، پونہ)

جواب:- یہ درست ہے کہ سورج اور چاند کی طرف رخ کرکے استنجاء کرنے کو منع کیا گیا ہے، بعض علماء نے پشت کرنے کو بھی منع کیا ہے، اس میں سورج اور چاند کا مبالغہ آمیز احترام نہیں ہے اور نہ اس کے پرستاروں سے مشابہت ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات میں سے ہیں، اس لیے ادھر کرنے کی ممانعت ہے، پھر چونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ یہ فقہاء کا اجتہاد ہے، اسی لیے اسے مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے:

"و استقبال شمس و قمر لهما أي لأجل بول أو غائط ...... و الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية" (۱)

البتہ ممانعت بعینہ سورج اور چاند کے استقبال کی ہے، سورج اور چاند کی جہت یا اس کی روشنی کی طرف رخ کرنے یا پیٹھ کرنے کی ممانعت نہیں، یہاں تک کہ علامہ شامی کی رائے ہے کہ اگر بدلی چھائی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے سورج و چاند نظر نہیں آتے ہوں، تب بھی ان کی طرف استنجاء کی حالت میں رخ کرنا بلا کراہت جائز ہے:

"...... و إنه لو كان ساترا يمنع العين و لو سحابا فلا كراهة" (۲)

---

(۱) در مختار و ردالمحتار :۱/۵۵۵

(۲) رد المحتار :۱/۵۵۵

لہٰذا تعمیر شدہ بیت الخلاء میں سورج اور چاند کی طرف رخ کر کے استنجاء کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

راستہ پر پیشاب کرنا

سوال:- ہندوستان میں یہ بات عام ہے کہ لوگ سڑک پر یا سڑک کے کنارے راستہ پر استنجاء کرنے لگتے ہیں، اسی طرح ریلوے اسٹیشن اور سرکاری آفسوں کی دیواروں پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد ارشد، جیڈی مٹلہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو ایمان کا ایک حصہ قرار دیا ہے:

" إماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الإيمان " (۱)

بیچ راستہ ہو یا راستہ کے کنارہ کا حصہ ہو، جس پر لوگ پیدل چلتے ہوں، وہاں پیشاب و پاخانہ کا رہنا راستہ چلنے والوں کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے، بدبو بھی ہوتی ہے، کپڑے یا جسم کے آلودہ ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، اور اس سے بیماری بھی پھیلتی ہے، اس لئے ایسی جگہ پر پیشاب پاخانہ کرنا جائز نہیں، اسی طرح جو دیوار اپنی ملکیت نہ ہو دوسرے کی ملکیت ہو، یا عوامی املاک میں سے ہو، اور دیوار کے مالک، نیز عوامی املاک ہونے کی صورت میں حکومت کی طرف سے وہاں پیشاب کرنے کی اجازت نہیں ہو، تو ایسی جگہ پر بھی پیشاب کرنا درست نہیں ہوگا؛ چنانچہ فقہاء نے دوسرے کی دیوار، یا وقف کی عمارت کی دیوار پر پیشاب کرنے کو منع کیا ہے: " ... ومثله الجدار إلا جدار غيره كالوقف ونحوه " (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وأفضلها وأدناها الخ، حدیث نمبر ۵۸، نیز دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها، باب فضل المنيحة، حدیث نمبر: ۲۴۸۸

(۲) رد المحتار: ۱/۳۸۵

—— البتہ آبادی سے باہر راستہ سے کچھ ہٹ کر کھیت یا میدان میں بہ وقت ضرورت استنجاء کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ رواجی طور پر اس کو بُرا نہیں مانا جاتا ہے، اور نہ اس سے روکا جاتا ہے، یہ گویا ایک طرح کی اجازت ہے۔

نہر یا تالاب میں استنجاء

سوال:- بعض دفعہ سفر میں نہر کے پاس سے گزرنا ہوتا ہے، لوگ نہر کے کنارے ہی استنجاء کر لیتے ہیں اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد نہر ہی میں آب دست کرتے ہیں؛ کیوں کہ اس کے علاوہ پانی لینے کی صورت نہیں ہوتی، میں نے ایک عالم صاحب سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے نہر کے کنارے بھی پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ براہ کرم اس کے بارے میں بتائیں۔ (محمد اسلم، میدک)

جواب:- جہاں پانی قلیل مقدار میں ہو یعنی ایک اندازہ کے مطابق اس کا طول و عرض سو مربع ہاتھ سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا پانی ہو تو اس میں پیشاب کرنا یا پاخانہ دھونا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ پاک پانی کو ناپاک کرنا ہے، جو دوسروں کے لئے تکلیف اور تنگی کا باعث ہوگا، لیکن اگر اس سے زیادہ مقدار میں پانی ہو یا بہتا ہوا پانی ہو تب بھی اس میں پیشاب کرنا یا پاخانہ دھونا مناسب نہیں، جیسا کہ آپ نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

" لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري ثم يغتسل منه " (۱)

اس لئے فقہاء نے اسے بھی مکروہ قرار دیا ہے:

" وفي الجاري تنزيهية (وعلى طرف نهر) أي وإن

(۱) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم، حدیث نمبر: ۲۳۶

لم تصل النجاسة إلى الماء … إلخ "(۱)

اس لئے سفر میں لوٹا یا بوتل ساتھ رکھنا چاہئے اور پانی لے کر وہاں سے ہٹ کر استنجاء کرنا چاہئے؛ تا کہ دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور تقاضۂ نظافت کی بھی رعایت ہو سکے ۔

تعویذ لے کر بیت الخلاء جانا

سوال:- بعض حضرات کے گلے میں قرآنی آیات اور دعاؤں کا لکھا ہوا تعویذ ہوتا ہے ، یہ تعویذ ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں ، جب کہ بیت الخلاء وغیرہ میں بھی جانا پڑتا ہے ، ایسے موقع پر کیا تعویذ کو ساتھ رکھا جا سکتا ہے؟ (متین الزماں، مشیر آباد)

جواب:- اگر تعویذ اور آیات قرآنی کسی چیز کے اندر ملفوف ہوں، جیسا کہ تانبے یا موم جامہ کے غلاف میں رکھا جاتا ہے، تو اس غلاف کے ساتھ استنجاء خانہ میں جایا جا سکتا ہے، فقہاء کی تحریروں سے یہی اندازہ ہوتا ہے:

"ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد إذا كانت ملفوفة "(۲)

"فلو نقش اسمه تعالىٰ أو اسم نبيه ﷺ استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء وأن يجعله في يمينه إذا استنجى "(۳)

چلتے ہوئے استنجاء خشک کرنا

سوال:- اکثر سن رسیدہ لوگوں کو استنجاء کے بعد پیشاب کے قطرات آنے کی نوبت آتی رہتی ہے، اس کے لئے لوگ ڈھیلے کا

(۱) رد المحتار: ۱/۵۵۶ (۲) رد المحتار: ۹/۵۲۳

(۳) رد المحتار: ۹/۵۱۹

استعمال کرتے ہیں اور ہاتھ میں ڈھیلا لے کر پائجامہ میں رکھ کر چند قدم چلتے ہیں، یا دونوں پاؤں کی قینچی بناتے ہیں، یہ عمل لوگوں کے سامنے ہوتا ہے اور بعض دفعہ سر راہ ایسا کیا جاتا ہے، خواتین بھی وہاں سے گذرتی ہیں؛ اس سلسلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

(عبداللہ سلیم، سعید آباد)

جواب:- چوں کہ پیشاب کا ایک قطرہ بھی وضوء کے ٹوٹنے کے لئے کافی ہے اور اس کے علاوہ یہ نجاست غلیظہ بھی ہے، کپڑے پر لگنے کا پورا اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لئے فقہاء نے ایسی تدبیر اختیار کرنے کو کہا ہے کہ پیشاب کے قطرات پوری طرح نکل جائیں، جیسے کھڑا ہو جایا جائے، کھانسا جائے، مثانہ پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے، یا ایک آدھ قدم چلا جائے؛ تاکہ پاؤں میں حرکت ہو اور استنجاء کرنے والے کو اطمینان ہو جائے، اس عمل کو فقہ کی اصطلاح میں "استبراء" کہتے ہیں، اب جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں اگر بے ستری کی صورت نہ ہو اور جسم کھلنے کی نوبت نہ آئے تو یہ ناجائز نہیں؛ لیکن عام لوگوں کے سامنے اس طرح استنجاء کرنا شائستگی اور ادب کے خلاف ہے؛ اس لئے اس سے بچنا چاہئے، بہت سے احکام از راہ ادب دیئے جاتے ہیں، جیسے غسل کرتے وقت سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، راستہ چلتے ہوئے کھانے پینے سے ممانعت کی گئی ہے، بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو منع فرمایا گیا ہے، یہ احکام ادب ہی کی بناء پر ہیں؛ اس لئے جن لوگوں کو اس انداز پر استبراء کی ضرورت پیش آتی ہو، انہیں چاہئے کہ اپنے گھر میں یا بیت الخلاء کے اندر یا ایسی جگہ پر استبراء کریں، جہاں عام لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہے۔

قضائے حاجت کے وقت موبائل پر گفتگو

سوال:- آج کل موبائل فون کی وجہ سے یہ دشواری پیش آتی ہے کہ آدمی حمام میں ہے یا قضائے حاجت کر رہا ہے، یا بے پردگی کی حالت میں ہے اور اسی وقت فون آجاتا ہے، ایسی

صورت میں فون ریسیو کرکے سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، یا کوئی بات کرنا کیا درست ہوگا؟

جواب:- کوشش کرنی چاہئے کہ ان مواقع پر فون اپنے ہاتھ نہ رکھا جائے، تاکہ انسان کو یکسوئی حاصل رہے اور کسی طرح گفتگو کی نوبت نہیں آئے؛ تاہم اگر فون آجائے تو بہتر ہے کہ اس وقت گفتگو کرنے سے گریز کیا جائے؛ کیوں کہ اس حالت میں گفتگو کرنا ادب کے خلاف ہے؛ لیکن اگر فون نمبر سے اندازہ ہو کہ کوئی ضروری بات ہوگی اور اسی وقت گفتگو کرنے کی ضرورت ہو تو گفتگو کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن سلام یا کوئی ایسا کلام نہ کرے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو؛ کیوں کہ ان مواقع پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا خود ادب کے خلاف ہے، اگر دوسری طرف سے سلام کیا جائے تو جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہنے پر اکتفاء کرے۔ واللہ اعلم

پانی کا بیان

بلی کا جھوٹا

سوال:- میرے گھر میں ایک بلی ہے، وہ سارے گھر والوں سے بے تکلف ہے؛ اس لئے بعض دفعہ پانی کے برتن یا دودھ کے برتن میں منہ ڈال دیتی ہے، ایسے پانی و دودھ کا کیا حکم ہے؟ (سید حبیب امام قادری، یاقوت پورہ)

جواب:- بعض احادیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ نے بلی کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا ہے، "سور الهرة طاهر مکروه "(۱)؛ اس لئے بلی کا جھوٹا پانی اور دودھ نہ پینا چاہئے، اطباء نے لکھا ہے کہ صحت جسمانی کے اعتبار سے بھی بلی کا جھوٹا نقصاندہ ہے۔ واللہ اعلم

مکہ مسجد کے حوض سے وضوء

سوال:- مکہ مسجد کے صحن میں جو حوض ہے، اس میں کائی گندگی ہوتی ہے، کیا اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے؟ (سید مبین، حسن نگر)

جواب:- کسی چیز کا میلا کچیلا ہونا الگ بات ہے اور اس کا ناپاک ہونا الگ بات ہے، ناپاک وہی چیزیں ہیں، جن کو قرآن وحدیث میں ناپاک کہا گیا ہے اور فقہاء نے اس کی

---

(۱) البناية شرح الهداية، كتاب الطهارات، فصل في الآسار، باب سؤر الهرة

وضاحت کی ہے، باقی ایسی بھی کئی چیزیں جن سے طبیعت نفور کرتی ہوں، وہ عرف کے اعتبار سے گندگی تو ہیں، لیکن ان کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا، اس کے علاوہ بڑا حوض جس کی لمبائی چوڑائی سو مربع ہاتھ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ناپاک چیز بھی گر جائے، لیکن اس کی وجہ سے پانی کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل نہ ہو، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اور اس سے وضو کرنا درست ہوتا ہے، اس لئے آپ کا مسجد کے حوض کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہونا، اس کے پانی سے وضو کیا جا سکتا ہے، البتہ ارباب مسجد کو صفائی ستھرائی کی طرف توجہ دلائی جا سکتی ہے۔

ناپاک پانی کا ٹینک کس طرح پاک کیا جائے؟

سوال:- اگر پانی کا ٹینک ناپاک ہو، اس میں ایک نل سے پانی آتا ہے اور دوسرے نل سے نکل جاتا ہے تو کیا پانی کو دوسرے نل سے نکال دینا اس ٹینک کے پاک ہونے کے لئے کافی ہوگا؟ (محمد فاروق، گلبرگہ)

جواب:- ٹینک میں پانی نکلنے کا جو پائپ ہوتا ہے، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ پائپ بالکل نیچے کی سطح سے لگا ہوا ہو تب تو صرف پانی کا گزر دینا کافی ہوگا، اور اگر پانی نکلنے کا پائپ سطح سے کچھ اوپر ہو جیسا کہ عام طور پر دو تین انچ اوپر رکھا جاتا ہے، تو پھر پائپ سے نیچے کے حصے کے پانی کو کپڑے میں جذب کرکے یا کسی اور طریقہ پر نکالنا ضروری ہوگا، بہرحال جب پانی نکل جائے تو اسے پاک سمجھا جائے گا:

"حوض صغير تنجس ماؤه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر، كان الفقيه أبو جعفر رحمه الله يقول: كما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض" (۱)

---

(۱) ہندیہ ۱/۱

اگر ٹنکی میں مرا ہوا چوہا پایا جائے؟

سوال:- اگر کسی شخص نے نماز پڑھی یا امام نے پڑھائی، بعد میں معلوم ہوا کہ پانی کی ٹنکی میں چوہا مرا ہوا تھا، تو کیا ایسی صورت میں اس پانی سے کئے ہوئے غسل، وضوء کے بعد پڑھی جانے والی نماز درست ہوگئی؟ (شہناز سلطانہ، ملک پیٹ)

جواب:- اگر پانی کسی بڑے حوض میں ہو جو مجموعی طور پر سو مربع ہاتھ ہو تب تو جب تک پانی کا رنگ، بو، مزہ تبدیل نہ ہو جائے، پانی پاک رہتا ہے؛ اس لئے اس سے کیا ہوا غسل اور وضو بھی درست ہوگا، اور اگر چھوٹا حوض ہو یا ٹنکی ہو، جس کی لمبائی، چوڑائی سو مربع ہاتھ نہ ہوتی ہو اور اس میں چوہا گرا اور مرا ہوا پایا جائے تو اگر وہ پھولا، پھٹا ہوا نہیں ہے تو سمجھا جائے گا کہ یہ ایک دن و رات پہلے حوض میں گر کر مرا ہے اور ایک دن و رات کی نماز لوٹانی ہوگی، اور اگر پھول پھٹ گیا تھا تو سمجھا جائے گا کہ یہ تین دنوں سے ٹنکی میں مرا ہوا موجود ہے؛ لہٰذا تین دن اور رات کی نماز اسے لوٹانی ہوگی، یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے، اور اسی پر حنفیہ کے نزدیک فتویٰ ہے۔(۱)

رہ گئی یہ بات کہ تمام مقتدیوں کو اس کی خبر کرنا مشکل ہے تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ عمل ناواقفیت کی بنا پر ہوا ہے اور ناواقفیت کی وجہ سے جو عمل ہو، جب تک اس کا علم نہ ہو جائے انسان معذور ہے، نیز امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں پچھلی نمازوں کو لوٹانا ضروری نہیں؛ بلکہ جس وقت مرے ہوئے چوہے کو دیکھا گیا ہے، اس وقت سے، یا جس وقت پانی میں اس کے مرنے کی یقینی اطلاع ہو جائے، اس وقت سے پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔" وقال : ليس عليهم إعادة شئ حتى يتحقق متى وقعت "(۲)؛ لہٰذا بعض فقہاء کے نزدیک تو پہلی نمازوں کا لوٹانا ضروری ہی نہیں۔

---

(۱) هدايه مع الفتح ، فصل في البئر : ۱/۱۰۲ (۲) حوالہ سابق

حوض میں چھپکلی کا گر جانا

سوال:- پانی کے حوض میں ایک چھپکلی گر کر مرگئی، صبح کے وقت اس کا پتہ چلا، معلوم نہیں کب گری تھی، اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ کیا پورے پانی کو خالی کرنا ہوگا؟ (نعیم الاسلام ،ٹولی چوکی)

جواب:- پہلے تو یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حوض بڑا تھا یا چھوٹا؟ بڑے حوض سے مراد یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی اس کی لمبائی چوڑائی سو مربع ہاتھ ہو، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "ماء کثیر" کہتے ہیں، اگر اس میں چھپکلی مری ہوئی پائی جائے اور پانی کے رنگ، بو اور مزہ میں تبدیلی نہ آئی ہو تو یہ پانی پاک ہے، چھپکلی نکال دی جائے یہ کافی ہے؛ البتہ پورے حوض کو خالی کردینا بہتر ہے، —— اور اگر حوض چھوٹا ہو، یعنی سو مربع ہاتھ سے کم ہو اور چھپکلی نہ اس میں صرف مردہ پائی گئی؛ بلکہ پھول گئی یا پھٹ گئی ہے تو پورے حوض کا پانی ناپاک ہوگیا، پورا پانی نکال دینا واجب ہے، اور اگر چھپکلی مردہ پائی گئی؛ لیکن پھولنے اور پھٹ جانے کی نوبت نہیں آئی تو حوض سے چھپکلی کو نکالنے کے بعد بیس ڈول پانی کا نکالنا واجب ہوگا:

"وإذا وقع في البئر سام أبرص ومات، ينزح منها عشرون دلوا في ظاهر الرواية" (۱)

لیکن بہتر ہے کہ ہر صورت پورا حوض خالی کردیا جائے؛ تاکہ نجاست کا احتمال نہ رہے اور صحت کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

اگر کنویں میں چوہا مر جائے؟

سوال:- اگر کوئی شخص یا امام نماز پڑھے یا پڑھائے، اس کے بعد معلوم ہو کہ کنویں میں چوہا مرا ہوا تھا تو کیا ایسی صورت میں غسل یا وضو اور نماز درست ہوگی؟ (شہناز سلطانہ، اکبر باغ)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة :۱/۲۰

جواب: - اگر بڑا کنواں ہو یعنی سو مربع ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو تو فقہ کی اصطلاح میں وہ "ماء کثیر" ہے، جب تک اس پانی کے رنگ یا بو یا مزہ میں تبدیلی نہ ہو جائے، اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اگر ایک طرف تغیر ہو دوسری طرف نہیں تو جس طرف نجاست کا اثر پایا گیا صرف اسی طرف کا پانی ناپاک ہوگا

"الماء الراكد إذا كان كثيرا فهو بمنزلة الجاري ، لا يتنجس جميعه بوقوع النجاسة في طرف منه ، إلا أن يتغير لونه أو طعمه أو ريحه ، وعلى هذا اتفق العلماء وبه أفتى عامة المشائخ" (١)

اور اگر اس کی مقدار اس سے کم ہو اور چوہا چوہے گر جائے، پھٹنے سے پہلے نکال یا جائے تو اب بیس سے تیس ڈول پانی نکال دینا کافی ہوگا، اور اگر پھول گیا یا پھٹ گیا تو پورا پانی نکالنا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے بقدر پانی نکالنا ہوگا۔

"وإذا ماتت فأرة أو عصفورة في بئر ، فأخرجت حين ماتت قبل أن تنتفخ ؛ فإنه ينزح منها عشرون دلوا إلى ثلاثين بعد إخراج الفأرة والعصفور الخ" (٢)

اگر ایسے کنویں میں مردہ چوہا پایا گیا اور معلوم نہ ہو سکا کہ چوہا کب گرا ہے تو اگر چوہا پھول، پھٹ گیا ہے تو تین دن و رات کی اور اگر ابھی اس نوبت تک نہیں پہونچا تو ایک دن و رات کی نماز کا لوٹانا واجب ہوگا، اور اس عرصہ میں اس پانی سے جو کچھ دھویا گیا ہو یا جس میں وہ پانی لگ گیا ہو، اسے دھونا ضروری ہوگا۔

"وإذا وجد في البئر فأرة أو غيرها ولا يدري متى

---

(١) فتاوى هندية ١/١٨، كتاب الطهارة

(٢) فتاوى هندية ١/١٩، كتاب الطهارة

وقعت الخ " (۱)

رنگ بدل جائے تو پانی سے وضو

سوال:- ہمارے علاقہ میں پانی کی کمی ہے، ایک چھوٹا سا تالاب ہے، اس میں کائی جم جانے اور کثرت سے درختوں کے پتے گرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ بھی بدل گیا ہے، اگر ہاتھ میں پانی لیا جائے تو اس کی تبدیلی صاف محسوس ہوتی ہے، کیا ایسے پانی سے وضو کرنا درست ہوگا؟ (احمد مختار، راجستھان)

جواب:- اگر پانی میں پاک چیزیں مل جائیں اور اس سے پانی کی رنگت بدل جائے، لیکن اس میں بہاؤ اور پتلا پن باقی ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

" ویجوز الطهارة بماء خالطه شئی طاهر فغير أحد أو صافه " (۲)

اس لئے اگر صرف رنگ بدلا ہو جب تو وضو کے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں، اگر بو یا مزا بھی تبدیل ہو جائے تو اب اس سے وضو کے درست ہونے کے سلسلہ میں فقہاء سے دو طرح کی رائیں منقول ہیں: ایک یہ کہ اس سے وضو درست نہیں ہوگا، یہ رائے فقہائے احناف میں علامہ بابرتی کی ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ وضو درست ہو جائے گا، اسی دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے، ممتاز فقیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے۔ (۳)

گول حوض کا قطر

سوال:- ہمارے شہر میں ایک حوض کے لئے انجینئر نے حوض کو گول شکل میں ڈیزائن کیا ہے، ایسی صورت میں حوض کے

---

(۱) فتاوی هندية: ۱/۱۸ (۲) الهداية: ۱/۱۸

(۳) دیکھئے: نفع المفتی والسائل: ۵۸، تحقیق: صلاح محمد ابوالحاج

کناروں کی پیمائش کتنی ہونی چاہئے کہ وہ کثیر پانی سمجھا جائے؟

(ظہیر علی، ورنگل)

جواب:- اگر حوض گول ہو تو کتنی مقدار کو کثیر سمجھا جائے گا اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں تین اقوال ہیں: اول یہ کہ اس کا دائرہ ۳۶ ہاتھ ہو، دوسرے ۴۶ ہاتھ اور تیسرے ۴۸ ہاتھ، ۳۶ ہاتھ والی رائے پر فتویٰ ہے اور احتیاط ۴۶ یا ۴۸ ہاتھ والے قول میں ہے، جیسی سہولت ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے:

"فإن كان الحوض مدورا ففي الظهيرية : يعتبر ستة و ثلاثون وهو الصحيح وهو مبرهن عند الحساب" (۱)

حوض کا سائز

سوال:- مسجد میں وضوء کی غرض سے بنائے جانے والے حوض کا سائز کم از کم کتنا ہونا چاہئے؟ (بلال رحیمی)

جواب:- اگر پانی کا حوض سو مربع ہاتھ ہو، تو اس کا شمار ماء کثیر میں ہوتا ہے، یعنی اس میں اگر کوئی ناپاک چیز گر جائے تو جب تک پانی کے فطری اوصاف (رنگ، بو اور مزہ) بدل نہ جائیں، اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس سے کم مقدار میں اگر نجاست پانی میں گر جائے تو چاہے اوصاف میں تبدیلی نہیں آئے، پھر بھی پانی ناپاک ہوجاتا ہے؛ اس لئے سو مربع ہاتھ کا حوض رکھنے میں سہولت اور احتیاط ہے، چاہے طول وعرض دونوں برابر ہوں، یا طول زیادہ اور عرض کم ہو یا مدوّر صورت کا حوض ہو، ڈیزائن جو بھی ہو؛ لیکن بحیثیت مجموعی اس کی پیمائش سو مربع ہاتھ ہونی چاہئے۔

حوض میں وضو کرنا اور مسجد کے آداب

سوال:- ہنمکنڈہ کی ایک مسجد کے امام جو متولی بھی ہیں،

---

(۱) البحر الرائق ۱/۱۴۰

وہ وضو حوض میں کرتے ہیں، جس سے زیادہ تر وضو کا پانی حوض میں گرتا ہے اور دونوں پیر باہر دھونے کے بجائے حوض میں ڈبو دیتے ہیں، وہ لنگی اور بنیائن پہنے مسجد آتے ہیں، اور کرتا مسجد میں لٹکا کر رکھتے ہیں، بچوں کو مسجد میں آنے سے منع کرتے ہیں، اور مسجد کے حصے میں بکریاں اور مرغیاں پالتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(محمد اشرف علی، بھٹکنڈہ)

جواب:– اگر حوض مجموعی طور پر سو مربع ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو اور گہرائی اتنی ہو کہ پانی لینے کی وجہ سے سطح زمین کھل نہ جاتی ہو تو فقہ کی اصطلاح میں وہ 'ماء کثیر' ہے،(۱) ایسے حوض میں اگر نجاست بھی گر جائے تو جب تک پانی کے رنگ، بو اور مزہ میں تغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوگا، وضوء کا معاملہ اس سے کمتر ہے؛ چوں کہ وضو کرنے میں جسم سے کوئی محسوس نجاست خارج نہیں ہوتی؛ اس لیے اس کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، لہٰذا امام صاحب کے حوض میں وضو کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ البتہ ایسا کرنا تقاضۂ نظافت اور شائستگی کے خلاف ہے، اور لوگوں کو طبعی طور پر ایسے پانی میں وضوء کرنے سے کراہت ہوتی ہے؛ اس لیے امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

مسجد میں ایسا لباس پہن کر آنا مستحب ہے جو سطحی نہ سمجھا جاتا ہو، اور جس کو مہذب اور شائستہ مجلسوں میں استعمال کیا جاتا ہو؛ اس لیے معتکف کے علاوہ دوسرے لوگوں کا صرف لنگی اور بنیائن پہن کر مسجد میں آنا بہتر نہیں، چھوٹے بچے جو شور وغل کرتے ہوں یا جن کے پیشاب کر دینے کا اندیشہ ہو، ان کو مسجد سے روکنا درست ہے، ذی شعور بچوں کو نہیں روکنا چاہیے؛ تاکہ ان میں نماز کا اہتمام پیدا ہو، مسجد کی زمین میں ذاتی مرغیاں اور بکریاں پالنا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ خالی جگہیں مصالح مسجد کے لیے وقف ہیں، امام، متولی یا کسی اور شخص کا اپنے ذاتی کام کے لیے مسجد کی جگہ کو استعمال کرنا درست نہیں، پھر ان جانوروں کی وجہ سے

---

(۱) الفتاوی الهندیه :۱۸/۱

بعض اوقات تعفن پھیلتا ہے، جو نمازیوں کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے، اور خشوع وخضوع میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ — البتہ ایسے مسائل کو حکمت سے انتشار پیدا کیے بغیر حل کرنا چاہیے، اگر واقعی امام صاحب کی وہی کیفیت ہو جو آپ نے لکھی ہے تو انہیں تنہائی میں سمجھانے کی کوشش کیجئے، اور امام صاحب کو بھی چاہیے کہ اپنے عمل پر اصرار نہ کریں؛ تاکہ مسجد کی خدمت ان کے لیے زاد آخرت ثابت ہو، وباللہ التوفیق۔

پینے کے لئے مخصوص کئے ہوئے پانی سے وضو کرنا

سوال:- ہمارے یہاں مسجد میں واٹر کولر لگا ہوا ہے اور کولر پر لکھا ہوا ہے کہ اسے صرف پینے کے لئے استعمال کریں، دوسرے مقاصد کے لئے اس کا استعمال نہ ہو؛ لیکن بعض لوگ باوجود منع کرنے کے اسی پانی سے وضو کرنے لگتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (محمد الیاس، گلبرگہ)

جواب:- شریعت میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ آپ کے عمل سے دوسروں کو نقصان نہیں پہنچے، جو پانی پینے کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اور خاص اسی مقصد کے لئے اسے ٹھنڈا کیا گیا ہے، اگر وضو وغیرہ کے لئے اس کا استعمال کیا جائے تو پینے کے پانی کی کمی واقع ہوسکتی ہے، نیز پانی ٹھنڈا کرنے کے سلسلے میں الیکٹرک کا خرچ بڑھ سکتا ہے؛ اس لئے جو پانی پینے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو، اس پانی سے وضو کرنا سوائے بہت مجبوری کی حالت کے جائز نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر صرف وہی پانی ہو، دوسرا پانی میسر نہیں ہو تو وضو کے بجائے تیمم کرنے کی گنجائش ہے۔ درمختار میں ہے۔

"لا یجوز الوضوء من الحیاض المعدۃ للشرب فی الصحیح و یمنع من الوضوء منہ"

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں

"ولا يمنع جواز التيمم إلا أن يكون الماء كثيرا"(۱)

اگر نہر میں نجاست نظر آئے؟

سوال:- نہر کا بہتا ہوا پانی ہے، مگر اس میں نجاست تیر رہی ہے، کیا اس میں سے وضو کیا جا سکتا ہے؟ (محمد جعفر، مشیر آباد)

جواب:- بہتے ہوئے پانی میں اگر نجاست کی بو یا رنگ یا مزہ نہ پایا جائے تو وہ پاک ہوتا ہے؛ البتہ اگر ایسی نجاست ہو، جو نظر آتی ہو اور وہ پانی میں نظر آرہی ہو، تو اس نجاست کی جگہ پر وضو یا غسل وغیرہ نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ وہاں سے کچھ دور ہٹ کر وضو کرنا چاہئے، جہاں غالب گمان ہو کہ ناپاکی کا اثر نہیں پہنچا ہوگا:

"فإن كانت النجاسة مرئية ، فإنه لا يتوضأ من الموضع الذي فيه النجاسة وإنما يتوضأ من موضع آخر"(۲)

مردہ کو غسل دیتے وقت گرنے والا پانی

سوال:- مردے کو غسل دیتے ہوئے جب پانی بہایا جاتا ہے تو غسل دینے والے کے جسم اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑ جاتی ہیں، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا وہ اسی طرح اور ان ہی کپڑوں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کر سکتا ہے؟ (رحمت اللہ منصوری، شمو گہ)

جواب:- ناپاک ہو جانے کے اسباب میں سے ایک موت بھی ہے، خواہ کسی بھی جاندار کی ہو، فرق یہ ہے کہ اگر انسان کے علاوہ کوئی جاندار شرعی طریقہ پر ذبح کئے بغیر مر جائے اور وہ پانی کا جانور نہ ہو تو وہ ہمیشہ کے لئے ناپاک ہو جاتا ہے، اگر اسے دھویا جائے تب بھی وہ

(۱) در مختار و رد المحتار: ۴۱۱/۱، ۴۱۲۔

(۲) المحیط البرهانی: ۲۳۹/۱۔

پاک نہیں ہوگا، اور مردہ انسان کو جب غسل دے دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، غسل سے پہلے تک ناپاک رہتا ہے، دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ وضوء اور غسل کی صورت پیش آجائے تب بھی نجاست پیدا ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ نجاست معنوی ہے، نجاست معنوی متعدی نہیں ہوتی، یعنی اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو چھو دے، جس پر غسل یا وضوء واجب تھا تو چھونے والے کا ہاتھ ناپاک نہیں ہوگا، یا بے وضوء اور بے غسل شخص کے جسم پر پانی گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ لیکن موت کی وجہ سے جو نجاست پیدا ہوتی ہے، وہ صحیح قول کے مطابق نجاست حقیقی ہے، مردار اور غسل مکمل ہونے سے پہلے مردہ انسان کے بدن سے جو پانی لگ جائے، وہ ناپاک ہو جائے گا؛ اس لئے مردہ کو غسل کرنے کے درمیان جو پانی غسل دینے والے کے جسم یا کپڑوں پر گر گیا تو وہ حصہ ناپاک ہو جائے گا، اس کو دھونا ضروری ہوگا اور اس کو دھونے کے بعد ہی نماز ادا کرنی جائز ہوگی:

"... أقول قد يقال إنه مبني على ما هو قول العامة واعتمده في البدائع من أن نجاسة الميت نجاسة خبث لأنه حيوان دموي لا نجاسة حدث" (١)

---

(١) رد المحتار : ۳۲۹/۱

نجاست اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا بیان

حالتِ جنابت میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھے

سوال:- ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' قرآن مجید کی ایک آیت ہے، تو جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو، کیا اس کے لئے ''بسم اللہ'' کا پڑھنا جائز ہوگا؟ (محمد مشتاق، عابڈس)

جواب:- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' قرآن مجید کی ایک آیت ہے، لیکن اس کی ایک دوسری حیثیت بھی ہے، اور وہ یہ کہ یہ ایسا کلمۂ ذکر ہے جس سے اچھے کاموں کو شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ لہٰذا فقہاء نے اس کی دونوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو، وہ تلاوت قرآن کی نیت سے تو ''بسم اللہ'' نہیں پڑھ سکتا؛ لیکن اگر صرف اللہ کا نام لینا مقصود ہو، کسی اور کام کو یا قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کتاب کو شروع کرنے کے لئے ''بسم اللہ'' پڑھے تو یہ جائز ہے:

" فعلى هذا لا ينبغي للجنب أن يقول بسم الله الرحمن الرحيم إذا أراد قراءة القرآن وإن أراد به التسمية أو افتتاح القراءة لا بأس به " (۱)

---

(۱) المحيط البرهاني: ۵۱۰:۷

رحم کی رطوبت کا حکم

سوال:- بہت سی عورتوں کو سیلان کی شکایت رہتی ہے اور جو رطوبت جسم سے نکلتی ہے، کپڑے میں لگ جاتی ہے، کیا نماز پڑھتے وقت ان کو دھونا ضروری ہے؟ (ایک خاتون علی آباد)

جواب:- عورت کی شرمگاہ کے بالائی حصے جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''فرج خارج'' کہتے ہیں، اس سے نکلنے والی رطوبت بالاتفاق حنفیہ کے یہاں پاک ہے، شرمگاہ کے اندرونی حصہ (فرج داخل) سے نکلنے والی رطوبت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ پاک ہے یا ناپاک، لیکن راجح قول پاک ہونے کا ہے:

"(سيجئ أن رطوبة الفرج طاهرة عنده) قوله: (الفرج) أي الداخل ، أما الخارج فرطوبته طاهرة باتفاق .. يدل على الاتفاق كونه له حكم خارج البدن فرطوبته كرطوبة الفم والأنف والعرق الخارج من البدن" (۱)

لہٰذا کپڑے میں لگ جانے والی رطوبت راجح قول کے مطابق پاک ہے اور اس کو دھونا ضروری نہیں، فقہاء کے اختلاف سے بچتے ہوئے احتیاطاً دھولیں تو اور بہتر ہے۔

شیر خوار بچہ کی قے

سوال:- میرا بچہ ابھی ایک سال کا ہے، میں اسے اپنا ہی دودھ پلاتی ہوں، اس کا پیٹ بار بار خراب ہو جاتا ہے اور قے کر دیتا ہے، دودھ پلانے کے درمیان قے کرتا ہے تو جسم پر بھی لگ جاتا ہے اور کپڑے پر بھی، ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۱/۳۰۵، مطلب في رطوبة الفرج، كتاب الطهارة

پونچھ دینا کافی ہے، یا دھونا ضروری ہے؟ (شبانہ اختر، مغل پورہ)

جواب:- قئے معدہ کی طرف سے آتی ہے اور معدہ نجاست کا مخزن ہے؛ چنانچہ قئے کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ناقض وضو قرار دیا ہے: "من أصابه قيء ... فليتوضأ ..." (۱) اسی لئے فقہاء نے قئے کو ناپاک کہا ہے، ناپاک شئ کا حکم یہ ہے کہ اسے پوری طرح صاف کر دیا جائے اور قئے دھونے سے ہی پوری طرح صاف ہوتی ہے، صرف پونچھنے سے مکمل صفائی نہیں ہو سکتی، نیز جسم اور کپڑے کو دھونے میں کوئی دشواری نہیں؛ اس لئے جتنے حصہ میں قئے لگ جائے، اسے دھو لیجئے، قئے چاہے بڑوں کی ہو یا بچوں کی، اور کھانے پینے والے بچہ کی ہو یا دودھ پیتے بچہ کی، بہر صورت ناپاک ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"وهو نجس مغلظ ولو من صبي ساعة ارتضاعه ، هو الصحيح" (۲)

منہ کا لعاب پاک ہے یا ناپاک؟

سوال:- نیند کی حالت میں منہ سے جو لعاب نکلتا ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟ وہ پاک سمجھا جائے گا یا ناپاک؟

(شیخ مرتضیٰ، کھمم)

جواب:- نیند کی حالت میں منہ سے جو لعاب نکلتا ہے، اس سلسلہ میں بعض فقہاء نے تفصیل کی ہے کہ اگر سر کی طرف سے آئے تو پاک ہے، اگر پیٹ کی طرف سے آئے تو ناپاک ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ زردی مائل لعاب ہو یا بدبودار ہو، لیکن راجح قول یہ ہے کہ منہ سے آنے والا لعاب مطلقاً پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے جھوٹے کو پاک قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ما جاء في البناء على الصلاة ، حدیث نمبر: ۱۲۲۱

(۲) در مختار: ۳۳۹/۱

"والحقوا بالقيء ماء فم النائم ، إذا صعد من الجوف بأن كان أصفر أو منتنا ، ولو نزل من الرأس فطاهر اتفاقا ، وفي التجنيس : أنه طاهر كيف ما كان وعليه الفتوىٰ " (۱)

لعاب کا حکم

سوال:- بعض لوگ جب سوتے ہیں تو ان کے منہ سے لعاب نکلتا رہتا ہے اور یہ بہہ کر چہرے سے کپڑے تک پہنچ جاتا ہے، چہرہ کو تو دھولیا جاتا ہے؛ لیکن کپڑے دھونے کا اہتمام ہمیشہ نہیں کیا جاتا، اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (سید خورشید، اکبر باغ)

جواب:- انسان کا تھوک پاک ہے، لعاب عام طور پر جمع شدہ تھوک ہی ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا دھونا واجب نہیں اور نہ اس کے لگنے سے جسم یا کپڑا ناپاک ہوتا ہے:

"كماء فم نائم ، فإنه طاهر مطلقا وبه يفتى " (۲)

البتہ نظافت اور صفائی کا تقاضہ ہے کہ اسے دھولیا جائے؛ کیوں کہ اس سے دوسرے نمازی بھی گھن محسوس کریں گے۔

اگر کتے دامن پکڑ لیں؟

سوال:- ہم لوگوں کو جس گلی سے گذر کر مسجد میں جانا پڑتا ہے، اس میں کتے بہت ہیں، بعض دفعہ دامن کو پکڑ لیتے ہیں، کیا اس سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا اور کیا ایسی صورت میں ہمیں مسجد جا کر پہلے دامن کو دھونا ضروری ہوگا؟ (عبدالنعیم انصاری، بھیونڈی)

---

(۱) البحر الرائق : ۲۹/۱ نیز دیکھئے : فتاوی قاضي خان علی هامش الهندیه : ۲۴/۱

(۲) رد المحتار مع الدر المختار ، فصل في سنن الوضوء : ۲۴۶/۱ ، ط : بی ، ؤ ی

جواب:- کتے کا جھوٹا اور اس کا لعاب ناپاک ہے، اور جب کتا کپڑے کو پکڑے تو غالب گمان یہی ہے کہ لعاب بھی لگے گا، اس سلسلہ میں فقہاء نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ کتا اگر غصہ سے دامن پکڑے تو دامن ناپاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غصہ کی حالت میں وہ دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے منہ کی رطوبت کپڑے کو نہیں لگتی، اور اگر غصہ سے نہ پکڑے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا، کیوں کہ ایسی صورت میں کتے منہ سے پکڑتے ہیں، اور منہ کی رطوبت لگ جاتی ہے۔

"الكلب إذا أخذ بالغضب ثوب إنسان لا يجب غسله؛ لأنه يأخذه بسنه فلا تصل رطوبة فمه، وإن لا على وجه الغضب يجب؛ لوصول رطوبة لعابه" (۱)

بہر حال یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ کب اس کا لعاب لگتا ہے اور کب نہیں لگتا؟ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ اگر کتا دامن پکڑے تو اس حصہ کو دھو لیا جائے۔ —— جہاں تک نماز کی بات ہے تو رطوبت ہتھیلی کی گہرائی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جب تو اس کپڑے میں نماز درست نہیں ہوگی، اور اگر اس سے کم مقدار میں ہو تو گو اتنا حصہ ناپاک ہوگا؛ لیکن نماز درست ہو جائے گی؛ کیوں کہ اتنی کم مقدار کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے۔

زخم سے نکلنے والی رطوبت

سوال:- زخم سے خون اور پیپ نکلنے کے بعد جو رطوبت نکلتی ہے، اور بعض اوقات خون کے نکلے بغیر بھی زخم سے نکلتی رہتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ پاک ہے یا ناپاک، اور کپڑے پر لگ جائے تو کیا کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟ (محمد صفی الدین، جماعت نگر)

جواب:- زخم سے جو پانی نکلتا ہے خواہ وہ خون کے بعد نکلے یا بغیر کچھ نکلے ہوئے، فقہاء نے اسے ناقض وضو قرار دیا ہے،

(۱) بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۴/۲۲-۲۳

"من نواقض الوضوء ما يخرج من غير السبيلين ويسيل إلي ما يظهر من الدم والقيح والصديد والماء لعلة" (۱)

پھر ایک ضابطہ یہ ہے کہ جسم انسانی سے جن چیزوں کا نکلنا ناقض وضو یا ناقض غسل ہے، وہ نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے:

"كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يوجب خروجه الوضوء أوالغسل فهو مغلظ" (۲)

پس زخم سے رسنے والا پانی نجاست غلیظہ ہے، اگر جسم یا کپڑے میں لگ جائے تو اسے دھو لینا چاہیے، اگر ایک درہم کی مقدار؛ یعنی ہتھیلی کی گہرائی کے برابر جسم یا کپڑے میں لگ جائے تو دھونا واجب ہے، اگر نہ دھوئیں تو نماز درست نہیں ہوگی، اگر اس سے کم مقدار میں ہو تو نماز ہو جائے گی، اگر کسی شخص کو مسلسل اس طرح زخم سے پانی رستا رہتا ہو اور اتنی مہلت نہ مل پاتی ہو کہ وضوء کر کے نماز ادا کر سکے تو ایسی صورت میں اسی حالت میں نماز ادا کر سکتا ہے، معذور کے لیے یہ خصوصی رعایت ہے۔

کبوتر کی بیٹ کا حکم

سوال:- مکہ مسجد میں کبوتریں بڑی تعداد میں ادھر ادھر اڑتی رہتی ہیں اور بیٹ بھی کرتی ہیں، پھر اسی جگہ پر لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں، کیا جس زمین پر کبوتر کی بیٹ لگ گئی ہو، اس پر نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ (صبیح الدین، فتح دروازہ)

جواب:- مسجد کو آلائش سے صاف رکھنے کا حکم ہے، چاہے کوئی چیز ناپاک نہ ہو؛ لیکن اگر اس سے بدبو پیدا ہوتی ہو تو اس سے بھی مسجد کو صاف رکھنے کا اہتمام ہونا چاہیے،

(۱) ہندیہ: ۱/۷ (۲) ہندیہ: ۱/۴۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں مسجد (یعنی نماز کی جگہ متعین کرنے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اسے صاف ستھرا اور پاک رکھا جائے ، "ان تنظف وتطهر " اس میں طہارت سے مراد ناپاک چیز سے بچانا ہے اور نظافت سے مراد مسجد کو گندگی سے بچانا ہے، خواہ وہ ناپاک نہ ہو؛ اس لئے مساجد کو آلائشوں سے بچانا چاہیے، گو وہ ناپاک نہ ہوں ؛ لہذا کوئی بھی مسجد ہو اسے کبوتروں کی بیٹ سے صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور خاص کر مسجد میں اس حصہ میں کبوتر کی بیٹ کی آلودگی نہیں ہونی ، جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔

یہ تو ہے وہ عمل جو احترام مسجد کے سلسلے میں مسلمانوں سے مطلوب ہے ، اور جہاں تک فقہی مسئلہ کی بات ہے تو حنفیہ کے نزدیک کبوتر کی بیٹ ناپاک نہیں ، اس لئے جہاں بیٹ لگ جائے ، اسے ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا :

" وأما خرء ما يؤكل لحمه من الطيور سوى الدجاجة والبط والإوز ونحوها ، فطاهر كالحمامة والعصفور ونحوهما " (۱)

پرندوں کی بیٹ کا حکم

سوال :- کیا پرندوں کی بیٹ پاک ہے یا ناپاک ؟ اگر کوئی پرندہ کسی پر بیٹ کر دے تو ایسی صورت میں کپڑے بدلنے ہوں گے ؟ —— بیٹ لگے جسم کے حصہ کو بھی تین بار پانی سے دھونا ہوگا یا کپڑے سے پونچھ لینا کافی ہوگا ؟ (شہناز سلطانہ ، ملک پیٹ)

جواب :- بیٹ کے پاک اور ناپاک ہونے کے اعتبار سے پرندوں کی تین قسمیں کی گئی ہیں :

۱) وہ جو زمین میں بیٹ کرتی ہیں ، جیسے مرغی ، بطخ وغیرہ ، ان کا فضلہ ناپاک

(۱) غنیة المستملی : ۱۴۷

ہے، اور دوسری ناپاک چیزوں کی طرح اگر یہ جسم یا کپڑے پر لگ جائیں تو دھونا واجب ہے، اور اتنی دفعہ دھونا ضروری ہے کہ نجاست دور ہوجائے، پونچھ دینا کافی نہیں۔

۲) دوسری قسم ان پرندوں کی ہے جو ہوا میں بیٹ کرتے ہیں اور ان کا گوشت حلال ہے، جیسے کبوتر، گوریا وغیرہ، ان کی بیٹ احناف کے نزدیک پاک ہے؛ اس لئے کہ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور اس سے بچنا دشوار ہے:

"وما يذرق في الهواء نوعان أيضا : ما يؤكل لحمه كالحمام والعصفور ... وخرؤها طاهر عندنا" (۱)

۳) وہ پرندے ہیں، جو فضا میں بیٹ کرتے ہیں؛ لیکن ان کا گوشت حلال نہیں، جیسے باز وغیرہ، امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کی بیٹ بھی پاک ہے، (۲) —— غرض کہ مختلف پرندوں کی بیٹ کے الگ الگ احکام ہیں، اس کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کرسکتی ہیں۔

مچھلی کا خون

سوال:- بعض بڑی مچھلیوں میں خون کی اچھی خاصی مقدار ہوتی ہے، انہیں کاٹتے وقت ہاتھ میں یا کپڑے میں خون لگ جاتا ہے، اسی طرح دھوتے ہوئے پانی سرخ ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں کپڑے کا دھونا واجب ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر مچھلی کا دھوؤں کسی چیز میں لگ جائے تو کیا وہ ناپاک ہوجائے گا اور اسے دھونا پڑے گا ؟ (نکہت سلطانہ، اکبر باغ)

جواب:- مچھلی کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر چہ اس کے جسم سے سرخ رطوبت نکلتی ہے، لیکن وہ حقیقت میں خون نہیں ہے؛ کیوں کہ خون کی علامت یہ ہے کہ

---

(۱) بدائع الصنائع ، حكم الأرواث : ۱/ ۹۷ (۲) حوالہ سابق

جب وہ سوکھتا ہے تو سیاہ پڑ جاتا ہے اور مچھلی سے نکلنے والی سرخ رطوبت سوکھنے کے بعد سیاہ نہیں پڑتی؛ اس لئے راجح قول یہ ہے کہ مچھلی بڑی ہو یا چھوٹی اور خون نظر آنے والا سیال زیادہ مقدار میں ہو یا کم مقدار میں، بہرصورت وہ خون کے حکم میں نہیں ہے؛ اس لئے کپڑے، جسم یا پانی میں لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری نہیں، البتہ از راہ نظافت دھولیا جائے تو بہتر ہے: "فإن ظاهر الرواية طهارة دم السمك مطلقا الخ" (۱) —— اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خون مطلقاً ناپاک نہیں ہے؛ بلکہ بہتا ہوا خون جو رگوں سے خارج ہوتا ہے وہ ناپاک ہے، اور مچھلی سے جو خون خارج ہوتا ہے، وہ گوشت کا خون ہوتا ہے نہ کہ رگوں کا۔

واللہ أعلم

گوشت میں پایا جانے والا خون

سوال:- جب گوشت لیا جاتا ہے اور اسے پانی میں دھویا جاتا ہے تو پانی پر خون کی سرخی موجود رہتی ہے اور بار بار دھونے کے باوجود بالکل سفید نہیں ہوتا ہے؛ حالانکہ خون ناپاک اور حرام ہے، ایسی صورت میں کیا تدبیر اختیار کی جائے؟

(شائستہ تبسم، بنجارہ ہلز)

جواب:- حلال ذبیحہ جانور کی رگوں میں جو خون ہوتا ہے —— جس کو فقہ کی اصطلاح میں "دم مسفوح" (بہتا ہوا خون) کہتے ہیں وہ ناپاک ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن مجید میں حرام چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسے ہی خون کا ذکر کیا گیا ہے: ﴿... أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا﴾ (۲) گوشت میں جو خون ہوتا ہے جس کی سرخی آپ دھوتے ہوئے محسوس کرتی ہیں، وہ ناپاک اور حرام نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ رگوں کا بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، جس کی ممانعت ہے؛

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۲۲۵ (۲) الأنعام: ۱۴۵

" (اللحم) إذا كان نجسا و إن لم يكن من الدم المسفوح لا يكون نجسا " (۱)

اگر تیل میں چوہا مر جائے؟

سوال:- شادی کے موقع سے سرسوں کے تیل کا ڈبہ لایا گیا، جس میں سے سات، آٹھ لیٹر تیل بچ گیا، اس تیل میں چوہا گر کر مر گیا تو وہ تیل اب پاک ہے یا ناپاک اور اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ (محمد ارشد ندوی، بریلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے ایک چوہے کے بارے میں پوچھا گیا جو گھی میں گر پڑا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہا اور اس کے گرد و پیش کا گھی نکال دیا جائے اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو سیال شکل میں ہو تو اسے کھایا نہیں جائے گا: " ... وإن كان ذائبا أو مائعا لا يؤكل " (۲)؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے گھی کو کھایا نہیں جائے گا؛ البتہ چراغ جلانے میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے: " ... وإن كان ذائبا لا يؤكل ؛ ولكن يستصبح " (۳) — یہی حکم تیل کا ہے؛ اس لئے کھانے میں تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، اور جسم میں لگانا بھی درست نہیں ہے؛ البتہ بعض فقہاء نے اس لحاظ سے کہ چراغ یا چمڑے کی دباغت میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے، عیب بتا کر اس کو بیچنے کی اجازت دی ہے، (۴)؛ لیکن احتیاط یہی ہے کہ اسے ضائع کر دیا جائے ؛ کیوں کہ ممکن ہے خرید کرنے والا اس کی لاعلمی کی بنیاد پر کھانے میں استعمال کر لے۔

---

(۱) فتاوى قاضي خان على هامش الهندية :۱/۲۷

(۲) سنن البيهقي :۹/۳۵۳، باب من قال لا يجوز بيع ما نجس منه

(۳) بدائع الصنائع :۱/۲۰۷، كتاب الطهارة ، أحكام النجاسة

(۴) حوالہ سابق

پٹرول پاک ہے یا ناپاک؟

سوال:- پٹرول ناپاک ہے یا پاک؟ بہت سی دفعہ کپڑوں پر جو داغ دھبے لگ جاتے ہیں، انہیں پٹرول کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے، کیا اس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے؟

(امۃ الرحمٰن عالمہ، ٹولی چوکی)

جواب:- دنیا میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ اپنی اصل کے اعتبار سے پاک ہیں، سوائے اس کے کہ قرآن وحدیث میں اس کے ناپاک ہونے کی صراحت آئی ہو، یا کسی ناپاک چیز سے اختلاط کی وجہ سے وہ ناپاک ہوگئی ہو، پہلی قسم کی چیزیں ''نجس العین'' ہیں، یعنی وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ناپاک ہیں، جیسے: پیشاب، پاخانہ، خون، مردار وغیرہ، دوسری قسم کی چیزیں متنجس ہیں، یعنی اصل میں ناپاک نہیں ہیں؛ مگر ناپاک چیز کے لگ جانے سے ناپاک ہو جاتی ہیں، جیسے اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے وغیرہ، پٹرول پہلی قسم کی چیزوں میں سے نہیں ہے اور اگر کسی ناپاک چیز کی آمیزش نہ ہو تو دوسری صورت بھی نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے، اگر داغ دھبہ وغیرہ صاف کرنے کے لئے پٹرول کا استعمال کیا جائے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا؛ نیز اگر کسی ناپاک کپڑے کو بھی پٹرول سے دھویا جائے یا ناپاکی لگی ہوئی چیز کو پٹرول سے صاف کیا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا؛ کیوں کہ غسل و وضو کے لئے تو پانی کا استعمال ضروری ہے؛ لیکن اگر کوئی نجاست (حقیقی) کہیں لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کے لئے پانی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کوئی بھی بہتی ہوئی شیٔ جو اس نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، کافی ہے:

"... یجوز دفع نجاسة حقیقیة عن محلها بماء ولو مستعملا وبکل مائع طاهر قالع للنجاسة ینعصر بالعصر" (۱)

(۱) در مختار: ۱/۵۰۹

پٹرول میں: نہ صرف کسی شئی کو دور کرنے کی صلاحیت ہے ؛ بلکہ بہ مقابلہ پانی اور دوسری سیال چیزوں کے اس کی کہیں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے : لہٰذا پٹرول سے بہ درجۂ اولی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

ناپاک رنگ

سوال:- بعض رنگ جن سے کپڑے رنگے جاتے ہیں، ان میں ناپاک چیزیں جیسے خون اور الکحل کو بھی شامل کیا جاتا ہے اور وہ رنگ کپڑے میں اس طرح جذب ہو جاتا ہے کہ اسے ختم نہیں کیا جاسکتا، ایسے کپڑوں میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں ہوگی تو ان کپڑوں کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

(ہدایت اللہ قاسمی، شیموگہ)

جواب:- اگر رنگ میں ناپاک اجزاء استعمال کئے جاتے ہوں تو پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ یہ اپنی حقیقت پر باقی رہتے ہیں یا بدل جاتے ہیں، اگر حقیقت بدل جاتی ہے تو اب رنگ ناپاک نہیں رہا ؛ کیوں کہ حقیقت کے بدل جانے سے چیزوں کا حکم بدل جاتا ہے، اور اگر رنگ میں یہ اجزاء اپنی حقیقت کے ساتھ باقی رہتے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ کپڑے کو دھونے پر سفید پانی نکلتا ہے یا رنگین، اگر سفید پانی نکلتا ہے تو تین بار اس کو پانی میں ڈال کر نچوڑ دینا کافی ہوگا اور اگر ابھی رنگ نکل رہا ہے تو کپڑے کو پانی میں اس طرح پھلا دیا جائے کہ جتنا رنگ نکل سکتا ہو، نکل جائے، اس کے بعد اسے تین بار کھنگال دیا جائے :

" والثوب إذا أصبغ بصبغ نجس أنه يغسل إليه والثوب حتى يضعا أن يسيل منه الماء على أنه الأبيض ثم يغسل بعد ذلك ثلاثا " (۱)

---

(۱) فتاوی غیاثیہ : ۲/۱

یہ جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ رنگ میں ناپاک جز ملا ہوا ہو اور اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہو — لیکن اس حقیر کی معلومات کے مطابق عملاً ایسا نہیں ہے کہ رنگ میں ناپاک اجزاء شامل کئے جاتے ہوں اور وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی بھی رہتے ہوں۔

ناپاک پانی کی چھینٹ

سوال:- اگر دھوون کے پانی کی چھینٹ کپڑے یا برتن پر پڑ جائے تو کیا وہ ناپاک ہو جائیں گے؟ اور ان کو دھولینا ضروری ہوگا؟ (محمد قمر الزماں، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر پاک چیز کا دھوون ہو تب تو ظاہر ہے وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ چھینٹیں پاک ہیں، پانی ناپاک اس وقت ہوتا ہے جب کسی نجاست سے اس کا اتصال ہو، اور اگر ناپاک شی کو دھویا گیا اور اس کی چھینٹیں پڑ گئیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر اتنی کم ہو کہ چھینٹیں نظر نہ آتی ہوں تو وہ ناپاک نہیں ہوں گی، اور اگر چھینٹیں اتنی بڑی یا اتنی زیادہ ہوں کہ متعین طور پر اس کی جگہ نظر آتی ہو، تب اس کا دھونا واجب ہوگا؛ کیوں کہ وہ ناپاک کے حکم میں ہے:

"(انتضاح الغسالة) في الإناء إن كان قليلا لا يفسد، وحد القليل أن لا يستبين مواقع القطر في الماء ... و إن كان يستبين ذلك و يرى فهو كبير" (۱)

کیچڑ پاک ہے یا ناپاک؟

سوال:- راستے میں جو کیچڑ وغیرہ ہوتی ہے اور مسجد جاتے ہوئے کپڑے یا پاؤں میں لگ جاتی ہے، اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید وہ ناپاک ہو اور اس میں نجاست مل گئی ہو، کیا اس کیچڑ کو دھوئے بغیر

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ۱/۱۵

نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (عبدالمعید، تنالی)

جواب:- شریعت میں اصول یہ ہے کہ محض شبہ کی وجہ سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بعینہ نجاست نظر آئے تو اس کو دھونا ضروری ہے، ورنہ کیچڑ کو ناپاک نہیں سمجھا جائے گا:

"... طين الشوارع و مواطن الكلاب طاهر ، وكذا الطين المسرقن إلا إذا رأى عين النجاسة ، وهو الصحيح" (۱)

کپڑوں پر لگ جانے والی کیچڑ

سوال:- اس وقت برسات کی وجہ سے ہر طرف نالیاں اُبل آئی ہیں اور ہر چھوٹی بڑی سڑک پر چلنے والوں کو کیچڑ سے گزرنا پڑتا ہے، مشکل ان لوگوں کو ہوتی ہے، جو نماز کے پابند ہیں کہ وہ اپنے پاؤں اور کپڑے اس سے بچا نہیں پاتے، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان کے لئے پاؤں اور کپڑے دھو کر ہی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟ (علی احمد، تالاب کٹہ)

جواب:- شریعت اسلامی کا بنیادی مزاج اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے سہولت و آسانی اور لوگوں کو تنگی و حرج سے بچانے کا ہے؛ اس لئے جن چیزوں سے بچنا دشوار ہو، ان کے بارے میں خصوصی رعایت سے کام لیا گیا ہے، اس مسئلہ میں بھی فقہاء نے لکھا ہے کہ سڑک پر پائی جانے والی کیچڑ گو اس کے نجاست سے آلودہ ہونے کا امکان ہو، ناپاک متصور نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ نماز کا ادا کرنا درست ہوگا، سوائے اس کے کہ ناپاکی اس میں پوری طرح ظاہر ہو، جیسے: پاخانہ نظر آئے، یا خاص طور پر ڈرینج ہی کا مواد بہہ رہا ہو:

---

(۱) مراقی الفلاح: ۸۵

" طين الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطا بالعذرات ، وتجوز الصلاة معه " (۱)

سڑکوں پر بہنے والے پانی کا حکم

سوال:- برسات کے موسم میں سڑکوں اور گلیوں وغیرہ میں گوبر پھیل جاتا ہے اور پانی اس غلاظت پر سے گذرتے ہوئے سڑک پر پھیلا رہتا ہے، حتی الامکان کوشش کے بعد بھی چپل اس جگہ پڑ جاتی ہے ، اب اسی چپل کے ساتھ مسجد میں لوگ جاتے ہیں، جہاں تمام چپلیں ہوتی ہیں ، وہیں ملوث چپل بھی ہوتی ہے ، اکثر لوگ ان چپلوں سے ننگے پاؤں گذر جاتے ہیں، اس بات کا خیال نہیں کرتے کے چپل کا نچلا حصہ پاک کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (عبدالوحید، ریاست نگر)

جواب:- شریعت میں پاکی وناپاکی کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا ناپاک ہونا صحیح طور پر معلوم نہ ہو جائے ، وہ پاک ہی سمجھی جائے گی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کو وضو ٹوٹنے کا شبہ ہو جائے تو جب تک آواز نہ پیدا ہو یا بو نہ محسوس ہو وہ باوضو سمجھا جائے گا؛ اس لئے محض شک کی بنیاد پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ، پھر چپل کا معاملہ یہ ہے کہ وہ پانی سے بھی پاک ہوتی ہے اور اگر مٹی یا کسی اور چیز سے صاف کر دی جائے اور صاف ہو جائے تو یہ بھی پاکی کے لئے کافی ہے:

" ويطهر الخف ونحوه كالنعل بالماء والمائع بالدلك أي بالأرض أو التراب الخ " (۲)

---

(۱) رد المحتار : ۱/ ۵۳۱

(۲) مراقی الفلاح: ۸۸

اس لئے اگر ناپاک پانی سے گذرے اور آگے خشک یا صاف زمین پر کچھ دور چلے تو خود بخود ناپاکی کا اثر ختم ہو جائے گا اور چپل پاک ہو جائے گی ، ہاں اگر مسجد پہنچنے کے بعد بھی چپل کے نچلے حصہ میں نجاست لگی ہوئی نظر آئے تو اسے پونچھ دینا چاہئے ، یہ پاک ہونے کے لئے کافی ہے ؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" فإن رأى فى نعليه أذى أو قذرا فليمسحها وليصل فيهما " (۱)

" جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو دیکھے ، اگر اس کے جوتوں میں نجاست یا گندگی ہو تو اسے پونچھ لے اور اس میں نماز پڑھ لے ۔ "

اگر کتے کا جسم لگ جائے ؟

سوال:- آج کل آوارہ کتوں کی کثرت ہوگئی ہے ، اکثر یہ گھروں میں گھس آتے ہیں اور بہت سی دفعہ ان کا بدن کپڑے سے لگ جاتا ہے ، ہم لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کی وجہ سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے اور بدن میں لگ گیا تو نماز نہیں پڑھ سکتے ، تو کیا یہ درست ہے ؟ (شبانہ بیگم ، عنبر پیٹ)

جواب:- کتے کا جھوٹا ناپاک ہے ، اگر برتن میں منہ ڈال دے ، تو اس کو تین دفعہ دھونا واجب اور سات دفعہ دھونا مستحب ہے ، البتہ کتا نجس العین نہیں ہے ، یعنی وہ اپنے پورے وجود سے ناپاک نہیں ہے ، لہذا اگر اس کا بدن لگ جائے تو جسم یا کپڑا ناپاک نہیں ہوگا ، بلکہ اگر کپڑے پر لعاب کی تراوٹ لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہوگا اور تراوٹ محسوس نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے :

" واعلم أنه ليس الكلب بنجس العين عند الإمام

---

(۱) طحطاوی علی المراقی ،ص: ۸۸

وعلیه الفتوی ..... ولا بعضه مالم یر ریقه " (۱)

خشک نجاست پر تر کپڑے کا بچھانا

سوال:- پلنگ پر روئی کی توشک ہوتی ہے، جس پر ہم میاں بیوی ہم بستر ہوتے ہیں، تو تھوڑی سی نجاست اس پر بھی گر کر سوکھ جاتی ہے، تو کیا ہم اسی توشک پر دوسری چادر بچھا کر سو سکتے ہیں؟ اور اس توشک کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ (حامد علی، کوکٹ پلی)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں چاہئے کہ جہاں پر منی کا دھبہ لگا ہوا ہے، اسے کھرچ دیا جائے، اس سے وہ پاک ہو جاتا ہے، اب جب کہ اس کا اثر ختم ہو گیا تب اس پر بھیگی ہوئی چادر بھی ڈال دی تو صحیح یہی ہے کہ اسے پاک سمجھا جائے گا، تر اوٹ کی وجہ سے اس کی ناپاکی عود نہیں کرے گی:

" ..... ولو نفذ المني إلى البطانة يكتفي بالفرك هو الصحيح ..... المني اذا فرك عن الثوب وذهب أثره فأصابه ماء، فيه روايتان : المختار أنه لا يعود نجسا كذا في الخلاصة " (۲)

استنجاء کے بعد برتن کو چھونا

سوال:- گھر پر ایک لڑکی پکوان وغیرہ کے کام کرتی ہے، اس کو بار بار سمجھاتی ہوں کہ ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد صابن سے ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد ہی برتن کو ہاتھ لگائے، مگر وہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود ہاتھ دھوئے بغیر کھانے کے برتن کو

(۱) الدر المختار مع الرد : ۳۲۴/۱

(۲) ہندیہ : ۴۴/۱

ہاتھ لگا دیتی ہے، اس صورت میں کیا برتن ناپاک ہو جاتے ہیں ؟

(شازیہ سلطانہ، حبیب نگر)

جواب :- جو نجاست نظر آتی ہو اور اس کا لگنا اور دور ہو جانا دیکھ کر یا سونگھ کر محسوس کیا جا سکتا ہے، اس کے پاک ہونے کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب نجاست دور ہو جائے، تو جہاں نجاست لگی تھی، وہ جگہ پاک ہو جائے گی، پاخانہ ایسی ہی نجاستوں میں ہے؛ لہٰذا استنجاء کرنے کے بعد اگر ہاتھ پر پاخانہ لگا ہوا نہ ہو تو ہاتھ پاک ہو گیا، اب ہاتھ سے کوئی چیز چھوئی جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگی؛ اس لئے برتن — جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں — ناپاک نہیں ہوئے، مزید ہاتھ دھونا اور صابن لگانا نظافت اور صفائی ستھرائی نیز حفظانِ صحت کے طور پر ہے، وہ جسم یا پاک ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔

استنجاء کے تولیہ سے جسم کو پونچھنا

سوال :- میں حمام میں ایک چھوٹا تولیہ ہمیشہ رکھا کرتی ہوں، جس سے خاص طور پر استنجاء کرنے کے بعد جسم کو پونچھتی ہوں، وضوء کے بعد الگ تولیہ سے منہ پونچھتی ہوں؛ البتہ کبھی کبھی منہ پونچھنے کو تولیہ نہیں ملتا، تو اسی سے منہ بھی پونچھ لیتی ہوں؛ کیوں کہ یہ تولیہ بھی پاک وصاف ہی رہتا ہے۔

(شبانہ انجم، عنبر پیٹ)

جواب :- استنجاء کرنے اور اچھی طرح بدن دھو لینے کے بعد ظاہر ہے کہ نجاست ختم ہو جاتی ہے، اگر ایک ہی کپڑے سے جسم کے ان حصوں کو صاف کیا جائے اور اسی سے جسم کے دوسرے حصوں کو بھی پونچھا جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ کپڑا پاک ہے؛ لیکن طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے؛ اس لئے بہتر ہے کہ جس تولیہ سے استنجاء کی جگہ پونچھی گئی ہو، اس سے چہرہ اور بدن پونچھا نہ جائے، فقہاء نے بھی اس کو ادب قرار دیا ہے، یعنی ایسا نہ کرنا

مستحب ہے:

" ومن الآداب: أن لا يمسح سائر الأعضاء بالخرقة التي يمسح بها موضع الاستنجاء " (۱)

چرمی موزہ پاک کرنے کا طریقہ

سوال:- چمڑے کے موزے میں ڈرینج کا ناپاک پانی لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

(ضیب انصاری، گلبرگہ)

جواب:- اگر موزوں کی اوپری سطح پر ہلکا سا پانی لگ گیا ہو، تو اس کو دھولینا کافی ہوگا، اگر موزے اتنی دیر تک پانی میں رہیں کہ ناپاکی موزے کے اندر جذب ہوگئی تو اب اسے تین بار دھونا اور نچوڑنا ضروری ہوگا، اگر نچوڑنے سے پانی نہیں نکل پائے تو ہر بار دھو کر خشک کرنا ہوگا، فقہاء نے دباغت شدہ چمڑے کے بارے میں اصول یہ بتایا ہے کہ اگر دباغت کے بعد چمڑا اتنا سخت ہوگیا ہو کہ نجاست اس کے اندر جذب نہ ہو پاتی ہو، تو اوپر سے دھولینا کافی ہے، اور اگر نجاست کو جذب کرلیتی ہو اور اسے نچوڑنا ممکن ہو تو تین بار اس طرح دھونا ہوگا کہ ہر بار نچوڑا بھی جائے، اور نچوڑنا ممکن نہ ہو تو ہر بار دھونا اور خشک کرنا ضروری ہوگا:

" الجلد المدبوغ إذا أصابته نجاسة إن كان صلبا لا ينشف النجاسة لصلابته يطهر بالغسل في قولهم ، وإن كان ينشف النجاسة إن أمكن عصره يغسل ثلاثا ويعصر في كل مرة فيطهر و إن كان لم يمكن عصره ، عند أبي يوسف يغسل ثلاثا و يجفف في كل مرة " (۲)

---

(۱) المحیط البرهاني ، كتاب الطهارات : ۱/۱۶۹

(۲) فتاوی هندیه ۱/۴۴

گدے پاک کرنے کا طریقہ

سوال:- اگر فوم یا اسپنج کے گدوں پر بچے پیشاب کردیں تو کیا وہ ناپاک ہوجائیں گے اور اگر ناپاک ہوجائیں گے تو پھر ان کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ (نوشابہ افروز، ملے پلی)

جواب:- بچوں کے پیشاب بھی ناپاک ہیں، پلاسٹک وغیرہ بچھا کر گدوں کو بچوں کے پیشاب سے بچانا چاہئے، تاہم اگر بچوں کا پیشاب لگ جائے تو چوں کہ روئی اور اسپنج سیال چیزوں کو جذب کرلیتے ہیں؛ اس لئے ایک دفعہ دھولینا یا یکبارگی تین دفعہ دھولینا کافی نہیں؛ بلکہ تین بار اس طرح دھونا ضروری ہے کہ ہر بار دھونے کے بعد وہ اچھی طرح خشک ہوجائے، فقہاء نے نئی اینٹ کا —— جو پانی کو زیادہ جذب کرتی ہے —— یہی حکم لکھا ہے:

" الآجر إذا تنجس و هو غير مفروش إن كان قديما مستعملا ، يغسل ثلاثا ، فيطهر و إن كان جديدا ، يغسل ثلاثا ، و يجف في كل مرة " (۱)

اسی طرح تین بار دھونے اور خشک کرنے کے بعد گدا پاک ہوجائے گا۔

واشنگ مشین میں ناپاک کپڑوں کی دھلائی

سوال:- اب ہاتھ سے کپڑے دھونے کا رواج کم ہوتا جارہا ہے، تقریباً اکثر گھر میں واشنگ مشین کی سہولت مہیا ہوگئی ہے؛ اسی میں کپڑا دھویا جاتا ہے؛ اسی میں کپڑا نچوڑا جاتا ہے اور اسی میں کپڑا خشک بھی کیا جاتا ہے، اب اگر کسی کپڑے میں نجاست لگی ہوئی ہو تو وہ ناپاک ہوجائے گا اور عام طور پر مشین میں ایک ساتھ کئی کپڑے دھوئے جاتے ہیں، تو دوسرے کپڑے بھی ناپاک ہو

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية : ۱/ ۲۴

جائیں گے، یہ بڑا اہم مسئلہ ہو گیا ہے اور تقریباً ہر گھر میں لوگ اس
مسئلہ سے دوچار ہیں، عورتیں اس باریکی پر غور کیے بغیر ہر طرح
کے کپڑے ایک ساتھ ڈال دیتی ہیں، براہ کرم ضرور اس کی
وضاحت کریں؟ (سید شریف قادری، مہدی پٹنم)

جواب:- جس کپڑے میں نجاست لگ جائے تو اس کے پاک کرنے کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نظر آنے والی نجاست ہو جیسے پائخانہ، خون تو اسے اس وقت تک دھویا جائے گا، جب تک کہ نجاست کا دور ہونا واضح نہ ہو جائے؛ البتہ اگر کپڑے میں رنگ اس طرح پیوست ہو گیا ہو کہ اس کا صاف کرنا دشوار ہو تو رنگ کے باقی رہ جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر نجاست نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب یا مادۂ منویہ جو خشک ہو گیا ہو تو اسے تین بار دھویا جائے گا اور نچوڑنا ممکن ہو تو ہر بار نچوڑا بھی جائے گا، نیز تیسری بار میں زیادہ اہتمام سے نچوڑنا چاہیے کہ اس کا اثر بالکل ختم ہو جائے:

"وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات، ويشترط العصر في كل مرة فيما ينعصر ويبالغ في المرة الثالثة" (۱)

اس اصول سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر کپڑے میں نجاست نظر نہ آتی ہو تو اسے تین بار دھونا اور نچوڑنا چاہیے؛ لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ ناپاک کپڑوں کو دوسرے کپڑوں کے ساتھ مشین میں نہ ڈالا جائے؛ بلکہ جس جگہ نجاست لگی ہو، اسے الگ سے تین بار دھو کر اور نچوڑ کر پھر دوسرے کپڑوں کے ساتھ مشین میں رکھ دیے جائیں اور اگر نجاست کی جگہ واضح نہ ہو تو ناپاک کپڑوں کو تین دفعہ پانی میں کھنگال کر نچوڑا جائے، صابن وغیرہ لگانا ضروری نہیں، اس کے بعد یہ کپڑے مشین میں ڈال دیے جائیں، تیسری صورت یہ ہے کہ ناپاک کپڑوں کو الگ مشین میں ڈالا جائے اور تین پانی سے دھویا جائے، مشین کا دھونا اور نچوڑنا بھی کافی ہے۔

---

(۱) ہندیہ: ۱/۴۲

اگر پاک کپڑوں کو ناپاک کپڑوں کے ساتھ مشین میں ڈال دیا گیا ہو، تو پھر تمام ہی کپڑوں کو تین دفعہ مشین میں دھونا اور نچوڑنا ہوگا، نیز اگر کچھ پاک کپڑے دوسری دفعہ میں ڈالے گئے تو ان کے لیے اس کے علاوہ دو دفعہ اور جو تیسری دفعہ میں ڈالے جائیں ان کے لیے اس کے علاوہ ایک دفعہ دھونا کافی ہو جائے گا، فقہاء نے یہی تفصیل لکھی ہے کہ ناپاک کپڑوں کے پہلے دھوون میں تین دفعہ، دوسرے کو دو دفعہ اور تیسرے کو ایک دفعہ دھونا ضروری ہوگا، دھونے کے بعد جیسے کپڑے پاک ہو جائیں گے، ویسے ہی مشین کا وہ حصہ جس میں کپڑے اور پانی ڈالے جاتے ہیں بھی پاک ہو جائے گا:

" ثوب نجس غسل في ثلاث جفان أو في واحدة ثلاثا ، وعصر في كل مرة ، طهر لجريان العادة بالغسل ..... والمياه الثلاثة نجسة متفاوتة ، فالأول إذا أصاب شيئا يطهر بالثلاث ، والثاني بالمثنى ، والثالث بالواحد ..... وتطهر الإجانة الثالثة تبعاً للمغسول " (۱)

واشنگ مشین میں کپڑوں کی دھلائی

سوال:- اب عام طور پر شہروں میں ہاتھوں سے کپڑے نہیں دھوئے جاتے ، واشنگ مشینوں سے دھوئے جاتے ہیں ، یہاں تک کہ اب دھوبیوں کے پاس بھی کپڑے دھونے کی مشینیں ہوتی ہیں، مشینوں میں جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں، وہ پاک بھی ہوتے ہیں اور ناپاک بھی ، تو کیا ایسی صورت میں کپڑے پاک ہو جائیں گے؟ یا پاک کپڑے بھی ناپاک ہو جائیں گے؟

(امۃ الرحمٰن عالمہ ، ٹولی چوکی)

---

(۱) ہندیہ: ۱/۴۲

جواب :- اگر کپڑوں میں نجاست لگ جائے اور وہ نجاست نظر آتی ہو تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست اچھی طرح صاف ہو جائے اور جو نجاست نظر نہ آتی ہو اس میں ضروری ہے کہ اسے تین بار دھویا اور نچوڑا جائے ؛ تا کہ نجاست کے صاف ہونے کا اطمینان ہو جائے ، بعد کے فقہاء نے مطلقاً یہی فتویٰ دیا ہے کہ نجاست جیسی بھی ہو ، کم سے کم کپڑے کو تین بار دھونا اور نچوڑنا چاہئے ؛ تاکہ نجاست کے نکل جانے اور کپڑے کے صاف ہو جانے کا اچھی طرح اطمینان ہو جائے :

" ..... المذهب اعتبار غلبة الظن ، وأنها مقدرة بالثلاث لحصولها به في الغالب ، وقطعا للوسوسة " (۱)

ان اصول کی روشنی میں واشنگ مشین میں کپڑے دھونے کے احکام اس طرح ہوں گے :

(الف) اگر سارے کپڑے پاک تھے تو ظاہر ہے وہ پاک ہی رہیں گے ، چاہے مشین میں اسے ایک بار گردش دی جائے یا کئی بار۔

(ب) اگر سارے کپڑے ناپاک تھے تو ضروری ہوگا کہ یا تو اسے تین پانی سے دھویا جائے ، یعنی ایک بار جب مشین کپڑے دھوکر پانی پھینک دے تو دوسری بار اور تیسری بار پھر پانی ڈالا جائے ، پہلی بار چوں کہ میل کچیل کو بھی صاف کرنا مقصود ہوتا ہے ؛ اس لئے زیادہ دیر تک مشین چلائی جاتی ہے ، دوسری اور تیسری بار چوں کہ صرف نچوڑنا مقصود ہے ؛ اس لئے اگر تھوڑی دیر چلا کر پانی کا اخراج ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔

(ج) اگر کچھ کپڑے پاک تھے اور کچھ ناپاک ، تو جب ان کپڑوں کو ملا کر مشین میں ڈالا جائے گا تو سارے ہی کپڑے ناپاک ہو جائیں گے ؛ کیوں کہ اگر پانی کی تھوڑی مقدار ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست کا گرنا بھی ناپاک ہونے کے لئے

---

(۱) رد المحتار : ۱/۵۳۰

کافی ہے اور جب پانی ناپاک ہوگیا تو وہ تمام کپڑے بھی ناپاک ہو گئے؛ اس لئے اس صورت میں بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے، جو (ب) کے تحت مذکور ہوا۔

ناپاک شطرنجی کو بارش میں ڈال دینا

سوال:- گھروں میں بچے شطرنجی پر پیشاب کر دیتے ہیں، اگر بڑی شطرنجی ہو تو اس کو دھونے اور نچوڑنے میں دقت ہوتی ہے، ایسے میں خاص کر جب بارش کا زمانہ ہوتا ہے، تو ہم لوگ ایک دو دنوں کے لئے اسے چھت پر ڈال دیتے ہیں، رکتے رکتے تیز بارش ہوتی رہتی ہے اور اس میں اچھی طرح شطرنجی دھل جاتی ہے، کیا یہ صورت شطرنجی کے پاک ہونے کے لئے کافی ہو جائے گی؟ ایک عالم صاحب نے بتایا کہ جب تک اسے نچوڑا نہ جائے پاک نہیں ہوگی۔ (شہناز بیگم، ملک پیٹ)

جواب:- اصل مقصد نجاست کے اثرات کا دور ہونا ہے، نچوڑنے کا حکم بھی اس لئے دیا گیا ہے کہ اس طرح ناپاکی کے اثرات پوری طرح نکل آتے ہیں، اگر کسی شئی پر مسلسل پانی بہایا جائے تو اس سے بھی نجاست کا اثر دور ہو جاتا ہے؛ اس لئے اگر اتنی دیر بارش میں رکھا جائے کہ گمان ہو کہ شطرنجی سے پیشاب کے اثرات دور ہو گئے ہوں گے، جس کی علامت یہ ہے کہ پیشاب کی بو باقی نہ رہے تو یہ اس کپڑے کے پاک ہونے کے لئے کافی ہے

"حتى لو جرى الماء على ثوب نجس و غلب على ظنه أنه .... يطهر و إن لم يكن ثمه عصر" (۱)

(۱) تبیین الحقائق: ۷۲/۱

تیمم کا بیان

ٹھنڈک سے بیماری ہونے کی وجہ سے تیمم

سوال:- مجھے ٹھنڈک برداشت نہیں ہوتی ، خاص کر جاڑے کے موسم میں اگر فجر کے وقت غسل کیا تو سر پر پانی ڈالتے ہی نزلہ شروع ہو جاتا ہے، جو نفس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر کئی کئی دن بیماری میں گزر جاتے ہیں ، ایسی صورت میں کیا ہم تیمم کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ (محمد عبداللہ، قبا کالونی)

جواب:- شریعت میں لوگوں کی مجبوریوں اور دشواریوں کا لحاظ کیا گیا ہے ، بشرطیکہ حقیقی معنوں میں مجبوری پائی جاتی ہو ؛ اس لئے اولاً تو آپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اگر ٹھنڈا پانی نقصاندہ ہے اور گرم پانی برداشت ہو جاتا ہو تو گرم پانی سے غسل کر لیا کریں ، اور آج کل گرم پانی کا حاصل ہونا چنداں دشوار نہیں ہے اور اگر گرم پانی بھی نقصان دہ ہو اور اس کا نقصان دہ ہونا وہم کے درجہ میں نہ ہو ؛ بلکہ اس کا تجربہ ہو، یا معتبر ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو اس بات کی گنجائش ہے کہ تیمم کر کے فجر کی نماز ادا کریں ، اور دھوپ نکلنے کے بعد جب غسل کرنے پر قادر ہو جائیں تو غسل کریں ، فجر کی نماز میں چوں کہ مجبوری کی بناء پر تیمم پر اکتفاء کیا گیا تھا ؛ اس لئے اب اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں :

" ولو خاف الجنب إن اغتسل أن يقتله البرد ، أو يمرضه ،

يتيمم بالصعيد ، وكذا إذا كان خارج المصر ؛ لما بينا ، ولو كان في المصر فكذالك عند أبي حنيفةؒ "(۱)

شدید ٹھنڈک کی وجہ سے تیمم

سوال:- ہم لوگ ایک ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جو نہایت ٹھنڈا ہے اور یہاں سال کے کئی مہینے میں شدید برف باری ہوتی ہے ، یعنی لداخ ، اس موسم میں غسل کرنے اور بعض دفعہ وضوء کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی ، بلکہ پانی سے استنجاء کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے ، ایسی صورت میں کیا تیمم کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے ؟
(شیخ عبدالباری)

جواب:- اصل میں تو تیمم کی اجازت اس وقت ہے جب پانی دستیاب نہ ہو یا بیمار ہونے کی وجہ سے پانی کا استعمال کرنا خطرناک ہو ، اس سے بیاری بڑھ سکتی ہو یا صحت میں تاخیر ہوسکتی ہو ، صرف ٹھنڈک کی وجہ سے عام حالات میں تیمم نہیں کیا جاسکتا ؛ لیکن اگر کہیں بہت شدید ٹھنڈک ہو ، تجربہ کے مطابق وہاں پانی کے استعمال سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہو اور گرم پانی سے بھی کام نہ چلتا ہو یا گرم پانی میسر نہ ہو ، تو ایسی صورت میں تیمم کرکے نماز ادا کی جاسکتی ہے ؛ لیکن بیماری کے شدید اندیشہ کے بغیر وضوء کے بجائے تیمم نہیں کیا جائے ؛ البتہ نسبتاً کم اندیشہ کی بنیاد پر غسل کی جگہ تیمم کیا جاسکتا ہے ؛ کیوں کہ فقہاء کا عام رجحان یہی ہے کہ اگر پہلے سے بیمار نہ ہو اور ٹھنڈک کی وجہ سے تیمم کرنے کی نوبت آئے تو وضوء کی جگہ تیمم نہ کرے ، غسل کی جگہ تیمم کرلے :

" إن خاف الجنب أو المحدث إن اغتسل أو توضأ يقتله البرد أو يمرضه ، تيمم سواء كان خارج المصر أو

(۱) هدایه : ۱/۴۷ ۔

فیہ ... وجوازہ للمحدث قول بعض المشائخ والصحیح أنہ لا یجوز لہ التیمم " ( )

شیر خوار کے بیمار ہونے کے خوف سے تیمم

سوال:- میرا بچہ ابھی دو ماہ کا ہے، میں خود اسے دودھ پلاتی ہوں؛ کیوں کہ باہر کا دودھ اس کو موافق نہیں ہوتا ہے، بار بار غسل کرنے سے اس کو سردی، بخار ہو جاتا ہے؛ اس لئے ڈاکٹر مجھے فی الحال غسل کرنے سے منع کرتے ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے، کیا میں غسل کی بجائے تیمم کر سکتی ہوں؟

(شاذیہ سلطانہ، حبیب نگر)

جواب:- اگر کوئی شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا درست ہے، پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ پانی دستیاب ہی نہ ہو، دوسرے یہ کہ پانی موجود ہو، مگر اس کے استعمال سے بیماری کے بڑھ جانے یا معالج کی ہدایت کے مطابق بیمار پڑ جانے کا غالب امکان ہو، البتہ ایسی صورت میں اگر گرم پانی کے استعمال سے نقصان نہ ہو اور گرم پانی میسر ہو تو اس سے غسل کرنا چاہئے، گرم پانی نہ ملے تو تیمم کر سکتا ہے:

" من عجز عن استعمال الماء ... أو برد یھلک الجنب أو یمرضہ ولو فی المصر إذا لم تکن لہ أجرۃ حمام ولا ما یدفئہ " (۲)

فقہاء نے یہ حکم عام طور پر غسل کرنے والے کے بیمار ہونے کی نسبت سے لکھا ہے:

---

(۱) البحر الرائق :۱/۱۳۱

(۲) الدر المختار مع الرد :۱/۳۹۵-۳۹۸، باب التیمم

لیکن یہی حکم شیر خوار بچہ کا بھی ہوگا؛ کیوں کہ اس کی صحت کی حفاظت والدین کی ذمہ داری ہے، اور بچوں میں قوت مدافعت کم ہوتی ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی صحت کا زیادہ لحاظ رکھا جائے، —— لہٰذا آپ گرم پانی سے غسل کا اہتمام کریں، اور اگر اس کے باوجود بچہ پر مضر اثر پڑتا ہو اور مسلمان و معتبر معالج غسل کرنے کو نقصاندہ قرار دیتا ہو تو تیمم پر اکتفا کر سکتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سی خواتین سمجھتی ہیں کہ بچے کے پیشاب و پاخانہ کر دینے سے غسل واجب ہوتا ہے، یہ درست نہیں ہے، اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، جسم کے جس حصہ میں نجاست لگی ہو، اس کو دھو لینا اور نجاست لگے ہوئے کپڑے بدل لینا کافی ہے۔

ٹرین میں تیمم

سوال:- اگر ٹرین میں پانی ختم ہو جائے، جہاں پانی ملے گا، وہاں پہونچنے میں نماز کا وقت نکل جائے گا؛ لیکن ٹرین کے گذرتے ہوئے باہر پانی نظر آرہا ہے تو ایسی صورت میں کیا ٹرین میں تیمم کرنا درست ہوگا؟ اور تیمم کس چیز پر کیا جائے گا؟ یہ مسئلہ اکثر لوگوں کو سفر میں پیش آتا رہتا ہے۔ (علیم الدین، ملک پیٹ)

جواب:- اگر پانی میسر نہ ہو یا میسر ہو؛ لیکن استعمال پر قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے؛ لہٰذا اگر ٹرین میں پانی ختم ہو گیا اور قریب کے ڈبے جہاں تک جا سکتا ہے، وہاں بھی پانی موجود نہیں ہے اور قریب میں کوئی ایسا اسٹیشن بھی آنے والا نہیں ہے، جہاں اتر کر وضوء کیا جا سکے اور پانی لیا جا سکے اور وہاں ٹرین کے اتنی دیر رکنے کا امکان نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کیا جا سکتا ہے، رہ گیا ٹرین کے باہر پانی کا نظر آنا تو اس سے کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ پانی کا موجود ہونا وضوء کے واجب ہونے کی شرط نہیں، پانی پر قادر ہونا وضو کے واجب ہونے کی شرط ہے؛ اسی لئے فقہاء نے اس صورت میں بھی تیمم کی اجازت دی ہے،

جب پانی حاصل کرنے میں درندہ، جانور، سانپ کا یا دشمن وغیرہ کا خوف ہو کہ اس صورت میں پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمم کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

البتہ یہ ضروری ہے کہ ٹرین کی بیرونی دیوار پر تیمم کیا جائے، جو عام طور پر غبار آلود ہوتی ہے یا اندر کی دیوار غبار آلود ہو تو اس پر بھی تیمم کر سکتا ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریت سے بھی تیمم کی اجازت دی ہے اور فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور ٹرین کی دیواریں عام طور پر غبار آلود ہوتی ہیں، اگر آپ کسی صاف کپڑے یا ٹیشو پیپر سے دیواروں کو پونچھیں تو بآسانی ان کا غبار آلود ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔

حیاء کی وجہ سے تیمم

سوال:- میں حفظ کرتا ہوں، ایک دن مغرب کے بعد قرآن یاد کر رہا تھا کہ وضو ٹوٹ گیا، چوں کہ بہت بچے تھے؛ اس لئے شرم کی وجہ سے میں وضو نہیں کر سکا اور تیمم کر کے پڑھنا شروع کیا، سوچا کہ نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھ لیں گے، مگر اس وقت بھی وضو کرنا بھول گیا اور یوں ہی نماز ادا کر لیا، ایسی صورت میں میری نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟ (عبد الرحمن، دینگلور)

جواب:- اگر وضو ٹوٹنے کے بعد آپ قرآن مجید زبانی پڑھتے رہے ہوں اور قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگایا ہو تب تو آپ کا قرآن پاک پڑھنا درست ہوا، اگر آپ نے قرآن کو ہاتھ لگایا تو یہ بھی ایک نادرست عمل ہوا اور نماز پڑھنا تو بہر حال بغیر وضو کے بالاتفاق جائز نہیں، آپ نے خجالت کی وجہ سے وضو کے بجائے تیمم پر اکتفا کیا، یہ درست نہیں تھا، تیمم اس وقت جائز ہے جب یا تو پانی قریب میں موجود نہ ہو یا پانی موجود ہو؛ لیکن طبی اعتبار سے یا دشمن کے خوف کی وجہ سے وہ اس کے استعمال پر قادر نہ ہو، محض حیاء کی وجہ سے تیمم کر لینا درست نہیں؛

---

(۱) در مختار: ۱/۱۹۵

اس لئے آپ کا تیمم معتبر ہی نہیں ہوا، آپ کو چاہئے کہ اس نماز کی قضاء کرلیں۔ بے وضو قرآن مجید چھونے کے سلسلہ میں استغفار کریں اور آئندہ ایک شرعی مسئلہ میں بے جا حیاء سے کام نہ لیں، حیا تو گناہ کے کام کرنے میں ہونی چاہئے نہ کہ شریعت کے حکم پر عمل کرنے میں۔

ٹائیلس پر تیمم

سوال:- آج کل ٹائیلس کے مکانات کا بہت رواج ہوگیا ہے، دیواریں بھی ٹائیلس کی بنائی جاتی ہیں؛ تاکہ صاف ستھری رہیں، اور ان پر بار بار چونا کرانے کی ضرورت پیش نہ آئے، کیا ایسی دیوار پر تیمم کیا جاسکتا ہے اور کیا اس سلسلہ میں ایسی دیوار جس پر غبار ہو اور جس پر گرد و غبار نہ ہو، کے درمیان فرق ہے؟

(محمد احمد قاسمی، چار مینار)

جواب:- تیمم ہر ایسی چیز پر کیا جاسکتا ہے، جو زمین کی جنس سے ہو، یعنی اس میں زمین کے اندر پائے جانے والے اجزاء شامل ہوں اور انہیں معمول کی آگ میں جلایا جائے تو وہ نہ راکھ بن جائیں اور نہ پگھل جائیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ گرد آلود ہوں؛ اسی لئے چکنے پتھر پر بھی فقہاء نے تیمم کی اجازت دی ہے:

"... وبالحجر عليه غبار أو لم يكن، بأن كان مغسولا أو أملس "(۱)

ٹائلس کی یہی نوعیت ہے، اس کو جن اجزاء سے بنایا جاتا ہے، یعنی: سیمنٹ، چونا وغیرہ، وہ سب زمین کی جنس سے ہیں؛ اس لئے ان پر تیمم کرنا درست ہوگا، خواہ ان پر گرد و غبار لگا ہوا ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) فتاوی ہندیہ: ۲۶/۱

حیض ونفاس کا بیان

بیماری کا خون اور استنجاء

سوال:- میری ایک بہن کو مسلسل خون آتا رہتا ہے، انہوں نے نماز پڑھنے کے بارے میں معلوم کیا تو ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ وہ نماز کا وقت شروع ہونے کے وقت نیا وضو کر کے اسی حالت میں نماز ادا کرلیا کریں، ان کی طرف سے ایک سوال یہ ہے کہ چوں کہ خون کے قطرات آتے رہتے ہیں تو کیا انہیں نماز سے پہلے استنجاء بھی کرنا ہوگا؟ (شہناز خانم، گلبرگہ)

جواب:- شریعت میں قدرت اور مجبوری کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں اور جب کوئی مجبوری درپیش ہوتی ہے تو رعایتی احکام دیئے جاتے ہیں، جسم سے خون کا نکلنا ناقض وضوء ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب بھی خون نکلتا، نیا وضوء کرنا ضروری ہوتا؛ لیکن چوں کہ یہ بیماری کا خون ہے، جسے استحاضہ کہتے ہیں اور یہ مسلسل یا معمولی وقفہ کے ساتھ آتا رہتا ہے، اگر ہر بار وضو کا حکم دیا جائے تو سخت دشواری پیش آئے گی؛ اس لئے شریعت میں ایک پورے وقت کی نماز کے لئے ایک وضو کو کافی قرار دیا گیا، (۱) رسول اللہ ﷺ کی اس سلسلہ میں واضح ہدایات موجود ہیں؛ چوں کہ بار بار استنجاء واجب قرار دینے میں دشواری ہے؛ اس لئے

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۱۲۹

فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی عورت پر استحاضہ کے خون کی وجہ سے استنجاء واجب نہیں ہوگا، ہاں جب پیشاب، پاخانہ کی نوبت آئے تو اس وقت استنجاء کرے گی:

المستحاضة لا يجب عليها الاستنجاء وقت كل صلاة إذا لم يكن منها بول أو غائط (۱)

نماز ادا کرنے کے لئے اس کے بعد وضوء کرنا ضروری ہوگا، جو ایک پورے وقت نماز کے لئے کافی ہوگا۔

استحاضہ اور اس کا حکم

سوال:- فقہ وشریعت کی زبان میں استحاضہ کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں؟

(قاری ایم، ایس، خان، مہدی پٹنم)

جواب:- عورتوں کو حیض ونفاس کے علاوہ جو خون آئے، اسے ''استحاضہ'' کہتے ہیں، یہ خون بیماری کی بنا پر آتا ہے اور اس کا آنا غیر فطری ہے، استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد تازہ وضو کیا جائے، اس کے بعد جب تک نماز کا وقت گذر نہ جائے، اگر کوئی اور ناقض وضو پیش نہ آئے تو اسے باوضو سمجھا جائے گا، اسی حالت میں خواتین نماز پڑھیں گی، روزہ رکھیں گی، قرآن مجید کو چھونا اور اس کی تلاوت کرنا ان کے لئے جائز ہوگا، اس حالت میں طواف کرنا بھی درست ہوگا اور شوہر وبیوی کا خصوصی تعلق بھی جائز ہوگا۔ (۲)

حالت حمل میں آنے والا خون

سوال:- میری بہن حمل کی حالت میں ہے، جب کہ اس کا شوہر اس کو طلاق دے چکا ہے، حمل کی حالت میں ہی اسے دوبار تین تین دن خون آچکا ہے اور کمزور ہونے کی وجہ سے اس کو اندیشہ ہے

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۴۹ (۲) بدائع الصنائع: ۱/۵۶

کہ شاید کہیں پھر خون آ جائے، ایسی صورت میں کیا اس کی عدت گزر جائے گی یا ولادت تک وہ عدت ہی کی حالت میں شمار کی جائے گی؟

(شاہدہ پروین، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- فطرت کا نظام یہ ہے کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو ماہواری کا خون آنا بند ہو جاتا ہے، اور اسی خون سے زیر حمل جنین کی نشو و نما ہوتی ہے: اس لئے حیض کا خون جو فطری طور پر ہر ماہ آیا کرتا ہے، وہ زمانہ حمل میں نہیں آتا، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حالت حمل میں اگر کسی عورت کو خون آئے تو وہ حیض کا خون نہیں ہے، استحاضہ یعنی بیماری کا خون ہے: "ودم الحامل ليس بحيض وإن كان ممتدا عندنا" (۱)؛ اس لئے اس خون کے درمیان تازہ وضوء کرکے نماز بھی ادا کی جائے گی، اگر رمضان کا مہینہ ہے تو اس کے لئے روزہ ترک کرنا ضروری نہ ہوگا اور جب تک ولادت نہ ہو جائے، عدت نہیں گزرے گی۔

نماز میں یا نماز کے آخری وقت میں حیض شروع ہو جائے؟

سوال:- ظہر کا وقت شروع ہو چکا تھا؛ بلکہ وقت ختم ہونے کے قریب تھا، میرا ارادہ نماز ادا کرنے کا تھا کہ اسی درمیان مجھے ایام شروع ہو گئے، تو کیا ایسی صورت میں نماز کی قضاء لازم ہوگی؟ اسی طرح اگر نماز شروع ہونے کے بعد یہ صورت حال پیش آجائے تو اس وقت عورت کے لئے کیا حکم ہوگا؟ (ر تہمین، نولی چوکی)

جواب:- نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اگر عورت معذور ہو گئی ہو؛ حالاں کہ اس سے پہلے اتنا وقت گزر چکا کہ اگر وہ نماز ادا کرتی تو مکمل ہو جاتی، یا اسی طرح اگر نماز شروع کرنے کے بعد عذر پیش آگیا؛ حالاں کہ اس نے تاخیر سے نماز شروع کی تو اس وقت کی نماز کی قضاء واجب نہیں ہوگی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (۲)؛ البتہ اگر نفل نماز شروع کی،

(۱) بدائع الصنائع ۱۵۹/۱

(۲) الفتاوى الهندية ۱۳۱/۱، باب قضاء الفوائت

اور درمیان میں حیض شروع ہو گیا تو پاک ہونے کے بعد اس نماز کی قضا کرنی پڑے گی۔

ماہواری اور نماز

سوال:- (الف) میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی ماہواری کے بعد پاکی محسوس کرے تو اس پر نماز فرض ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر نماز پڑھ لینے کے بعد پھر سے ناپاکی کے آثار ظاہر ہوں، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(ب) اگر کوئی نماز پڑھنے میں دیر کرے اور اس پر ماہواری ظاہر ہو جائے تو کیا وہ لڑکی یا عورت گنہگار ہوگی؟

(شبانہ بیگم، مہدی پٹنم)

جواب:- (الف) ماہواری رُک جانے کے بعد اگر دوبارہ شروع ہو جائے تو اسے نماز روک دینی چاہئے، اگر دس دن یا اس کے اندر پھر خون رُک جائے تو یہ پورے ایام ماہواری ہی کے سمجھے جائیں گے، اور اگر دس دن سے متجاوز ہو جائے تو اگر پہلے سے اس کا کوئی ماہانہ معمول مقرر نہ ہو، تب تو پورے دس دن حیض کے شمار کئے جائیں گے، اس لئے اس کے بعد غسل کر لے اور ہر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد تازہ وضو کر کے نماز ادا کر لے؛ کیوں کہ شرعاً وہ معذور کے حکم میں ہے، اور اگر اس کا کوئی معمول مقرر ہو اور خون کا سلسلہ دس دنوں کے بعد بھی قائم ہے تو جتنے دن ماہواری کا معمول تھا، اتنے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور باقی ایام استحاضہ کے، لہٰذا ان باقی ایام کی نمازوں کی قضا کرنی ہوگی۔

(ب) اگر نماز کے ابتدائی وقت میں نماز ادا نہیں کی اور آخر وقت میں ماہواری شروع ہو گئی، تو اس نماز کی قضا واجب نہیں ہوگی اور چوں کہ نماز اول وقت ہی میں پڑھنا واجب نہیں ہے، وقت کے اندر رہتے ہوئے تاخیر سے بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے؛ اس لئے ان شاء اللہ گنہگار بھی نہیں ہوں گی۔

"إذا حاضت في الوقت أو نفست سقط فرضه ، بقي من الوقت ما يمكن ان تصلي فيه أولا الخ" ۔ (۱)

حائضہ پر روزہ کی قضاء ہے اور نماز کی کیوں نہیں؟

سوال:- میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے کہ رمضان المبارک کا روزہ بھی فرض ہے اور نماز بھی فرض عبادت ہے ، پھر ایسا کیوں ہے کہ عورتوں کو حالت حیض میں نماز پڑھنا معاف ہے ؛ لیکن روزہ کی قضاء کرنی پڑتی ہے؟ (ایک بہن ، جگتیال)

جواب:- اول تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام پر بغیر سمجھے بھی عمل کرنا ضروری ہے ، شریعت کے ہر حکم کو عقل کی ترازو میں تولنا نہیں چاہئے ؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ دانائے مطلق ہے اور انسان کا علم اسی درجہ کوتاہ اور ناقص ؛ چنانچہ یہی سوال ایک خاتون نے ام المومنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا ، تو آپ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ جیسے حضور ﷺ نے حکم دیا ، اس کے مطابق ہم لوگوں نے عمل کیا ۔ (۲) دوسرے اس کی مصلحت بھی بہت واضح ہے ، حیض کی نوبت ہر ماہ میں آتی ہے اور نماز سال بھر فرض رہتی ہے ، حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کو دیکھا جائے تو ہر ماہ عورتوں کو پندرہ تا پچاس نمازوں کی قضا کرنی پڑتی اور ظاہر ہے کہ یہ دشواری کا باعث ہوتا ، روزے صرف ایک ماہ کے فرض ہیں ، اس لئے سال بھر میں صرف تین سے دس روزوں کی قضاء کرنی واجب ہوتی ہے اور اتنے روزوں کی قضاء باعث مشقت نہیں ۔

ناکمل حمل ساقط ہونے کے بعد آنے والا خون

سوال:- اگر عورت کا ناکمل حمل ساقط ہو جائے تو اس

(۱) هنديه :۱/۳۸، الفصل الرابع في أحكام الحيض
(۲) دیکھئے : بخاری حدیث :۳۲۱ ، مسلم حدیث :۳۳۵

کے جسم سے آنے والا خون کیا نفاس سمجھا جائے گا اور اس کے بعد
چالیس دنوں تک نماز، روزہ کی ممانعت ہوگی؟

(رخسانہ عادل، ٹولی چوکی)

جواب:- اگر کامل الخلقت بچہ پیدا ہو، گو مردہ ہو یا اس میں اعضاء بن گئے ہوں، جیسے انگلی، ناخن، بال وغیرہ موجود ہوں، تب تو وہ بچہ کی ولادت کے حکم میں ہے، اس کے بعد آنے والا خون نفاس سمجھا جائے گا اور جب تک عورت صاف ستھری نہ ہو جائے: یعنی مکمل طور پر خون آنا نہ بند ہو جائے یا چالیس دن نہ گزر جائیں، اس کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا، اگر خون آنا پوری طرح بند ہوگیا ہو تو اگر چہ چالیس دن نہیں گذرے ہوں، پھر بھی اسے نماز پڑھنی ہوگی اور اگر حمل اس حالت میں ساقط ہوا کہ بچہ کے اعضاء بھی نہیں بنے ہیں تو یہ نفاس کا خون شمار نہیں کیا جائے گا، اگر اس کے معمول کے لحاظ سے ماہواری کا زمانہ ہو تو حیض کا خون ہوگا ورنہ استحاضہ کا، اور استحاضہ کی حالت میں نماز، روزہ وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے۔(۱)

اسقاط حمل کے بعد کا حکم

سوال:- کیا تین یا چھ یا اس سے زیادہ ماہ کے اسقاط حمل کے بعد عورت غسل کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ کیا ایسی صورت پر نفاس کے خون کے شرعی احکامات کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟

(قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر حمل صرف گوشت کا لوتھڑا ہی نہیں تھا؛ بلکہ کچھ اعضاء بننے لگے تھے، تو حمل کے ساقط ہونے کا حکم ولادت کا ہے، اس کے بعد جو خون آئے، وہ نفاس کا خون سمجھا جائے گا:

"السقط إذا استبان بعض خلقه فهو مثل الولد التام

---

(۱) دیکھئے: فتاوی ھندیہ ۱/۳۷

یتعلق به أحکام الولادة من انقضاء العدة، وصیرورة المرأة نفساء"(۱)

چھ ماہ کی مدت میں بعض اوقات زیر حمل بچہ کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے اور تین ماہ میں بھی بہت سے اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں؛ اس لئے تین ماہ یا چھ ماہ یا اس سے زائد میں حمل ساقط ہو تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہی سمجھا جائے گا۔

جڑواں بچوں کی صورت میں نفاس کی ابتدا

سوال:- اگر کسی حاملہ کو نو مہینے کے اندر اندر آگے پیچھے دو بچے پیدا ہوں، تو نفاس کی مدت کا اعتبار پہلے بچہ سے کیا جائے گا یا دوسرے بچے سے؟ جب کہ دوسرے بچہ کی پیدائش ۲۰/ دن بعد ہوئی ہے، نیز حالت نفاس میں نماز و روزہ کا کیا حکم ہے؟　　(قاری ایم ایس خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- اگر عورت کو کسی قدر فصل کے ساتھ ایک ہی حمل سے دو بچے پیدا ہوں، تو پہلے بچہ کے بعد ہی نفاس شروع ہو جائے گا اور اسی وقت سے مدت نفاس کا شمار ہوگا:

"ونفاس التوأمین من الأول … وهذا عند أبي حنیفةؒ وأبي یوسفؒ : لأن بالأول ظهر انفتاح الرحم ، فکان المرئي عقبه نفاساً" (۲)

نفاس کی حالت میں نماز فرض نہیں رہتی؛ اس لئے نہ نمازیں نفاس کے دوران ادا کی جائیں گی اور نہ بعد میں قضاء کی جائیں گی، روزہ بھی نفاس کی حالت میں رکھنا جائز نہیں اور رکھ لیا جائے تو معتبر نہیں؛ البتہ روزے معاف نہیں ہوں گے، بعد میں قضاء کرنی ہوگی، حدیث میں یہ احکام صراحت و وضاحت کے ساتھ آئے ہیں اور فقہاء نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱)　بدائع الصنائع : ۱/۱۶۲　　(۲)　البحر الرائق : ۱/۳۸۱

(۳)　دیکھئے : مراقی الفلاح ، ص : ۹۴

ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- بعض لڑکیاں حالت ناپاکی یعنی حیض میں رہ کر ہاتھوں میں دستانے (کپڑوں کے) پہن کر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہیں، پوچھنے پر یہ کہتی ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

(حافظ انجم آرا، سعادت نگر)

جواب:- دستانے پہن کر قرآن مجید کو چھونا اور پکڑنا تو ان لڑکیوں کے لئے جائز ہے، جو ناپاکی کی حالت میں ہیں، لیکن قرآن مجید کا پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حائضہ اور جنبی قرآن کریم نہ پڑھ سکتی ہیں اور نہ چھو سکتی ہیں:

" لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن " (۱)

البتہ طالبات کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ایک آیت سے کم مقدار پڑھ لیا کریں، تاکہ ان کی تعلیم کا مستقل حرج نہ ہو:

" ذكر الطحاوي رحمه الله تعالى :إنها إنما تمنع عن قراءة آية تامة ولا تمنع عن قراءة ما دون ذلك "(۲)

لہذا دستانے پہن کر حالت حیض میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔

ناپاکی کی حالت میں قرآنی وظائف کا پڑھنا

سوال:- کیا ناپاکی کی حالت میں خواتین قرآنی وظائف اور درود شریف پڑھ سکتی ہیں؟ (ام جنید، مقام غیر مذکور)

جواب:- ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کی ممانعت ہے، دوسرے اذکار،

---

(۱) جامع ترمذی، عن ابن عمر ﷺ، حدیث نمبر:۱۳۱، باب ماجاء في الجنب والحائض: أنهما لا يقرآن القرآن

(۲) المبسوط :۱-۲/۱۵۲، فصل في الأحكام التي تتعلق بالحيض

درود شریف اور دعاؤں کے پڑھنے کی ممانعت نہیں؛ اس لئے آپ درود شریف تو پڑھ ہی سکتی ہیں، اگر قرآن مجید کی کوئی آیت یا سورت دعاء پر مشتمل ہو اور اسے آپ دعاء کی نیت سے پڑھیں، نہ کہ تلاوت قرآن کی نیت سے، تو یہ بھی جائز ہے؛ چنانچہ فقہاء نے بہ طور دعاء کے حالت حیض وغیرہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے۔

" فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء أو شيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراءة لا بأس به " (۱)

اسی طرح قرآن مجید کے کسی فقرہ کو بہ طور ذکر کے بھی حالت حیض و نفاس یا حالت جنابت میں پڑھا جا سکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ''الحمد للہ'' کہنا یا کھانے وغیرہ کے موقعہ پر ''بسم اللہ'' کہنا:

" ... إلا أن يقصد بما دون الآية مثل أن يقول : الحمد لله ، يريد الشكر أو بسم الله عند الأكل أو غيره : فإنه لا بأس به " (۲)

مسجد بیت میں ناپاکی کی حالت میں بیٹھنا

سوال:- کیا خواتین ایسی جگہ پر جہاں نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے، وہاں بیٹھ سکتی ہیں، جب کہ وہ ناپاکی کی حالت میں ہوں؟

(ام ناز، مقام غیر مذکور)

جواب:- عام حالات میں خواتین جہاں پر نماز ادا کرتی ہوں یا جس جگہ کو انھوں نے نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، وہاں پر نماز کے اوقات میں بیٹھنا نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحب ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ حائضہ عورت کے لئے بہتر ہے کہ ہر نماز کے نئے وضو

(۱) رد المحتار ۱/۴۸۸

(۲) الفتاوی الهندية ۱/۳۸

کرے اور جتنا وقت اس کے نماز ادا کرنے میں لگتا تھا، اتنی دیر مصلی پر بیٹھ کر "سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلا الله، والله اکبر" پڑھتی رہے:

"ویستحب أن تتوضأ لکل صلاۃ وتقعد علی مصلاها، تسبح وتهلل وتکبر بقدر أدائها" (۱)

یہ تو آپ کے سوال کا ایک پہلو ہے، اور اگر آپ کا مقصد یہ جاننا ہو کہ عام حالات میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، کیا اس کی حیثیت مسجد کی ہے اور کیا حالت ناپاکی میں وہاں بیٹھنا جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ گھر میں جو جگہ نماز کے لئے استعمال ہو، جس کو اصطلاح میں "مسجد بیت" بھی کہتے ہیں، اس کی حیثیت مسجد شرعی کی نہیں ہوتی، اور وہاں بہ حالت ناپاکی بیٹھنا بھی جائز ہے، اگر جائز نہ ہوتا تو اس حالت میں فقہاء نے وہاں بیٹھ کر تسبیح پڑھنے کی تلقین نہ کی ہوتی؛ اس لئے بہ حالت ناپاکی وہاں یوں بھی بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) رد المحتار: ۲۸۶/۱، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندیة: ۳۸/۱

کتاب الفتاوی

ساتواں حصہ

کتاب الصلاۃ

نماز سے متعلق مسائل

نماز کے اوقات

ہندوستان میں امریکی وقت کے لحاظ سے نماز ادا کرنا

سوال:- ایک صاحب اپنے گھر میں ساڑھے گیارہ بجے باآواز بلند نماز پڑھ رہے تھے، میں نے بعد میں پوچھا کہ آپ یہ کون سی نماز پڑھ رہے تھے، کیوں کہ امریکہ میں یہ وقت نماز فجر کا ہے، حالاں کہ وہ خود ہندوستانی ہیں اور ہندوستان میں نماز ادا کررہے ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت فرمادیں تو مناسب ہے۔

(محمد سراج الدین، میدک)

جواب:- عبادتوں کے اوقات میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں عبادت کی جارہی ہے، جب وہ صاحب ہندوستان میں مقیم ہیں، تو ان کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستانی وقت کے مطابق ہی نماز پڑھیں، امریکہ یا کسی اور ملک یہاں تک کہ حرمین شریفین کے اوقات کی رعایت کرتے ہوئے بھی نماز ادا کرنا درست نہیں ہوگا، عجب بات ہے کہ لوگوں کے ذہن پر امریکہ اتنا غالب ہے کہ اب عبادتوں کے لئے بھی امریکہ مرجع بن گیا ہے۔

انتہاء وقت سحر کے بعد نماز فجر

سوال:- آپ نے رمضان المبارک کے پہلے جمعہ میں بتایا ہے کہ انتہاء سحر کا جو وقت دکن کے نظام الاوقات میں لکھا ہوا ہے،

اسی پر سحری ختم کر دینی چاہئے، البتہ دس منٹ احتیاطی ہیں، اس کے بعد بھی دس منٹ کے اندر اندر کچھ کھانے پینے کی گنجائش ہے، مشکل یہ ہے کہ اس دس منٹ کے بعد پھر بارہ منٹ کا وقفہ ہے، گویا مجموعی وقفہ ۲۲ منٹ کا ہے، جو طویل وقفہ ہے، بعض لوگوں کو نیند کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اتنا انتظار نہیں کر پاتے اور فجر کی نماز چھوڑ کر سو جاتے ہیں، تو کیا انتہاء سحر کے لکھے ہوئے وقت کے دس منٹ بعد فجر کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (شمیم اختر، بیگم پیٹ)

جواب:- پروفیسر مولوی عبد الواسع صاحب مرحوم — جن کا مرتب کیا ہوا نظام الاوقات مروج ہے، اور لوگوں کا اس پر عمل ہے — نے خود اپنی کتاب میں صراحت کی ہے کہ انتہاء سحر اور ابتداء فجر کے درمیان ۲۲/ منٹ احتیاطی طور پر رکھے گئے ہیں، جس میں انتہاء سحر کے وقت کو احتیاطاً دس منٹ مقدم رکھا گیا ہے، اور ابتداء فجر کو احتیاطاً ۱۲/ منٹ مؤخر کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انتہاء سحر کے لکھے گئے وقت کے دس منٹ بعد ہی سے فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص اس دس منٹ کے بعد نماز فجر ادا کر لے تو کوئی حرج نہیں، بالخصوص اگر نماز کے قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہو تب تو نماز ادا کر ہی لینی چاہئے۔

عذر کی وجہ سے مثل اول پر نماز عصر کی ادائیگی

سوال:- بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کو آپریشن تھیٹر میں جانا پڑتا ہے، اس وقت ایک مثل ہو چکا ہوتا ہے، اب غروب آفتاب سے پہلے وہ تھیٹر سے باہر نہیں نکل سکتے، یہی صورت حال بعض لوگوں کو انٹرویو دینے میں پیش آتی ہے، یا جہاز کے سفر میں پیش آتی ہے کہ اگر ایک مثل پر نماز عصر ادا نہیں کی گئی تو عصر کے قضاء ہو جانے کا امکان ہوتا ہے، یہی مسئلہ حرمین شریفین میں پیش آتا ہے، جہاں عصر کی نماز دو مثل سے پہلے ادا کی جاتی ہے، ان صورتوں میں

کیا مثل اول کے بعد عصر کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، یہاں ایک عالم صاحب ہیں، وہ بہت ہی شدت سے اس کی مخالفت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ دو مثل سے پہلے عصر کی نماز ہوتی ہی نہیں ہے؟

(قاری شبیر احمد، بمبئی)

جواب:- نماز کے اوقات تین طرح کے ہیں، جائز، مستحب، مکروہ، —— جائز سے مراد وہ پورا وقت ہے کہ اگر اس میں نماز ادا کی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے، چنانچہ جائز اوقات کی تحدید سے متعلق بعض مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ایسے ہی مسائل میں نماز ظہر و عصر بھی ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے، یعنی اگر سایۂ اصلی کے علاوہ انسان کے قد کے برابر کا سایہ ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہی رائے فقہاء احناف میں امام ابو حنیفہؒ کے دو ممتاز تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے، اس سلسلہ میں بعض احادیث بالکل واضح اور صریح ہیں، جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کہ اوقات نماز کی وضاحت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دنوں آپ ﷺ کی امامت فرمائی، پہلے دن ظہر کی نماز آفتاب کے ڈھلنے کے ساتھ ہی پڑھی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی، جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا، دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل سایہ ہونے کے قریب ادا فرمائی اور عصر کی نماز دو مثل سایہ ہونے کے بعد:

"فصلى الظهر في الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله" (۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے ایک سوال کرنے والے کے سامنے نماز کے ابتدائی اور انتہائی اوقات کی وضاحت کے لئے پہلے دن اول وقت نماز ادا کی اور دوسرے دن آخر وقت میں: چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پہلے دن نماز عصر اس وقت ادا کی، جب انسان کا سایہ اس کے اصل قد سے بڑھ گیا،

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة عن النبي ﷺ، حدیث نمبر: ۱۴۹

یعنی ایک مثل ہونے کے بعد:

"ثم أذن للعصر حين ظننا أن ظل الرجل أطول منه" (۱)

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے، تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مثل اور دو مثل کے درمیان کا وقت دونوں نمازوں کے درمیان مشترک ہے، چوتھی رائے ہے کہ ایک مثل سے دو مثل تک کا وقت مہمل ہے، اس میں نہ ظہر کی نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ عصر کی، اس تیسرے اور چوتھے نقطۂ نظر کو تو امت میں کبھی قبولیت نہیں حاصل ہوئی اور یہ بعض فقہاء کی طرف منسوب شاذ اقوال ہیں، جن کا اعتبار نہیں، مگر دوسرا قول یعنی دو مثل سے پہلے پہلے تک ظہر کا وقت اور دو مثل سے عصر کا وقت ہونا امام ابوحنیفہ کا قول مشہور ہے، اس سلسلہ میں کوئی صریح یا واضح روایت تو موجود نہیں؛ البتہ بعض احادیث میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے؛ اسی لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد؛ تاکہ نماز کے درست ہونے میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے:

"والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلاتين في وقتها بالإجماع" (۲)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ امام صاحب کا قول مشہور وہی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا؛ لیکن اس سلسلہ میں آپ سے متعدد روایتیں منقول ہیں، حسن بن زیاد نے آپ سے نقل کیا کہ آپ کا نقطۂ نظر اس سلسلہ میں جمہور ہی کے مسلک کے مطابق ہے، یعنی ایک مثل تک ظہر کا وقت اور اس کے بعد عصر کا وقت، چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة: إذا صار ظل

---

(۱) طبرانی في الأوسط، حدیث نمبر: ۱۲۸۷ (۲) رد المحتار: ۲/۱۵

کل شيء مثله سوی فيء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر " (۱)

امام ابوحنیفہؒ کا ایک اور قول یہ ہے کہ ایک مثل اور دو مثل کے درمیان کا وقت مہمل ہے، یہ قول امام صاحب سے اسد بن عمرو اور علی بن جعد نے نقل کیا ہے اور ممتاز حنفی فقیہ امام کرخیؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، (۲)— نیز امام ابو یوسفؒ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق منقول ہے۔ (۳)

رہ گئی یہ بات کہ امام صاحبؒ کے ان تین اقوال میں راجح کون سا ہے؟ تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے، عام طور پر احناف کی متون میں دو مثل سے پہلے پہلے ظہر کا وقت رہنے اور دو مثل سے عصر کا وقت شروع ہونے کا قول نقل کیا گیا ہے اور اس کو ترجیح دی گئی ہے، علامہ شرنبلالیؒ نے لکھا ہے کہ یہی قول صحیح ہے اور مشائخ اور متون اسی پر ہیں: " وهو الصحيح وعليه جل المشائخ والمتون " (۴)— دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز ظہر کا وقت ایک مثل سے پہلے پہلے تک ہے اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس کے قائل ہیں، صاحبینؒ کے علاوہ یہی رائے امام زفرؒ کی ہے، امام طحاویؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے اور علامہ حصکفیؒ نے فقہ حنفی کی بعض کتابوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اسی پر فی زمانہ لوگوں کا عمل ہے اور اس لئے فتویٰ بھی اسی پر ہے:

" وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة ، قال الإمام الطحاوي : به نأخذ ، وفي غرر الأنكار : وهو المأخوذ به ، وفي البرهان : وهو الأظهر ، لبيان جبرئيل عليه السلام وهو نص في الباب ، وفي الفيض : وعليه عمل الناس اليوم ، وبه يفتى " (۵) فقول الطحاوي : وبقولهما نأخذ ، لا يدل على أنه المذهب " (۶)

---

(۱) عنایہ: ۱/۱۹۳ (۲) حوالۂ سابق (۳) دیکھئے: فتح القدیر: ۱/۲۱۹

(۴) مراقي الفلاح: ۹۳ (۵) الدر المختار: ۲/۱۵-۱۳ (۶) رد المحتار: ۲/۱۴

ممتاز حنفی فقیہ علامہ طحطاویؒ نے بھی لکھا ہے کہ جمہور حنفیہ نے امام صاحبؒ کے اس قول یعنی ایک مثل سے نمازِ عصر کے وقت کے شروع ہونے کے قول کو صحیح قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ امام طحاویؒ کا یہ کہنا کہ ہم صاحبینؒ والے قول کو اختیار کررہے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ اصل مذہب حنفی یہی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

" صححه جمهور أهل المذهب ، وقول الطحاوي ، وبقولهما نأخذ ، يدل على أنه المذهب ، وفي البرهان : قولهما هو الأظهر ، فقد اختلف الترجيح " (۱)

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱) اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے تین اقوال منقول ہیں۔

۲) امام صاحب کا کون سا قول راجح ہے؟ اس میں خود فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے، ایک رائے کے مطابق دو مثل والا قول راجح ہے، چوں کہ اس کو متون کی کتابوں نے نقل کیا ہے، اس لئے اس کو زیادہ شہرت حاصل ہوگئی۔

۳) بہت سے مصنفین اور محقق علماء احناف نے ایک مثل والی روایت کو ہی ترجیح دیا ہے، ممتاز حنفی محدث امام طحاویؒ اسی کے قائل ہیں، صاحب برہان نے اس قول کو زیادہ ظاہر کہا ہے، غرر الاذکار میں کہا گیا ہے کہ اسی قول کو لیا جائے گا، صاحب فیض نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس پر لوگوں کا تعامل ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، علامہ طحطاوی کہتے ہیں کہ جمہور احناف نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

۴) یہ دوسرا قول ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا تو ہے ہی، حنفیہ میں بھی امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام طحاویؒ جیسے ائمہ ومشائخ کا ہے۔

۵) ظاہر حدیث سے موافقت کی وجہ سے بھی خود بعض فقہاء حنفیہ نے اس قول کو زیادہ ظاہر قرار دیا ہے، گویا دلیل کے اعتبار سے بھی یہ رائے زیادہ قوی ہے، علامہ نیموی کو

(۱) حاشية الطحطاوي : ۹۴-۹۵

احناف کے نقطۂ نظر کی ترجمانی میں جو مقام اور درجہ حاصل ہے، کوئی صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا مگر اس کے باوجود اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صحیح یا ضعیف "صریح" حدیث ایسی نہیں پائی، جو دو مثل تک نماز ظہر کا وقت ہونے کو بتاتی ہو:

"وإني لم أجد حديثاً صريحا صحيحا أو ضعيفا يدل على أن وقت الظهر إلى أن يصير الظل مثليه وعن الإمام أبي حنيفة فيه قولان" (۱)

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نماز کے قضاء ہو جانے کا اندیشہ ایک واقعی مجبوری ہے؛ کیوں کہ اس کے گناہ ہونے پر تو تمام ہی فقہاء متفق ہیں، بعض اہل علم تو تارک صلاۃ کو واجب القتل قرار دیتے ہیں، جیسے امام احمد بن حنبل؛ اور ضرورت کی بناء پر ایک فقیہ سے دوسرے فقیہ کے قول کی طرف عدول کرنا یا مذہب کے قول ضعیف پر فتوی دینا جائز ہے اور تقلید کے منافی نہیں، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا" (۲)

کیوں کہ مختلف فیہ مسائل میں ایک نقطۂ نظر سے دوسرے نقطۂ نظر کی طرف جانا دین سے دین کی طرف ہجرت کرنا ہے نہ کہ بے دینی کی طرف، بخصوص اس صورت میں کہ وہی دوسرا قول نص سے مؤید ہو اور اس قول کو بہت سے اہل علم نے ترجیح بھی دیا ہو، اس لئے اگر دو مثل کا انتظار کرنے میں کسی وجہ سے نماز عصر کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا حرمین شریفین کی جماعت سے محروم ہو جانے کا امکان ہو تو جمہور کے قول اور خود امام صاحب کے دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھ لینا بغیر کسی شبہ و تامل کے جائز ہے اور اس مسئلہ میں شدت بے جا غلو ہے۔ هذا ما عندي، والله أعلم بالصواب، وعلمه أتم وأحكم

---

(۱) آثار السنن ۵۳ (۲) رد المحتار ۱: ۲۸۴، باب الحيض

مکروہ اوقات

عصر کے بعد قضاء عمری

سوال:- عصر کی نماز کے بعد قضاء عمری کی نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتے ہیں تو کن کن اوقات میں ممنوع ہے؟ (احمدی بیگم، حافظ بابا نگر)

جواب:- عصر اور فجر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ طلوع شمس، استواء شمس اور غروب شمس کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔

"ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له إلا ثلاثة وقت طلوع الشمس و وقت الزوال و وقت الغروب فإنه لا تجوز الصلاة في هذه الأوقات" (۱)

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان نفل

سوال:- کیا فجر کی سنتوں اور فرض نماز کے درمیان وقت ملے تو نوافل ادا کر سکتے ہیں؟ (احمد سعید اللہ، مجر پال)

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۱۴۱

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان کوئی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے فقہاء نے اس وقت کسی نفل کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے:

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل ..... منها بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر ويكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر" (۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية : ۵۲/۱

اذان اور اقامت کا بیان

اذان میں کان میں انگلی رکھنا

سوال:- اذان میں کان میں انگلی رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر مسجد میں اذان نہ دی جارہی ہو، بلکہ سفر میں چند ساتھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں، بلند آواز سے اذان دینے کی ضرورت نہیں ہو، تو کیا وہاں بھی اذان دیتے ہوئے کانوں میں انگلیں رکھنی چاہئیں؟ (سلطان حمید الدین یاقوت پورہ)

جواب:- اذان کے دوران کان میں انگلی رکھنا مستحب ہے، اس کا مقصد آواز کو بلند کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حضرت بلال ؓ کو اسی مقصد کے لئے کان میں انگلی رکھنے کا حکم فرمایا تھا:

" إذا أذنت فاجعل إصبعك في أذنيك ، فإنه أرفع لصوتك " (۱)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ترغیبی حکم کی ہے؛ کیوں کہ اذان کے اصل مقصد سے اس کا تعلق نہیں؛ اس لئے فقہاء نے اس کو مستحب کے درجہ میں رکھا ہے:

" ويجعل ندب إصبعيه في صماخ أذنيه ، فأذانه

---

(۱) المعجم الکبیر ، عن بلال ؓ ، حدیث نمبر: ۱۰۴۷

بدونه حسن " (۱)

لیکن مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ظاہری اور صوری اعتبار سے بھی سنت نبوی پر اپنے آپ کو قائم رکھیں؛ اس لئے چاہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ چند دوستوں کے لئے اذان دی جائے، تب بھی کانوں میں انگلی رکھ لینا ہی مستحب ہوگا۔ واللہ اعلم

اذان مسجد کے اندر یا باہر؟

سوال:- نماز پنج گانہ کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجد کے اندر اذان دینی چاہیے یا مسجد کے باہر؟ (عبدالسلام، بیدر)

جواب:- عام نمازوں کے لیے مسجد کے باہر اذان دینا بہتر ہے، عبد اللہ بن سعیان کا بیان ہے کہ اذان میں سنت طریقہ مینارہ پر اذان دینا ہے اور اقامت کا مسجد میں کہنا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی عمل تھا؛ (۲) چنانچہ فقہاء نے اذان خانہ پر یا مسجد سے باہر اذان دینے کو بہتر قرار دیا ہے اور مسجد میں اذان دینے کو ناپسند کیا ہے۔

"وينبغى أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ، ولا يؤذن في المسجد" (۳)

مغرب سے پہلے نماز

سوال:- میں مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گیا، اذان کے لئے صرف دو منٹ باقی تھے، اتنے میں ایک صاحب جو پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، آکر نماز کے لئے رکعت باندھی، صرف دو رکعت ہی ہوئی تھی کہ مغرب کی اذان شروع ہوئی،

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۷۰، باب الأذان

(۲) إعلاء السنن ۲/۸۴، بحواله مصنف ابن ابی شیبه

(۳) هندیه ۱/۵۵

موصوف نے جلدی سے زحمت دا کر لی، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغرب کی نماز کی اذان سے پہلے کوئی بھی نماز چاہے وہ قضاء نماز ہو ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں، اور موصوف کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(محمد شرف الدین قریشی، یاقوت پورہ)

جواب :- مغرب کا وقت شروع ہونے سے پہلے کا وقت مکروہ ہے، اس وقت صرف اس دن کی عصر اگر ادا نہ کی ہو تو ادا کرنے کی گنجائش ہے، باقی نفل و فرض نمازیں پڑھنا درست نہیں، اور اگر مغرب کا وقت شروع ہو چکا تھا تب بھی مغرب کی فرض سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت نہیں، اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ بھی مکروہ ہے، لیکن بعض محقق اہل علم نے دو رکعتوں کو مباح قرار دیا ہے:

"وأفاد في الفتح وأقره في الحلية والبحر أن صلاة ركعتين إذا تجوز فيهما لا تزيد على اليسير فيباح فعلهما" (۱)

ایک مؤذن، دو مسجدیں

سوال:- میں ایک مسجد میں اذان دیتا ہوں، مجھے ایک اور مسجد میں بھی اس خدمت کی پیش کش آئی ہے، دونوں مسجدوں میں اذان کے وقت کے درمیان پندرہ سے بیس منٹ کا فرق ہوتا ہے، صرف مغرب میں تقریباً ایک ساتھ اذان ہوتی ہے، ایسی صورت میں اگر میں دونوں مسجدوں میں اذان کی خدمت انجام دوں اور مغرب کی اذان ایک مسجد کے ذمہ داروں سے معاف کرالوں تو کیا اس کی گنجائش ہوگی؟

(مسرور الحق، بمبئی)

---

(۱) در المختار ۲/۳۸

جواب:- اذان صرف نماز کا اعلان ہی نہیں بلکہ یہ ایک عبادت بھی ہے، اور جن عبادتوں کو مکرر کرنا ثابت نہیں ہے، ان کو مکرر طور پر ادا کرنا درست نہیں، اس لئے ایک ہی شخص کا دو مسجدوں میں اذان کی خدمت انجام دینا اور ایک ہی وقت کی اذان کے بعد دیگرے دو مسجدوں میں دینا مکروہ ہے، فقہاء نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اذان ان عبادتوں میں سے نہیں ہے، جو بطور نفل کی جائیں:

"یکره له أن یؤذن فی مسجدین : لأنه إذا صلی فی المسجد الأول یکون متنفلا للأذان فی المسجد الثانی والنفل بالأذان غیر مشروع" (۱)

اس لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ بیک وقت دو مسجدوں میں مؤذن کی خدمت انجام دیں۔

ایک اذان کا مختلف مسجدوں سے نشر کرنا

سوال:- دو ہفتہ پہلے اخبارات میں اطلاع آئی ہے کہ حکومت مصر کی طرف سے ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ ایک ہی مؤذن اذان دے گا اور تمام مسجدوں میں اس کی آواز سنی جائے گی اور اس طرح ایک ہی وقت میں ہر جگہ نماز ہو سکے گی اور لوگ ایک ساتھ نماز ادا کر سکیں گے، شرعاً کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

(سید محمد قادری رضوی، ممبئی)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ اذان کا بنیادی مقصد نماز کی اطلاع دینا ہے، لیکن اس کی حیثیت محض اعلان کی نہیں ہے، بلکہ اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے؛ اسی لئے اذان کے بہت سارے اجر و ثواب کا حدیث میں ذکر آیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الدر المختار مع الرد ۲/۷۱، باب الأذان

''اللہ تعالیٰ ندائے اذان کے فاصلے کے بقدر مؤذن کی خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور جہاں تک آواز پہنچتی ہے ہر خشک وتر شئے مؤذن کے لئے مغفرت کی طلب گار ہوتی ہے''

''یغفر للمؤذن مد صوته و یشهد له کل رطب ویابس'' (۱)

اسی مضمون کی روایت الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ حضرت ابوامامہ کے واسطے سے بھی منقول ہے، (۲) مؤذن کے بلند مقام کو ظاہر کرنے کے لئے قیامت کے دن مؤذن کی گردن سب سے اونچی رکھی جائے گی، (۳) ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤذن کو اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر قرار دیا (۴) ایک سن رسیدہ شخص بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ایسے عمل کی رہنمائی فرمائیے، جس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جہاد فی سبیل اللہ آنے والے نے عرض کیا کہ میں ضعیف آدمی ہوں، جہاد کی طاقت نہیں رکھتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر مؤذن بن جاؤ'' (۵)

پس اذان محض ایک اعلان نہیں، بلکہ بجائے خود ایک عبادت بھی ہے، اسی لئے فقہاء نے مؤذن کے لئے بھی ایک معیار مقرر کیا ہے کہ ''مؤذن سمجھدار ہو، نیکوکار، متقی اور احکام سنت سے واقف ہونا چاہئے'' (۶) فاسق اور نابالغ کی اذان کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، (۷) پھر احادیث کی روشنی میں ہیئت اذان کو بھی متعین کیا گیا ہے کہ اذان دینے والا شخص کھڑا ہو، بیٹھا نہ ہو، قبلہ رخ ہو، باوضو ہو، سفر کی حالت میں نہ ہو سواری پر چڑھ کر اذان نہ دی جائے وغیرہ (۸) غرض

---

(۱) مسند أحمد عن أبي هريرة، حديث نمبر: ۹۹۱۷ (۲) مجمع الزوائد ۸۱/۲

(۳) حوالہ سابق عن انس و بلال ۸۲/۲

(۴) حوالہ سابق عن ابن أبي أوفى ۸۳،۸۲/۲ (۵) حوالہ سابق عن ابن عمر

(۶) ہندیہ ۱/ ۳۵ (۷) حوالہ سابق: ۳۵ (۸) حوالہ سابق

کہ جیسے دوسری عبادتوں کے آداب واحکام مقرر ہیں اور ان کی ہیئت و کیفیت کو متعین کر دیا گیا ہے؛ اسی طرح اذان کی بھی تفصیلات متعین ہیں، اگر اس کی حیثیت عبادت کی نہ ہوتی محض اعلان کی ہوتی تو ان تفصیلات کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں تھی؛ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسجد میں براہ راست اذان دی جائے اور اس کو محض ایک مشینی عمل نہ بنا دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں کئی مسجدیں تھیں اور ان میں الگ الگ اذان ہوا کرتی تھی اور جماعت کے اوقات میں بھی فرق ہوتا تھا، اسی بنا پر جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کہیں اس پر پہلے عمل شروع ہوا اور کہیں اس کے بعد والی نماز میں، فقہاء نے بھی اذان کو مسجد کا حق قرار دیا ہے اور اس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ کسی مسجد میں اذان واقامت کے بغیر فرض نماز با جماعت ادا کی جائے۔

"ویکره أداء المكتوبة من جماعة في المسجد بغير أذان و إقامة" (۱)

اس لئے ایک مسجد سے اذان کا ہونا اور دوسری مسجدوں سے صرف اس کا نشر ہو جانا ان مسجدوں کے ساتھ حق تلفی اور اذان جیسے شعائر دین کی اہمیت کو کم کر دینا ہے۔

یہ بات کہ تمام مسجدوں میں ایک ہی ساتھ جماعت ہو شریعت میں مطلوب نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی مسجدوں میں نماز ادا کرنے کے اوقات میں کسی قدر تفاوت ہوا کرتا تھا اور آج بھی جس آبادی میں ایک سے زیادہ مسجدیں ہوں، وہاں یہی رواج ہے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک جگہ جماعت نہیں ملتی ہے، تو وہ دوسری مسجد کی جماعت میں شریک ہو جاتا ہے اور اس طرح جماعت فوت نہیں ہوتی، متعدد اذانوں کے پس منظر میں ہی فقہاء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ اگر کسی جگہ کئی مسجدوں سے اذان کی آواز آئے تو کس اذان کا جواب دینا ضروری ہوگا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ماضی میں بھی بعض مسجدیں اتنی قریب ہوتی تھیں کہ ایک جگہ کی اذان کی آواز پورے محلے میں پہنچ جاتی تھی، اس کے باوجود

(۱) حوالہ سابق

فقہاء نے یہ مشورہ نہیں دیا کہ ایسے مقامات میں ایک ہی اذان کافی ہو جائے گی؛ بلکہ کسی بھی مسجد میں بغیر اذان کے باجماعت نماز کو مکروہ قرار دیا گیا۔

بدقسمتی سے مصر جیسے مسلمان ملک پر ملحدوں اور بددینوں کا جبری اقتدار قائم ہے اور ان کی طرف سے آئے دن ایسے احکام صادر کیے جاتے ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً ناقابل قبول ہیں، آج ایک اذان کو مختلف جگہ سے نشر کرنے کی بات کہی گئی ہے، ممکن ہے کہ آئندہ ایک مؤذن رکھنے کی بھی زحمت نہ کی جائے اور ٹیپ ریکارڈر ہی سے اذان کے کلمات کہلوا دیے جائیں اور بعید نہیں کہ آئندہ اقامت اور امامت کے لئے بھی ایک مرکز متعین کر دیا جائے اور نشری اقامت و امامت ہونے لگے، اللہ تعالیٰ ان حکمرانوں کو ذہن سلیم عطا فرمائے، اور عالم اسلام کو ایسے ظالموں کے تسلط سے نجات دے، حقیقت یہ ہے کہ اذان شعائر دین میں سے ہے، یہ عبادت اور سنت ہے اور ہر مسجد کا حق ہے، اس کو مشینی طور پر اس طرح انجام دینا کہ ایک مسجد سے اذان دی جائے اور تمام مسجدوں سے اسے نشر کیا جائے کافی نہیں، جس مسجد میں اذان دی گئی ہو وہاں تو سنت ادا ہو جائے گی اور دوسری مسجدوں میں اذان کی سنت ادا نہیں ہو سکے گی اور اگر مسجد کے بجائے کسی اور جگہ سے اذان دی گئی ہو تو کسی بھی مسجد سے اذان کی سنت ادا نہیں ہو پائے گی۔

چند اذانوں کا یا دور سے سنائی دینے والی اذان کا جواب

سوال:- جیسا کہ اذان کے جواب کا اجر پانے کے لئے تلاوت قرآن روک دینے یا اگر نماز شروع نہ کی گئی ہو تو مؤخر کرنے کی تعلیمات ہیں، اکثر مختلف مساجد سے سنائی دینے والی اذانوں کے کلمات ماحول کے شور کے سبب غیر واضح ہوتے ہیں، کیا دور سے آنے والی اذان کی آواز بھی اسی حکم میں ہوگی، کیا ان کا جواب دینا چاہئے؟ اور تلاوت روک دینا چاہئے؟ وضاحت کی گذارش ہے۔ (محمد تقی الحسن، اکبر باغ)

جواب:- اگر چند مسجدوں کی اذان کی آواز آپ تک پہنچتی ہے اور سمجھ میں آتی ہے

تو پہلی اذان کا جواب دینا چاہئے:

"ولو تكرر أجاب الأول" (۱)

اور ایک سے زیادہ اذان کا جواب دیں تو بہتر ہے، کیوں کہ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں:

"... ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع، كما اعتمده بعض الشافعية" (۲)

اگر بہ یک وقت کئی مسجدوں میں اذان شروع ہو جائے تو اپنے محلہ کی مسجد کی اذان کو ترجیح دے؛ کیوں کہ جوار اور پڑوس کی وجہ سے اس مسجد کا حق زیادہ ہے؛ البتہ دوری یا کسی اور وجہ سے اگر اذان کی آواز سمجھ میں نہ آئے تو جواب دینے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان سننے والوں کو جواب دینے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ مشہور فقیہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"... يفهم منه أنه لو لم يسمع لصمم أو لبعد أنه لا يجيب وهو ظاهر الحديث الآتي: إذا سمعتم الأذان ... الخ" (۳)

جس اذان کا جواب دینے کا حکم ہے، صرف اس کے لئے تلاوت روکی جائے گی، جس کا جواب نہیں دینا ہے، اس کے لئے تلاوت روکی نہیں جائے گی؛ کیوں کہ تلاوت سے رکنے کا مقصد اذان کا جواب دینا ہے۔

کیا تلاوت روک کر اذان کا جواب دیا جائے؟

سوال:- کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کے قابل نہ ہو، اور گھر پر تلاوت قرآن کے

---

(۱) الدر المختار ۲/۶۶

(۲) رد المحتار مع الدر المختار : ۲/۶۷، باب الأذان

(۳) رد المحتار مع الدر المختار : ۲/۶۲

دوران اگر اذان کی آواز دور سے آرہی ہو اور اس کے کلمات بھی غیر واضح ہوں تو تب بھی کیا تلاوت کو روک کر اذان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہئے یا تلاوت جاری رکھی جاسکتی ہے؟

(محمد تقی الحسن، ملک پیٹ)

جو اب:- اگر یہ اذان اس کے محلہ کی مسجد کی ہو تو اسے چاہئے کہ تلاوت روک کر اذان کا جواب دے۔

"وإن كان في منزله وإن لم يكن هذا أذان مسجده لا يجيب المؤذن ويمضي في قراءته ، وإن كان هذا أذان مسجده يقطع القرآن ويجيب المؤذن" (۱)

تلاوت، ذکر اور تعلیم کے درمیان اذان کا جواب

سوال:- جب ہم کلام پاک کی تلاوت کررہے ہوں یا ذکر میں مشغول ہوں یا تعلیم ہو رہی ہو، ایسے میں اذان کی آواز آئے تو تلاوت وغیرہ روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے یا اپنا عمل جاری رکھا جاسکتا ہے؟ (حبیب احمد، ہمایوں نگر)

جو اب:- اگر تعلیم دینے یا حاصل کرنے میں مشغول ہو تو بہتر ہے کہ تعلیم جاری رکھے اور اگر ذکر یا تلاوت میں مصروف ہو تو بہتر ہے کہ روک کر پہلے اذان کا جواب دے دے، پھر ذکر اور تلاوت کرے۔

"ويجيب وجوبا ، وقال الحلواني : ندبا ، لا لحائض ، وفي صلاة جنازة ، وتعليم علم وتعلمه بخلاف قرآن ؛ لأنه لا يفوت" (۲)

---

(۱) محیط برہانی ۲:۱۰۲، نیز دیکھئے : ہندیہ ، حلبی کبیر ص:۳۷۸، الدر المختار مع الرد ۲:۶۸

(۲) الدر المختار مع الرد ۲:۶۵-۶۶

کیونکہ تلاوت اور ذکر میں وقفہ آجائے تو بعد میں اس کی تلافی کی جاسکتی ہے، لیکن اذان کا جواب نہ دے پائے تو اس کی تلافی دشوار ہوگی، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر تعلیم و تعلم اور وعظ و بیان میں وقفہ دیتے اور اس کی تلافی کر لینے کی گنجائش ہو تو بہتر یہی ہے کہ رک کر پہلے اذان کا جواب دیدے۔

" اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ " بھول جائے

سوال:- مؤذن صاحب نے فجر میں اذان دی مگر "اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہنا بھول گئے، ایسی صورت میں کیا اذان دوہرانی ہوگی؟ (شمس الزماں، ٹولی چوکی)

جواب:- فجر کی اذان میں "اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہنا حدیث سے ثابت ہے، لیکن مستحب کے درجہ کا حکم ہے:

" ویقول ندبا بعد فلاح أذان الفجر اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ مرتین: لأنه وقت نوم " (۱)

اور ترک مستحب سے کسی عمل کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے دوبارہ اذان نہ دی جائے، جو اذان دی گئی وہی کافی ہے۔

الصلوۃ خیر من النوم کا جواب

سوال:- فجر کی اذان میں " الصلوۃ خیر من النوم " کے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟ کیوں کہ میں ایک حدیث میں پڑھا تھا، لکھا ہوا تھا کہ " صدقت وبررت " پڑھیں اور پھر لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اصلاح کر کے ممنون و مشکور فرمائیں۔

(محمد مدثر، شرم جی، بلد م)

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۵۴، باب الأذان

جواب:- اہل علم نے لکھا ہے کہ "الصلوة خير من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی حدیث میں منقول نہیں؛ بلکہ یہ بعض سلف صالحین کا قول ہے: (۱) لیکن ان کلمات کے معنی بہتر ہیں؛ اس لیے اگر ان کو مسنون سمجھے بغیر "الصلوة خير من النوم" کے جواب میں کہے تو اس کی گنجائش ہے، بعض بزرگوں سے اس پر "وبالحق نطقت" (تم نے حق بات کہی) کا اضافہ بھی منقول ہے۔(۲) خیال ہوتا ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے جواب میں کلمات اذان ہی کو لوٹانے کا حکم فرمایا ہے، اور اس سے صرف "حی علی الصلوة" اور "حی علی الفلاح" کا استثناء ہے؛ اس لیے اسی کلمہ کو لوٹا دے یہ زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

اذان میں لحن

سوال:- آج کل بعض مؤذن صاحبان اذان کے الفاظ کو بہت طول دے کر راگ کی شکل میں ادا کر رہے ہیں، خوش الحانی اور راگ میں کوئی فرق ہے، اذان نماز کے لئے صرف اطلاع ہے تو کیا تجوید کا اطلاق اذان پر نہیں ہوتا؟ (غوث محمد خاں، سلطان شاہی)

جواب:- اذان نہ صرف نماز کی اطلاع ہے، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہے، حدیث میں اذان دینے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت عمر ؓ تو فرماتے تھے کہ اگر بار خلافت نہ ہوتا تو میں اذان دینے کو ترجیح دیتا، اذان کے جو الفاظ کار ہیں، وہ خود رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں؛ بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اذان کی آواز سنی تھی، اس لئے اس کی حیثیت ذکر کی ہے، اس میں بھی تجوید کی رعایت ہونی چاہئے، فقہاء نے "حي على الصلوة" اور "حي على الفلاح" میں مد داخل کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن علامہ شامیؒ کی رائے ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے:

(۱) دیکھئے: تقریرات الرافعي على رد المحتار: ۲/۴۷

(۲) رد المحتار: ۲/۴۷

"... وتعبيره بلا بأس يدل على أن الأولى عدمه" (۱)

اذان میں بھی اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ لحن پیدا ہو جائے اور اذان میں لحن کی تعریف یہ کی گئی کہ کوئی حرف کم ہو جائے، یا حرکات وسکنات میں کمی ہو جائے، یا ان میں سے کسی چیز میں زیادتی ہو جائے:

"إن التلحين هو إخراج الحروف عما يجوز ألخ" (۲)

بلکہ بعض الفاظ تو ایسے ہیں کہ ان میں اضافہ ہو تو کفر کا اندیشہ ہے، جیسے اللہ کے ہمزہ میں مد پیدا ہو جائے: "والمد في أول التكبير كفر" (۳) —— پس اذان میں تجوید کے دائرہ میں رہتے ہوئے آواز کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ایسا لہجہ نہ ہونا چاہئے کہ گانے کے مماثل ہو جائے، امید کہ مؤذن صاحبان اس کو پیش نظر رکھیں گے، کیوں کہ اذان کا سننے میں خوبصورت ہونا ایک اضافی چیز ہے، اصل اس کا ادائیگی کے اعتبار سے درست ہونا اور سنت کے مطابق ہونا ہے۔

دوبار اذان

سوال:- مسجد عثمانیہ لنگر کوٹ میں ایک دفعہ ظہر کی اذان دو بار دے دی گئی، مؤذن سے پہلے کسی اور شخص نے دے دی، بعد میں مؤذن صاحب نے دی، کیا اس طرح دو بار اذان دینا درست ہوا؟

(محمد اقبال، پھتہ بازار)

جواب:- اصل میں ایک وقت کی اذان ایک ہی بار ہونی چاہیے، یہی امت کا متوارث عمل ہے، لیکن اگر ناواقفیت کی وجہ سے دو بار اذان دے دی گئی تو اس میں کوئی گناہ نہیں؛ البتہ اذان سے متعلق احکام پہلی اذان پر جاری ہوں گے، اور اسی اذان کا جواب دینا واجب یا مستحب ہوگا۔

(۱) شامی ۲/۵۳ (۲) البحر الرائق ۱/۳۶۱-۳۶۵

(۳) الفتاوى الهندية ۱/۵۴، نیز دیکھئے الدر المختار مع الرد ۲/۵۲

"وإذا تعدد الأذان يجيب الأول" (۱)

داڑھی مونڈنے والا مؤذن

سوال:- داڑھی کو مونڈنے والا کیا مؤذن کے فرائض انجام دے سکتا ہے اور کیا ایسے شخص کا اذان و اقامت کہنا درست ہے؟ (نازر محمد قریشی، [illegible] پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے تاکید کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے (۲) اس لئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی منڈانا گناہ ہے؛ لہٰذا داڑھی منڈانے والا فقہ کی اصطلاح میں فاسق ہے، فقہاء نے فاسق کی امامت کو بھی مکروہ قرار دیا ہے: "ويكره تنزيها إمامة عبد ... وفاسق أعمى" (۳) اور اس کا اذان دینا بھی مکروہ ہے: "ويكره أذان جنب ... (وفاسق) ولو عالما" (۴) پس اذان جیسی اہم عبادت انجام دینے والوں کے لئے داڑھی منڈا ہوا ہونا نہایت قابل افسوس اور ناپسندیدہ عمل ہے؛ البتہ اگر ایسے کسی شخص نے اذان دے ہی دی تو اذان درست ہو جائے گی اور اذان کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اذان کی دعاء میں "الدرجة الرفيعة" کا اضافہ

سوال:- بعض لوگ اذان کے بعد دعاء میں "وآت محمدن الوسيلة والفضيلة" کے بعد "الدرجة الرفيعة" بھی پڑھا کرتے ہیں، کیا اذان کی دعاء میں اس لفظ کا اضافہ بھی منقول ہے؟ (حمید الرحمن قاسمی، ناندیڑ)

---

(۱) مراقی الفلاح ص: ۳۰۹، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۱/۲۴۷

(۲) بخاری عن ابن عمرؓ، باب اعفاء اللحی، حدیث نمبر: ۵۸۹۳

(۳) الدر المختار مع الرد ۲/۲۹۸

(۴) الدر المختار مع الرد ۲/۶۰

جواب :- اذان کی دعاء میں "الدرجة الرفيعة" کا لفظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، مشہور محدث علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ مجھے کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں ملے:

" لم اره في شيء من الروايات " (۱)

اذان کے بجائے اذان کی کیسٹ

سوال :- اگر مؤذن کے اذان دینے کے بجائے اذان کی کیسٹ بجادی جائے تو کیا یہ اذان کے لیے کافی ہو جائے گی؟

جواب :- اس میں شبہ نہیں کہ اذان کا مقصد نماز کا وقت شروع ہو جانے کا اعلان اور لوگوں کو مسجد آنے کی دعوت ہے، لیکن اذان صرف اعلان ہی نہیں ہے؛ بلکہ عبادت بھی ہے، اسی لیے فقہاء نے مؤذن کے لیے شرط لگائی ہے کہ وہ مرد ہو، عقل و شعور رکھتا ہو، نیک و پرہیز گار ہو، سنت سے واقف ہو، چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" و ينبغي ان يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقيا عالما بالسنة " (۲)

تقریباً یہی بات دوسرے فقہاء نے بھی کہی ہے، (۳) اگر اذان کی حیثیت محض اعلان و اطلاع کی ہوتی تو نہ مرد ہونے کی شرط ہوتی نہ ذی شعور ہونے کی اور نہ نیک و پرہیز گار ہونے کی، اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں عبادت کا پہلو بھی پوری طرح موجود ہے، ٹیپ ریکارڈ کا بے جان آلہ اعلان کی آواز کو تو دہرا سکتا ہے؛ لیکن عبادت نہیں کر سکتا، اس لیے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اذان کا نشر کر دینا کافی نہیں۔

---

(۱) المقاصد الحسنة ، حدیث: ۴۸۴، نیز دیکھئے: المطالب للشیخ محمد درویش حوت ، حدیث: ۶۷۰، ص: ۱۳۹

(۲) الفتاوى الهندية : ۵۳/۱

(۳) دیکھئے: المغني : ۶۸/۲، الفقه الإسلامي وأدلته : ۵۴۱/۱

نماز کی یاددہانی کے لیے اذان کی کیسٹ بجانا

سوال:- اگر مسجد میں مؤذن اذان دے، لیکن مزید یاد دہانی کے لیے اذان کی کیسٹ لگادی جائے، تاکہ لوگ متنبہ ہوں، اور نماز کی طرف چل پڑیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

جواب:- اذان کے علاوہ لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنے کے لیے جو اعلان ہو، اس کو اصطلاح میں "تثویب" کہتے ہیں، تثویب کا مقصد چونکہ بنیادی طور پر نماز کی دعوت دینا ہے، اس لیے بعض فقہاء اسے جائز سمجھتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کے عمل کو اگر معمول بنالیا جائے، تو یہ بتدریج عبادت کا جز بن جاتا ہے، اور دین میں اضافہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، اور دین میں ایسا اضافہ جس کا ثبوت نہ ہو، بدعت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد" (۱)

چنانچہ عام طور پر فقہاء کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ فجر کی نماز میں تثویب جائز ہے، دوسری نماز میں مکروہ ہے:

" و يكره التثويب في غير الفجر ، سواء ثوب في الأذان أو بعده " (۲)

اور اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے، حضرت بلال ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں مجھے تثویب کرنے کا حکم دیا اور عشاء میں تثویب سے منع فرمایا، (۳) بعد کے فقہاء نے نماز میں لوگوں کی غفلت کو دیکھتے ہوئے دوسرے اوقات میں بھی تثویب کی اجازت دی ہے اور اس کے طریقہ پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

---

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر: ۴۶۰۶، کتاب السنة، باب في لزوم السنة

(۲) المغني: ۶۱/۲

(۳) سنن ابن ماجه، حدیث نمبر: ۷۱۵، باب السنة في الأذان: ۲۳۷/۱

''متاخرین یعنی بعد کے فقہاء کے نزدیک مغرب کے علاوہ ہر نماز میں تثویب بہتر ہے، ایسا ہی شرح نقایہ میں ہے، تثویب سے مراد اذان و اقامت کے درمیان مؤذن کا نماز کے بارے میں اطلاع دینا ہے، ہر شہر میں تثویب وہاں کے عرف کے مطابق ہوگی، جیسا کہ یا ''الصلاۃ الصلاۃ'' کہہ کر یا قد قامت الصلاۃ کہہ کر، اس لیے کہ یہ مزید اعلان و اطلاع کے لیے ہے، جو معروف طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے''(۱)

فقہاء کی ان تصریحات کی روشنی میں اس حقیر کی رائے ہے کہ حسب ضرورت اذان و اقامت کے درمیان لوگوں کو نماز کی طرف توجہ دہانی کے کلمات تو کہے جا سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے ''الصلاۃ الصلاۃ'' یا ''الصلاۃ جامعة'' وغیرہ کی تعبیر اختیار کی جائے، مکمل اذان کی کیسٹ نہ بجائی جائے؛ کیوں کہ ایک تو یہ ان کلمات کا بے محل استعمال ہے، دوسرے اس کی وجہ سے بتدریج ایک سے زیادہ دفعہ اذان دینے کا رواج بن سکتا ہے، جو فجر کے علاوہ کسی اور وقت میں ثابت نہیں ہے، ورنہ فجر میں بھی حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک رمضان ہو یا غیر رمضان، فجر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد ایک ہی اذان دی جا سکتی ہے۔

اذان اور نماز کے درمیان وقفہ

سوال:- میں ایک اسکول میں کام کرتا ہوں، وہاں مسجد تو نہیں ہے؛ لیکن اسکول کے اندر ہی نماز کا انتظام ہوتا ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اذان دی جاتی ہے اور فوراً نماز شروع کر دی جاتی ہے اور اذان و نماز کے درمیان پانچ منٹ کا بھی وقفہ نہیں رکھا جاتا، جیسا کہ مسجدوں میں وقفہ رکھا جاتا ہے، یہ عمل کس حد تک درست ہے؟ (خلیل الرحمن، شاہین نگر)

---

(۱) ہندیہ: ۱/۵۶، نیز دیکھئے: طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۰۷

جواب:- اذان لوگوں کے لئے اس بات کی اطلاع ہے کہ وہ اپنے آپ کو نماز کے لئے تیار کرلیں؛ اس لئے نماز و اقامت کے درمیان اتنی مہلت ہونی چاہئے کہ لوگ اپنے آپ کو نماز کے لئے تیار کرلیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تلقین فرمائی کہ اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانا کھانے والے اطمینان سے کھانا کھالیں اور وضو کرنے والے اطمینان سے اپنی ضرورت پوری کرلیں:

" ..... يفرغ الآكل من طعامه في مهل ويقضي المتوضي حاجته في مهل " (۱)

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ضرورت مند حضرات استنجاء سے فارغ ہو جائیں؛ اس لئے اذان و اقامت کے درمیان لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے مناسب فاصلہ ہونا چاہئے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ عام مسجدوں میں جتنا فاصلہ رکھا جاتا ہے، اسکولوں یا دفاتر میں اس سے کسی قدر کم وقت رکھا جائے؛ کیوں کہ محلہ کی مسجد میں لوگ باہر سے آتے ہیں اور اسکولوں یا دفتروں کی نمازیں وہیں پر موجود لوگ نماز میں شریک ہوتے ہیں۔

اذان و اقامت کے درمیان فاصلہ

سوال:- اذان و اقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ خاص کر رمضان المبارک کے مہینہ میں نماز مغرب میں اذان اور نماز کے درمیان دس بارہ منٹ کا فصل ہو جاتا ہے، مدینہ منورہ میں بھی اسی پر لوگوں کا عمل ہے، جبکہ ہندوستان میں بعض مقامات پر رمضان المبارک میں مغرب کی نماز عجلت کے ساتھ ہی ادا کی جاتی ہے، براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔

(محمد افروز، چارمینار)

---

(۱) مسند أحمد، عن أبي بن كعب – إعلاء السنن، حديث نمبر: ۵۸۹

جواب:- اذان اور اقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟ حدیث میں اس کا واضح طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے، تاہم یہ فرمایا گیا ہے کہ اتنا وقت ہو کہ کسی کو استنجاء کی ضرورت ہو تو استنجاء سے فارغ ہو جائے: البتہ فقہاء نے اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اور وہ یہ کہ اس درمیان دو یا چار رکعتیں ادا کی جا سکتی ہوں، جن میں سے ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھی جا سکیں:

" والفصل بين الأذان والإقامة مقدار ركعتين أو أربع ، يقرأ في كل ركعة نحوا من عشر آياته" (١)

البتہ مغرب کی نماز میں کم فاصلہ ہونا چاہئے، ایسا وقفہ ہو کہ جس میں تین چھوٹی آیتیں پڑھ لی جائیں:

" وأما إذا كان في المغرب فالمستحب أن يفصل بينهم بسكتة يسكت قائما مقدار ما يتمكن من قراءة ثلاث آيات قصار " (٢)

رمضان المبارک میں چوں کہ اذان مغرب کے بعد افطار کرنا ہوتا ہے، جو ایک عذر ہے اور عذر کی بناء پر نماز مغرب کو تھوڑا سا مؤخر کرنے میں حرج نہیں، اس لئے اس بارہ منٹ کی تاخیر کی گنجائش ہے، اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ آسمان پر تارے نکل آئیں کہ اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے:

" والمغرب إلى اشتباك النجوم كره التأخير تحريما إلا بعذر كسفر وكونه على أكل " (٣)

مسجد محلہ کی اذان و اقامت کافی ہے

سوال:- اگر محلہ کی مسجد میں اذان ہو چکی ہو اور کچھ لوگ

---

(١) الفتاوی الهندیة: ١/٥٦، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ١/٢٥٣

(٢) الفتاوی الهندیة: ١/٥٧ (٣) در مختار مع الرد: ٢/٢٤

اپنے گھر میں جماعت کرنا چاہیں تو ان کے لئے اذان دینا ضروری
ہے یا نہیں، اور کیا وہ بغیر اقامت کے جماعت کر سکتے ہیں؟
(محمد نعمت اللہ، چنچل گوڑہ)

جواب:- اذان اصل میں مسجد کے شعائر میں سے ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت بلال ؓ کو مسجد نبوی کا اور مکہ مکرمہ میں حضرت ابومحذورہ ؓ کو مسجد حرام کا مؤذن مقرر فرمایا تھا، البتہ چوں کہ اذان کا مقصد لوگوں کو جماعت کی طرف بلانا ہے؛ اس لئے مسجد کے علاوہ بھی کہیں جماعت کی جائے تو بہتر ہے کہ اذان دے دی جائے، اس کی دلیل یہ ہے کہ دو صحابی آپ ﷺ کی صحبت سے کچھ دنوں فیض اٹھانے کے بعد واپس تشریف لے جانے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ تم لوگ اذان دے کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرنا اور تم میں سے جو بڑا ہو، وہ نماز پڑھائے، یہ ہدایت رسول اللہ ﷺ نے حالت سفر کے لئے دی تھی:

"إذا أنتما خرجتما فأذنا ثم أقيما ثم ليؤمكما أكبركما " (۱)

لیکن یہ اذان استحباب کے درجہ میں ہے، لہذا اگر کچھ لوگ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور اذان نہ دیں؛ بلکہ اقامت بھی نہ کہیں، تب بھی حرج نہیں، محلہ کی اذان ان کے لئے کافی ہو جائے گی؛ چنانچہ علقمہؒ اور اسودؒ نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے، حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے دریافت فرمایا کہ لوگوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ؓ نے فرمایا: پھر تم کھڑے ہو اور نماز ادا کرو، یعنی جماعت کرلو، آپ ؓ نے اذان اور اقامت کہنے کا حکم نہیں دیا: " ولم يأمر بأذان وإقامة " (۲) علامہ نیموی نے اس کی سند کو 'حسن' یعنی معتبر

---

(۱) صحيح البخاري، عن مالك بن حويرث، باب الأذان للمسافرين، حدیث نمبر: ۶۳۰

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يقول بجزيه أن يصلي بغير أذان وإقامة: ۲۲۰/۱

قرار دیا ہے،(۱) —— غرض کہ محلہ کی اذان پر اکتفاء کر کے گھر میں جماعت کی جاسکتی ہے۔

اقامت کے بعد ضروری ہدایات

سوال:- اقامت کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے امام صاحب تمام مصلیوں سے اس طرح خطاب کرتے ہیں: صفیں درست فرمائیں، سر پر ٹوپی پہن لیں، آستین اوپر ہیں تو نیچی کرلیں، جن کے پائچے نیچے ہیں، وہ اوپر کرلیں، موبائل چیک کرلیں اور کھلا ہو تو بند کرلیں، کیا نماز سے پہلے اتنا لمبا خطاب کرنا درست ہے؟

(خلیل احمد، ایڈوکیٹ، حیدرآباد)

جواب:- اقامت کے بعد چند فقروں میں ضروری باتوں کی طرف اشارہ کر دینا جائز بلکہ مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ بھی اس موقعہ پر صفوں کو سیدھا رکھنے اور درمیان میں فصلہ نہ چھوڑنے کے سلسلہ میں ہدایتیں دیا کرتے تھے،(۲) اس زمانہ میں چوں کہ دوسرے امور میں کوتاہی نہیں ہوتی تھی، اس لئے مزید ہدایات کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، آج کل صفیں سیدھی نہ رکھنے کے علاوہ ننگے سر نماز پڑھنے، آستین اوپر چڑھائے رہنے، پائجامے ٹخنوں سے نیچے تک رکھنے اور موبائل کے سلسلے میں احتیاط نہ کرنے کی شکایت عام ہے؛ اس لئے ان باتوں کی طرف توجہ دلا دینا بھی درست ہے، رہ گیا اقامت اور نماز کے درمیان وقفہ تو اتنا سا وقفہ دینے میں حرج نہیں، طویل وقفہ نہیں ہونا چاہئے، طویل وقفہ سے مراد —— بعض فقہاء کے بیان کے مطابق —— دو رکعت نماز کے بقدر وقفہ ہے اور ان فقروں کے کہنے میں اتنا طویل وقفہ نہیں ہوتا۔

اقامت کے بعد صفیں درست کرنے کی تلقین

سوال:- ایک مسجد میں دیکھنے میں آیا ہے کہ امام صاحب

---

(۱) آثار السنن ۱: ۵۲

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۲۳، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۲، ۷۲۵

قامت کہہ دینے کے بعد مقتدیوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ "صفیں درست کرلیں اور اپنے اپنے موبائل فون بند کرلیں" جب کہ یہ بات اقامت سے پہلے بھی تو کہی جا سکتی ہے، تو کیا ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے؟ (مسیح اللہ خاں، احمد نگر)

جواب:- عام طور پر اقامت سے پہلے تمام مصلی جمع نہیں ہو پاتے؛ اس لئے اگر اقامت کہنے کے بعد امام صاحب صفیں درست کرنے اور موبائل بند کرلینے کے بارے میں یاد دہانی کرا دیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے، اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان بلا ضرورت گفتگو کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی ضروری دینی گفتگو کی جائے تو حرج نہیں:

"إنما كره الحنفية الكلام بين الإقامة والإحرام إذا كان لغير ضرورة وأما إذا كان لأمر من أمور الدين فلا يكره" (۱)

بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا بھی معمول مبارک تھا کہ آپ اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کے بارے میں ہدایت فرماتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقامت کہی جا چکی تھی کہ حضور نے ہم لوگوں کی طرف رخ انور فرمایا اور ارشاد فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو جاؤ: "أقيموا صفوفكم وتراصوا" (۲) الفاظ کے فرق کے ساتھ اس مضمون کی متعدد روایتیں منقول ہیں، اسی پر خلفاء راشدین کا بھی عمل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو صفیں درست کرنے کے لئے ذمہ دار بنا رکھا تھا، جب وہ اطلاع دیتا کہ صفیں درست ہو گئی ہیں، تب آپ نماز شروع کرتے ہوئے "اللہ اکبر" کہتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس کی نگرانی فرمایا کرتے

---

(۱) عمدة القاري ۳/۲۲۱

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجمعة والإمامة، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف، حدیث نمبر ۷۱۹

اور کہتے کہ صفیں درست کرلو، حضرت علی ﷜ کسی کو آگے یا پیچھے دیکھتے، تو اسے مخاطب کرکے کہتے: اے فلاں شخص! آگے بڑھ جاؤ، اے فلاں شخص! پیچھے ہٹ جاؤ: "تقدم یا فلان تأخر یا فلان"۔(۱)

اقامت کا جواب دینا حدیث سے ثابت ہے

سوال:- بعض حضرات کلمات اقامت کا بھی جواب دیتے ہیں، کیا حدیث سے اقامت کا جواب دینے کا ثبوت ہے؟

(احمد شریف، محبوب نگر)

جواب:- اقامت کا جواب دینا بھی حدیث سے ثابت ہے، روایت میں ہے کہ حضرت بلال ﷜ اقامت کہنے لگے تو آپ ﷺ نے "قد قامت الصلوۃ" کے جواب میں "أقامها الله و أدامها" کہا اور بقیہ کلمات اقامت کو اسی طرح دہرایا جیسا کہ اذان کا جواب دیا جاتا ہے۔(۲) اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مردوں اور عورتوں کے درمیان کھڑے ہوگئے اور عورتوں سے حضرت بلال ﷜ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب تم اس حبشی کی اذان اور اقامت سنو تو اسی طرح کہو جیسا کہ یہ کہیں۔(۳) پس اقامت کا جواب دینا بھی مستحسن درجہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

تنہا نماز میں اقامت

سوال:- تنہا نماز پڑھتے وقت کیا اقامت کہنا چاہئے یا بغیر اقامت کے نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (ایم ایس حسین، گدوال)

جواب:- اقامت فرض نماز سے متعلق سنت ہے، اس لئے فرض نماز ادا ہو یا قضا،

---

(۱) سنن ترمذی، أبواب الصلاۃ، باب إقامة الصفوف، حدیث نمبر: ۲۲۷

(۲) ابوداؤد، حدیث: ۵۲۸

(۳) مجمع الزوائد: باب إجابة المؤذن: ۳۳۱

سفر میں ہو یا حضر میں، تنہا پڑھے یا جماعت سے، اقامت کہنا مسنون ہے، اس سے فقہاء نے صرف ایک صورت کو مستثنیٰ رکھا ہے اور وہ یہ کہ جہاں نماز جمعہ ادا کی جائے، — حالاں کہ وہاں جمعہ کا درست ہونا مشکوک ہو — وہاں احتیاطاً نماز ظہر بھی ادا کرنی چاہئے، تو احتیاطاً ادا کی جانے والی نماز ظہر میں نہ اذان دی جائے گی اور نہ اقامت کے کلمات کہے جائیں گے:

" ... ان الضابط عندنا أن كل فرض اداء كان أو قضاء يؤذن له ويقام سواء أدى منفرداً أو بجماعة إلا الظهر يوم الجمعة في المصر " (۱)

اس لئے تنہا نماز پڑھتے وقت بھی اقامت کہنا مسنون ہے، البتہ جیسے محلہ کی اذان پورے محلہ کے لئے کافی ہو جاتی ہے، اسی طرح مسجد محلہ کی اقامت تمام اہل محلہ کی طرف سے کفایت کرے گی، اگر کوئی شخص تنہا نماز ادا کرے جو مسافر نہ ہو اور اس نے اقامت نہیں کہی، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ مسافر اگر بغیر اقامت کے نماز ادا کر لے تو وہ اس سنت کا تارک سمجھا جائے گا، کیوں کہ مقامی لوگوں کے لئے مسجد محلہ کی اذان و اقامت کفایت کرتی ہے، مسافر کا معاملہ یہ نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اس مقام کا رہنے والا نہیں ہوتا:

" وكره تركهما للمسافر أي ترك الأذان والإقامة لا لمصل في بيته في المصر " (۲)

خلاف ترتیب اقامت کہنا

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد میں مؤذن صاحب موجود نہیں تھے، ایک دوسرے صاحب نے اقامت کہی اور انہوں نے " حي على الصلاة " کہنے کے بجائے پہلے " حي على الفلاح " دوبار کہہ دیا، بعد میں " حي على الصلوة " کہا، کیا

---

(۱) البحر الرائق : ۱/۲۶۲، ایچ ایم سعید (۲) البحر الرائق ۱/۲۶۵

طرح اقامت مکمل کرلی اور نماز بھی ہوگئی، کیا نماز درست ہوگئی یا اس کو اقامت دہرانا چاہئے تھا؟ (معین الدین، پنچل گوڑہ)

جواب:- اذان و اقامت کے کلمات جس ترتیب سے کہے جاتے ہیں، وہی ترتیب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، اس لئے اسی کے مطابق کہنا چاہئے، اگر ترتیب غلط ہوگئی اور اقامت کے درمیان یا اقامت ختم ہونے کے فوراً بعد یاد آگیا، تو اقامت کے کلمات کو جہاں سے ترتیب غلط ہوئی تھی، دہرا لینا چاہئے، لیکن اگر اس وقت خیال نہیں آیا اور کسی نے توجہ بھی نہیں دلائی، یہاں تک کہ نماز پڑھ لی گئی، تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں:

"وإذا قدم المؤذن في أذانه أو إقامته بعض الكلمات على البعض .. فالأصل في هذا أن ما سبق أوانه لا يعتد به، حتى يعيده في أوانه وموضعه وإن مضى على ذلك جزت صلاتهم" (۱)

---

(۱) المحيط البرهاني: ۲/ ۹۹

نماز کی شرائط، ارکان واجبات اور سنتوں کا بیان

قبروں اور حمامات وغیرہ کے پاس نماز

سوال:- اکثر مساجد میں قبریں ہوتی ہیں، بیت الخلاء ہوتے ہیں، غسل خانہ بھی ہوتا ہے، شارع عام پر جمعہ وعیدین کی نماز جہاں کوڑا کرکٹ بھی ہوتا ہے، ادا کی جاتی ہے، اگر ان چیزوں کا خیال کرتے ہوئے نماز ادا کی جائے تو فرض یا واجب نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ (مرزا قمر علی بیگ، ہزار گھاٹ، حیدرآباد)

جواب:- اس طرح تو نماز پڑھنا منع کیا گیا ہے کہ نمازی کے سامنے قبر ہو؛ کیوں کہ اس سے غیر اللہ کی عبادت سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح قبر کے اوپر بھی نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ یہ قبر کے احترام کے خلاف ہے؛ اس لئے مسجد میں قبر نہیں بنانی چاہئے اور ایسے حصہ میں بھی قبر بنانے سے بچنا چاہئے، جس میں امکانی طور پر مسجد کی توسیع ہوسکتی ہے، عام طور پر مسجدوں میں جو قبریں ہیں، وہ شروع میں حدودِ مسجد سے باہر تھیں، بعد میں توسیع کے درمیان مسجد کے اندر آگئیں، ایسی قبروں پر بطور پردہ کے نمازی کی طرف سے ایک باریک دیوار سترہ کے بقدر اٹھا دینی چاہئے، بہر حال! ایسی مسجدوں میں بھی نماز ہو جاتی ہے؛ البتہ قبر سے متعلق مذکورہ احکام کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اگر کبھی نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے بیت الخلاء، حمامات کے قریب یا شارع عام پر نماز پڑھنی پڑے تو ضروری ہے کہ نماز پڑھنے

والے پاکی کا خیال رکھیں اور جو نماز یا کسی صاف ستھری چیز کو بچھا کر نماز ادا کریں، غرض کہ پاکی کی رعایت کے ساتھ ان مواقع پر بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، چاہے فرض ہو یا نفل۔

صحن میں نماز

سوال:- ہمارے مدرسہ میں دو نمازیں مدرسہ کے صحن میں پڑھی جاتی ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ دری پر نماز نہیں ہوتی، اس لیے کہ ناک اور پیشانی زمین کو نہیں لگتی، کیا یہ درست ہے؟
(عبداللہ، شاہین نگر)

جواب:- صحن اگر پاک ہو تو وہاں نماز پڑھنا درست ہے:

"تطهير النجاسة من بدن المصلي و ثوبه و المكان الذي يصلي عليه واجب" (۱)

نماز کے درست ہونے کے لیے ایسا فرش کافی ہے، جس پر پیشانی اور ناک ٹک جائے، اعضاء سجدہ کا زمین سے لگنا ضروری نہیں:

"لو وضع كفه بالأرض و سجد عليها يجوز على الصحيح و لو بلا عذر، والوجه في ذلك أن السجود لا يشترط أن يكون على الأرض بلا حائل" (۲)

قالین کی جائے نماز

سوال:- میں نے نماز کی شرائط میں پڑھا کہ نرم جائے نماز پر سجدہ مکروہ ہے، لیکن آج کل شہروں میں مخمل کی قالین نما جائے نمازیں استعمال کی جاتی ہیں، کیا یہ صحیح ہے اور ان سے سجدوں کا نشان بھی پیدا نہیں ہوتا؟ (عبدالمقیت، عبدالقدیر، بھوکر)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۵۸ (۲) کبیری: ص: ۲۸۵

جواب:- اگر ایسی قالین ہو کہ اس پر پیشانی ٹک جاتی ہو، تو اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے:

" ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن ... إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم تستقر ، لا " (۱)

ہاں، اگر اتنے موٹے گدے ہوں کہ پیشانی کا ان پر ٹکاؤ نہ ہو سکے، جیسا کہ آج کے بعض گدوں میں ہوتا ہے، تو اس پر سجدہ درست نہیں ہوگا، عام طور پر مسجدوں میں جائے نماز کے طور پر جو قالینیں استعمال کی جاتی ہیں، وہ ایسی نہیں ہوتی ہیں —— اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ایسی چیزوں میں شریعت کی طرف سے کوئی تحدید نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہر زمانے کے مزاج اور معیار کے تابع ہیں، ایک زمانہ میں لوگ خشک زمین پر ہی سو جاتے تھے، چٹائیوں کا بستر اور درخت کے پتوں کا چھپر کافی ہو جاتا تھا، اس زمانہ میں لوگ معیاری رہائش اور عمدہ قسم کے فرش کے عادی ہو چکے ہیں، گھروں میں بھی عمدہ قالین اور بہتر چادریں استعمال کی جاتی ہیں، ان حالات میں اگر مسجدوں میں محض چٹائی کی جائے نماز ہو، تو لوگوں کو شاید نماز میں یکسوئی حاصل نہ ہو پائے؛ اس لئے اگر آج کے مروجہ معیار کے مطابق مسجد کی عمارت ہو، حمامات ہوں، پانی کا نظم ہو اور جائے نمازیں ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قبلہ رخ ہوئے بغیر نفل نماز

سوال:- مجھے اکثر سفر کرنا پڑتا ہے؛ کیوں کہ میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں، سفر میں نماز تہجد کی بھی توفیق مل جاتی ہے، اس وقت قبلہ کی سمت معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے، اور چوں کہ لوگ اپنے اپنے برتھ پر سوئے رہتے ہیں؛ اس لئے بعض دفعہ قبلہ معلوم

---

(۱) ہندیہ: ۱/۷۰

ہو جائے تب بھی اس رخ پر نماز پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (اختر شیراز، ہائی ٹیک سٹی)

جواب:- فرض نماز میں تو حتی الامکان قبلہ رخ ہونا ضروری ہے ہی، سمت قبلہ سے ہٹ کر صرف اس وقت فرض ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ کسی وجہ سے قبلہ کی طرف رخ کرنا سخت دشوار ہو، نفل نماز بھی اگر کسی اطمینان کی جگہ پر پڑھے تو قبلہ رخ ہوکر ادا کرنا واجب ہے، لیکن اگر سواری پر ہو، تو نفل نماز میں استقبال قبلہ واجب نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ جب سواری پر ہوتے تو جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی طرف بیٹھے بیٹھے نفل نمازیں پڑھا کرتے تھے:

"كان رسول الله ﷺ يصلي على راحلته حيث توجهت فإذا أراد الفريضة نزل فاستقبل القبلة" (۱)

اس لئے ٹرین پر نفل نماز استقبال قبلہ کے ساتھ ادا کرنے میں دشواری ہو، تو جس طرف سہولت ہو اس رخ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے:

"ومن كان خارج المصر يتنفل على راحلته إلى أي جهة توجهت" (۲)

نماز میں نامناسب لباس

سوال:- مؤمن کا لباس کیسا ہونا چاہئے، بہت سے نوجوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ ایسا لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں جو مغربی تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں، یہ لوگ مساجد میں دوران نماز آدھے آستین، ٹی شرٹ اور کپڑوں پر عجیب قسم کی عبارت کے ساتھ فوٹو والے کپڑے پہنتے ہیں، پینٹ بھی ان کے ٹخنوں کے نیچے

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب القبلة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، حدیث نمبر: ۳۹۱ (۲) الهداية ۱/۱۴۸، ط: کراچی

ہوتا ہے، کیا ایسا لباس زیب تن کر کے نماز پڑھنے سے نماز درست
ہوئی یا نہیں؟ (محمد اکبر، ٹولی چوکی)

جواب:- تصویر والا کپڑا یا ٹخنوں سے نیچے تک پینٹ پہننا نماز ہی میں نہیں بلکہ عام حالت میں بھی مکروہ ہے، کیوں کہ جاندار کی تصویر کو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہبند پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم کا حصہ ہے گا: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار (۱) ایسا کپڑا جو اپنی وضع کے اعتبار ہی سے آدھی آستین کا ہو، اگرچہ نماز میں ایسے لباس کی کراہت کے بارے میں — غالباً — فقہاء کی صراحت نہیں ہے، لیکن اگر پوری آستین ہو اور اس کو کہنیوں تک موڑ لیا جائے تو اس کے مکروہ ہونے کی صراحت کی گئی ہے: ولو صلى رافعا كميه إلى المرفقين كره (۲) لہٰذا اگر کپڑے کی بناوٹ ایسی ہو کہ کہنی تک ہاتھ کھلا رہتا ہو تو وہ بھی بظاہر اسی حکم میں داخل ہوگا، غرض کہ لباس کی جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، ان میں سے بعض تو نماز وغیر نماز ہر دو حالت میں مکروہ ہیں اور بعض نماز میں مکروہ ہیں؛ اس لئے ایسا لباس پہن کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اگرچہ نماز کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔

جس کپڑے میں ہمبستری کی ہو، اس میں نماز

سوال:- جس کپڑے میں شوہر و بیوی ہم بستر ہوں، کیا
ان کپڑوں کو دھوئے بغیر ان میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔
(ایک بہن، ٹولی چوکی)

جواب:- نماز کے درست ہونے اور نہ ہونے کا تعلق کپڑے کے پاک اور ناپاک ہونے سے ہے، اس لئے اگر کپڑے میں نجاست لگ گئی ہو اور اس کی مقدار ہتھیلی کے گہرے حصہ سے زیادہ ہو تو ضروری ہے کہ اس حصہ کو دھو کر پہنے اور نماز ادا کرے، ورنہ نماز درست نہیں

---

(۱) بخاری: ۲/۸۶۱ (۲) ہندیہ: ۱/۱۰۶

ہوگی، اگر کپڑے میں نجاست نہیں لگی تو اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں، نجاست لگی ؛ لیکن مذکورہ مقدار سے کم ہے تب بھی دھو لینا چاہئے ؛ کیوں کہ جہاں تک ممکن ہو نجاست سے بچنا چاہئے، تاہم اگر اسی کپڑے میں نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی، محض اس وجہ سے کوئی کپڑا ناپاک نہیں ہوتا کہ وہ شوہر و بیوی کے تعلق کے وقت ان کے جسم پر تھا۔

نماز میں کہنیوں کا کھلا رہنا

سوال:- اگر مردانی یا زنانی کہنیاں حالت نماز میں کھلی ہوئی ہوں تو ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(قاری ایم ایس خاں، ملک پیٹ)

جواب:- نماز کی حالت میں کہنیوں کو چھپا کر رکھنا چاہئے ، یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے ؛ البتہ فرق یہ ہے کہ کہنیاں مردوں کے لئے حصہ ستر میں شامل نہیں ہیں ؛ اس لئے اگر کہنیاں کھلی رکھ کر نماز ادا کرے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی ، اور یہاں کراہت سے مراد کم درجہ کی کراہت یعنی کراہت تنزیہی ہے ، اور عورتوں کے لئے کہنیاں حصہ ستر میں شامل ہیں ؛ اس لئے اگر وہ کھلی ہوئی کہنیوں کے ساتھ نماز پڑھیں تو نماز درست ہی نہیں ہوگی۔

نماز میں مرد کا حصہ ستر

سوال:- مرد کے ستر کی حد کیا ہے؟ آج کل لوگ شرٹ پینٹ پہنتے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر نماز کی حالت میں کمر نظر آتی ہے، ایسی صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

(محمد سراج الدین، خیریت آباد)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے آخری حصہ تک کا حصہ ستر ہے، جس کا لوگوں کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ، اور جس کا نماز میں بھی چھپانا واجب

ہوگا، ناف ستر میں داخل نہیں ہے، گھٹنہ داخل ہے:

"العورة للرجل من تحت السرة حتى تجاوز ركبتيه فسرته ليست بعورة عند علمائنا الثلاثة، وركبته عورة عند علمائنا جميعا، هكذا في المحيط" (۱)

لہٰذا ناف سے متصل جو حصہ سامنے کی جانب ہے، اس کے محاذی جو حصہ پشت کی جانب پڑتا ہو، وہاں سے ستر واجب ہے، اگر اس سے نیچے کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہ جائے تو نماز درست نہیں ہوگی؛ اس لئے نوجوانوں کو چاہئے کہ ایسے چست پینٹ استعمال نہ کریں، جس سے کپڑا نیچے ڈھلک آئے اور ستر کے تقاضے پورے نہ ہوں، اسی طرح شرٹ بھی ایسا استعمال کرنا چاہئے، جو کمر سے نیچے تک جاتا ہو، تا کہ ستر کے سلسلہ میں پوری احتیاط ہو سکے۔

ہاف آستین پہن کر تنہائی میں نماز ادا کرنا

سوال:- اگر میں ہاف آستین نائٹی پہن کر تنہا کمرہ میں نماز ادا کروں، نہ وہاں میرے شوہر ہوں اور نہ کوئی اور شخص، تو کیا میری نماز درست ہوجائے گی، یا یہاں بھی بازوؤں کا چھپانا ضروری ہوگا؟ (شہناز اختر، مغل پورہ)

جواب:- نماز میں حصۂ ستر کو چھپانے کا حکم صرف لوگوں سے پردہ کے لئے نہیں ہے، یہ تو عام حالات میں بھی واجب ہے، بلکہ اس میں نماز کا ادب اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا پاس ولحاظ بھی مقصود ہے؛ کیوں کہ نماز پڑھنے والا خدا سے ہم کلام اور اس کے دربار میں حاضر ہوتا ہے؛ اس لئے عورت کے لئے ہاف آستین کپڑے پہن کر تنہائی میں بھی نماز ادا کرنا درست نہیں؛ چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ تنہائی اور تاریکی میں بھی بے لباس نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

---

(۱) ہندیہ: ۱/۵۸

"ولو صلی عریانا فی الظلمة بلا عذر لاتجوز إجماعا" (۱)

پلاسٹک کی ٹوپی میں نماز

سوال:- آج کل مسجدوں میں چٹائی اور پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی ہوئی ہیں، جن لوگوں کے پاس ٹوپی نہیں ہوتی ہے، وہ ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں، مساجد میں رکھی ہوئی ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(شیخ الدین، کرنول)

جواب:- نماز کے لئے بہتر لباس استعمال کرنا چاہئے، بعض اہل علم نے ارشاد ربانی ﴿خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ (۲) کی یہی تفسیر کی ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے کپڑے جسے آدمی گھر میں پہنتا ہے اور جسے پہن کر مہذب محفلوں اور بزرگوں کی خدمت میں نہیں جاتا ایسے کپڑے پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

"کره صلاة فی ثیاب بذلة یلبسها فی بیته ومهنة ای خدمة ان له غیرها"

البتہ یہ کراہت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے: "والظاهر ان الکراهة تنزیهیة" (۳)

اس لئے پلاسٹک اور چٹائی کی ٹوپیاں نماز کی حالت میں پہننا نامناسب عمل ہے کپڑے کی ٹوپی پہن کر آنا چاہئے، ہاں! اگر کپڑے کی ٹوپی میسر ہی نہ ہو تو اس ٹوپی میں بھی نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔

عورتوں کے لئے نماز کے کپڑے

سوال:- عورتوں کو کم سے کم کتنے کپڑے میں نماز پڑھنا

---

(۱) منحة الخالق: ۱/۲۶۸ (۲) الاعراف: ۳۱ (۳) رد المحتار: ۲/۴۰۷

چاہئے؟ اگر کوئی عورت میکسی پہن کر نماز ادا کرے اور اس کے اندر کوئی اور کپڑا نہ پہنے تو کیا اس کی نماز درست ہو جائے گی؟

(فریدہ تسنیم الدین، بخارہ وار)

جواب :- نماز میں یہ ضروری ہے کہ پورے جسم کا ستر ہو جائے اور چہرہ اور ہاتھوں کے سوا کچھ کھلا نہ رہ جائے، اگر ایک ہی کپڑا ایسا ہو جو سر سے پاؤں تک پورے جسم کو چھپالے تو یہ بھی نماز کے درست ہونے کے لئے کافی ہے، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ تین کپڑے ہوں، دوپٹہ، قمیص اور پائجامہ، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورت کو تین کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے:

تصلي المرأة في ثلاثة أثواب : درع وخمار وإزار (۱)

فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے:

"فالمستحب لها أن تصلي في ثلاثة أثواب أيضا : قميص وإزار ومقنعة إلخ" (۲)

تین کپڑوں کا استعمال اس لئے مستحب ہے کہ اس میں زیادہ ستر پایا جاتا ہے اور بے ستری کا اندیشہ کم ہوتا ہے، اگر ایک ہی کپڑا پہنا جائے تو کم سے کم جسم کا نشیب و فراز تو نمایاں ہو ہی جاتا ہے اور بعض اوقات بے ستری کا بھی اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لئے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

نماز اور خواتین کے سر کے بال

سوال:- میرے بال لمبے ہیں، اگرچہ میں نماز کی حالت میں اسکارف پہننے کا اہتمام کرتی ہوں اور بال کو چھپانے کا بھی؛

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الحيض، باب الترغيب في أن تكثف ثيابها أو تجعل تحت درعها ثوبا إن خشيت أن يصفها، حدیث نمبر: ۳۰۸۱

(۲) الفتاوى الهندية: ۵۹/۱

لیکن بعض دفعہ نیچے لٹکے ہوئے بال کھل جاتے ہیں، کیا اس سے ہماری نماز میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے؟ (افشاں پروین، رحمت نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوڑھنی کے بغیر کسی بالغ لڑکی کی نماز قبول نہیں: " لا یقبل اللہ صلاۃ حائض إلا بخمار " (۱) حضور ﷺ کے اس ارشاد میں خاص طور پر اوڑھنی کا ذکر ہے، جس کا مقصد ہی سر اور سر کے بال کو چھپانا ہوتا ہے؛ اس لئے عورتوں کے حق میں سر کے بال بھی ستر میں داخل ہیں، بال کا وہ حصہ جو سر پر ہے، اس کا تو قابل ستر ہونا متفق علیہ ہے ہی؛ لیکن جو بال لٹکے ہوئے ہیں، اگر وہ کھلے رہ جائیں تو ان کا ستر بھی ضروری ہے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی:

" وشعر المرأة على رأسها عورة و أما المسترسل ففيه روايتان : الأصح أنه عورة كذا في الخلاصة " (۲)

اس لئے ضروری ہے کہ آپ لمبی اوڑھنی اوڑھنے کا اہتمام کریں؛ تاکہ نیچے لٹکے ہوئے بال بھی اچھی طرح چھپ جائیں۔

شرٹ پینٹ میں امامت

سوال:- ہمارے مستقر کی ایک مسجد میں امام صاحب شرٹ پینٹ پہنتے ہیں اور پینٹ ٹخنوں سے نیچے رہتا ہے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی؟

(ساجد خاں، بھینسہ)

جواب:- اگر پینٹ اس قدر چست ہو کہ اعضاء کی ساخت نمایاں ہو جائے تو کراہت سے خالی نہیں، اور ٹخنوں سے نیچے کپڑوں کا ہونا مردوں کے حق میں مکروہ ہے اور متعدد حدیثوں میں اس کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے ان صاحب کو حکمت کے ساتھ اس سے روکنا چاہئے

---

(۱) سنن أبي داؤد ، باب المرأة تصلي بغير خمار حدیث نمبر: ۶۴۱

(۲) الفتاوی الهندية: ۵۸/۱

اور مناسب کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کی تلقین کرنی چاہئے، اگر وہ اس پر اصرار کریں تو ان کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، ویکون تنزیها إمامة عبد وأعرابي وفاسق (۱) ایسی صورت میں کوشش کرنی چاہئے کہ کسی اور مسجد میں نماز ادا کریں۔

جینس پینٹ میں نماز

سوال:- آج کل جینس پینٹ کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے، نوجوان کثرت سے اس کا استعمال کرتے ہیں، اس کپڑے میں کیا نماز پڑھنا جائز ہوگا یا اس میں نماز درست نہیں ہوگی؟

(نوید اختر، پہاڑی شریف)

جواب:- اتنا چست کپڑا پہننا کہ جسم کی ساخت نمایاں ہو جائے مکروہ ہے، نوجوانوں کی تربیت کرنی چاہئے کہ وہ ڈھیلا ڈھالا لباس پہنیں جو حقیقی معنوں میں ستر کی ضرورت کو پوری کرتا ہو، جہاں تک نماز کی بات ہے، تو گو ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، لیکن نماز ادا ہو جائے گی، کیوں کہ اگر ایسا کپڑا ہو جس سے جسم کی رنگت نظر نہ آئے، تو گو جسم سے چپکا ہوا ہو، پھر بھی نماز ہو جاتی ہے:

"أما لو كان غليظا لا يرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر" (۲)

اضطباع کی حالت میں نماز

سوال:- مجھے عمرہ کے لئے جانا ہے، طواف کے درمیان

---

(۱) درمختار مع الرد: ۲/ ۲۹۸

(۲) رد المحتار: ۲/ ۸۴، باب شروط الصلاۃ

احرام کی چادر دائیں کاندھے کے نیچے سے بائیں کاندھے کے اوپر رکھ دی جاتی ہے، نیز احرام کی وجہ سے سر بھی کھلا رکھا جاتا ہے، اس طواف کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے تو کھلے سر اور کھلے مونڈھے پر نماز ادا کی جاسکتی ہے یا جسم کو چھپانا ضروری ہوگا؟

(شیخ الدین، مہدی پٹنم)

جواب:- آپ نے دائیں مونڈھے کو کھولے رکھنے کی جو صورت لکھی ہے اس کو اصطلاح میں "اضطباع" کہتے ہیں، یہ عمل اس پورے طواف میں مسنون ہے، جس کے بعد سعی کرنی ہو اور احرام کے کپڑے میں ملبوس ہو، —— نماز کی حالت میں اضطباع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اسے مکروہ قرار دیا گیا ہے؛ البتہ اگر حالت احرام میں ہو تو نماز میں بھی سر کا کھلا رکھنا واجب ہے؛ کیوں کہ مردوں کے لئے احرام کی حالت میں یہ کیفیت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

نماز میں کن امور کی نیت کی جائے؟

سوال:- نماز فجر میں اگر دوسری رکعت میں قعدہ کی حالت میں پہنچوں تو ہمیں کس طرح نیت کرنا چاہیے؟ اگر وقت کم ہو تو پیچھے اس امام کے کہہ کر بیٹھ جاؤں یا "پڑھتا ہوں واسطے اللہ کے" پڑھ کر بیٹھوں، اور کیا اس صورت میں سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کھڑا ہو تو کیا اسے دوبارہ نیت کرنی چاہیے؟ (شاہ محمد، رائچور)

جواب:- نیت اصل میں دل کے ارادہ کا نام ہے، جب آپ نماز پڑھنے آتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کے لیے پڑھنے کے لیے آتے ہیں، اور جو امام سامنے موجود ہوتا ہے اس کی اقتداء کا ارادہ ہوتا ہے، یہ بات جو آپ کے دل میں موجود ہے یہی نیت ہے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ زبان سے کہنے تک امام صاحب سلام پھیر دیں گے، تو زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، نیز جب امام سلام پھیر دے اور آپ چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پوری کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو اب دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں۔

نیت کے سلسلہ میں یہ اصول ذہن میں رکھئے کہ اگر تنہا نماز پڑھ رہے ہوں تو دو باتوں کی نیت دل میں ہونی چاہیے، اول یہ کہ یہ نماز ہم اللہ کے لیے پڑھ رہے ہیں، دوسرے دل میں یہ بات متعین ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے، اور اگر مقتدی ہو تو تیسری چیز کی بھی نیت کرنی ہوگی کہ ہم اس امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں:

" و لوكان مقتديا ينوي ما ينوي المنفرد ، و ينوي الاقتداء ... " (۱)

نماز کی نیت میں دل کے ارادہ اور زبان کے بول میں فرق

سوال:- میں ظہر کی چار رکعت سنت پڑھنا چاہتا تھا، زبان سے نکل گیا کہ عصر کی چار رکعت سنت پڑھ رہا ہوں، نماز پوری کرنے کے بعد یاد آیا کہ مجھ سے نیت کرنے میں غلطی ہوگئی، ایسی صورت میں کیا ظہر کی سنت ادا ہوگئی؟ (محمد یاسین، سدی پیٹ)

جواب:- نیت اصل میں دل کے ارادے کا نام ہے، نہ کہ زبان کے الفاظ کا، اس لیے جب آپ کے دل میں ظہر کی سنت پڑھنے کا ارادہ تھا، تو اسی کا اعتبار ہوگا، نہ کہ زبان کے بول کا، ویسے بھی نفل نمازیں مطلق نماز کی نیت سے ادا ہو جاتی ہے:

" فإن كان منفرداً إن كان يصلي التطوع تكفيه نية الصلاة " (۲)

نیت کا طریقہ

سوال:- جب ہم فرض نماز کے درمیان آ کر شامل ہوں، اور امام کے رکوع سے اٹھ جانے کا اندیشہ ہو، یا امام کے سلام پھیرنے کا وقت قریب ہو تو کس طرح نیت کی جائے، تابع امام کہا

(۱) الهندية: ۶۶/۱ (۲) بدائع الصنائع: ۲۳۰/۱

جائے، یا واسطے اللہ کے کہا جائے؟ (شاہ محمد یونس سرمست، رائچور)

جواب:- یہ سوال ذہن میں اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ زبان سے کہے جانے والے کلمات کو نیت سمجھتے ہیں، حالانکہ نیت زبان سے ادا کئے جانے والے بول نہیں ہیں؛ بلکہ دل میں پیدا ہونے والے عزم اور پختہ ارادہ کو نیت کہتے ہیں، گویا نیت قلب کا فعل ہے، نہ کہ زبان کا" ..... أن النية إنما هي عمل القلب" (۱) لہٰذا جب آپ نماز پڑھنے کے ارادے سے صف میں آتے ہیں، تو آپ کا ارادہ اسی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ اللہ کی رضا کے لیے ہی عبادت انجام دے رہے ہیں؛ اس لیے مزید زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، خاص کر ایسے وقت میں جبکہ اس کی وجہ سے جماعت یا اس رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں

سوال:- نماز کی نیت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز کیا تعداد رکعت کی بھی نیت کی جائے گی، جیسے دو، تین یا چار؟

(م، ج، الف، لنگم پلی)

جواب:- نیت اصل میں ان الفاظ کا نام نہیں ہے، جن کو عام طور سے نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے؛ بلکہ نیت دل کے پختہ ارادہ کا نام ہے، اگر کسی نے دل میں ارادہ کیا کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے، تو نیت ہوگئی، ان الفاظ کو زبان سے کہنا ضروری نہیں:

" النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي " (۲)

نیز جو نماز ادا کرتے جا رہا ہے، اس کا ارادہ کافی ہے، یہ بات ضروری نہیں ہے کہ رکعتوں کی تعداد کا بھی ارادہ کیا جائے؛ کیوں کہ جب ظہر یا عصر کی نیت کی گئی تو ان کا چار رکعت

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۲۸۱ (۲) الفتاوی الهندية: ۱/۶۵

ہونا آپ سے آپ متعین ہوگیا؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ تعداد رکعت کی نیت کرنا شرط نہیں :

" ولا یشترط نیة عدد الرکعات ھکذا في شرح الوقایة " (۱)

ٹرین اور بیٹھ کر نماز

سوال:- ٹرین میں کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنی ضروری ہے یا بیٹھ کر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (سید عظمت اللہ، ہاشم آباد)

جواب:- ٹرین اگر کسی جگہ رکی ہوئی ہو تب بھی اس پر نماز پڑھنا درست ہے، اور ایسی صورت میں کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنا واجب ہوگا؛ کیونکہ یہ زمین کے حکم میں ہے، چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، بہ شرطیکہ کھڑے ہونے میں دشواری ہو؛ اس لئے کہ اکثر اوقات ٹرین چلتے وقت بہت حرکت ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ فقہاء نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: "صلی الفرض في فلك جاز قاعدا بلا عذر صح " (۲) —— لیکن بہتر ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر ہو تو کھڑے ہوکر ہی پڑھے کہ صاحبین کا مسلک یہی ہے اور بعض فقہاء نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔ (۳)

قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز

سوال:- میرے والد کافی ضعیف ہیں، مسجد جانے پر قادر نہیں ہیں اور زیادہ دیر کھڑے نہیں رہ سکتے ہیں، وہ فجر کی نماز میں طویل قراءت کرنا چاہتے ہیں، کیا ان کے لئے یہ گنجائش ہے کہ فجر کی نماز بیٹھ کر لمبی قراءت کے ساتھ ادا کرلیں؛ تا کہ ان کی طبیعت کو تشفی ہو؟ (خدا بخش خاں، بنگلور)

جواب:- نماز کے ارکان میں سے ایک قیام بھی ہے اور کھڑے ہونے کے بجائے

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۶۶ (۲) الدر المختار مع الرد:۲/۵۴۲

(۳) رد المحتار علی الدر :۲/۵۴۲

بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا اسی وقت درست ہے جب کہ آدمی کھڑے ہونے سے عاجز ہو، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے اگر انسان تھوڑی دیر کھڑا رہ سکتا ہو تو ضروری ہے کہ اتنی دیر کھڑا رہ کر نماز ادا کرے اور جب اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ جائے:

"وإن قدر على بعض القيام ... قام لزوما بقدر ما يقدر ولو قدر آية" (۱)، وفي الرد: "وهو المذهب الصحيح" (۲)

لہٰذا محض طویل قرأت اور دل کے اطمینان کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ جو مختصر سورت کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہوں وہ پڑھیں اور نفل نمازوں میں بیٹھ کر اپنے ذوق کے مطابق طویل قرأت کر لیں۔

تکبیر اولیٰ سے مراد

سوال:- تکبیر اولیٰ سے کیا مراد ہے؟ تکبیر اولیٰ امام کے ہاتھ باندھنے کے کتنی دیر بعد تک ہو سکتی ہے؟ یعنی امام کے قراءت شروع کرنے سے پہلے یا کچھ دیر بعد بھی ہو سکتی ہے؟ (م، خ، اعظم پلی)

جواب:- اصل میں تو کوشش کرنی چاہئے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہے، تب ہی سے جماعت میں شرکت ہو، چنانچہ بعض اہل علم کے نزدیک تکبیر اولیٰ سے یہی مراد ہے؛ لیکن فقہاء کے نزدیک راجح نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر اس نے پہلی رکعت کو پالیا، یعنی امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوگیا تو وہ تکبیر اولیٰ کو پانے والا سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ شریعت میں رکوع میں شریک ہو جانے والے شخص کو اس پوری رکعت کے پالینے والے کا درجہ حاصل ہوتا ہے:

"أما فضيلة تكبيرة الافتتاح، فتكلموا في وقت أدائها، والصحيح أن من أدرك الركعة الأولى فقد أدرك فضيلة تكبيرة الافتتاح" (۳)

---

(۱) الدر المختار (۲) رد المحتار ۲/۵۶۷

(۳) الفتاوی الهندية ۱/۶۹

غلط طریقہ پر "اللہ اکبر" کہنا

سوال:- تکبیر میں اللہ اکبر صاف کہنے کے بجائے نمازوں میں امام صاحب "اللہ اکوبر" یا "ن" غنہ لگا کر اکبر کہتے ہیں، کیا تکبیر میں "ن غنہ" یا "و" لگانا درست ہے؟ (محمد سعید، مجریال)

جواب:- اللہ اکبر میں اکبر کی کاف پر جزم ہے، اس کو پیش بنانا یا واو کی طرح پڑھنا درست نہیں، اسی طرح اکبر میں غنہ کا محل نہیں ہے، اسی لئے اس میں "غنہ" کرنا درست نہیں، آپ غور سے اور توجہ کے ساتھ امام صاحب کی تکبیر کو سنیں، ہوسکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہورہی ہو، اور اگر واقعی امام صاحب اسی طرح پڑھتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ تنہائی میں محبت کے ساتھ انہیں سمجھا دیں؛ تاکہ اصلاح بھی ہوجائے اور عوام کے درمیان وہ بے وزن بھی نہ ہوں۔

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے وقت کانوں کو انگوٹھے لگانا

سوال:- تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کو لگنا ضروری ہے یا نہیں؟ (م، ج، الف، نظم پلی)

جواب:- تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانا مسنون ہے، اس سنت کی ادائیگی کے لئے انگلی کا کانوں کو لگانا ضروری نہیں؛ بلکہ کانوں کے مقابل رکھنا کافی ہے، مختلف حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اس کا بہتر طریقہ یہ بتایا ہے کہ انگوٹھے کا آخری سرا کان کی لَو کے مقابل ہو، اور انگلیوں کا سرا کان کے بقیہ حصہ کے مقابل ہو:

"إذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذي بإبهاميه شحمتي أذنيه وبرؤس الأصابع فروع أذنيه" (۱)

لیکن اگر انگلی کان سے مس ہوجائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) الهندية : ۱/۷۳

تکبیر تحریمہ کے وقت ہتھیلیوں کا رخ کس طرف ہو؟

سوال :- دونوں ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کہتے وقت کیا کھلے رکھ کر آسمان کی طرف دکھانا چاہئے؟ (م ،ج، الف، انگمر پلی)

جواب :- نہیں، آسمان کی طرف ہتھیلیوں کا رخ نہ ہونا چاہئے، فقہاء نے احادیث کو سامنے رکھ کر اس کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو، انگلیاں کھلی ہوئی ہوں، اس حال میں دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، اور جب انگوٹھے کان کی لو کے برابر آجائیں تو تکبیر تحریمہ کہی جائے :

" يستقبل ببطون كفيه إلى القبلة وينشر أصابعه ويرفعهما ، فإذا استقرتا في موضع محاذاة الإبهامين شحمتي الأذنين ، يكبر " (۱)

تکبیر تحریمہ کب شروع اور کب ختم کی جائے؟

سوال :- ایک امام صاحب نماز اس طرح شروع کرتے ہیں کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کانوں کی لو تک لے جا کر پھر ہاتھ نیچے کر کے ناف کے اوپر باندھتے ہیں، تب اللہ اکبر کہتے ہیں، تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لینا چاہئے، یا ہاتھ باندھ کر اللہ اکبر کہنا چاہئے، امام صاحب کے اس طریقہ سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (محمد تاج الدین، ظہیر آباد)

جواب :- ہاتھ باندھنے کے بعد اللہ اکبر کہنا درست طریقہ نہیں ہے، کس وقت تکبیر کہا جائے؟ اس سلسلہ میں دو رائیں منقول ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ پہلے ہاتھ کان کی لو تک لے جائے پھر جب کان سے نیچے کی طرف لے جائے تو تکبیر کہے اور ہاتھ باندھنے سے پہلے پہلے تکبیر مکمل کر لے، ہدایہ میں اسی طریقہ کو ترجیح دی گئی ہے اور امام طحاوی نے بھی اس کو زیادہ

---

(۱) الفتاوی الهندية : ۷۳/۱ .

درست قرار دیا ہے؛ کیونکہ ہاتھ کان تک لے جانے کا مقصد غیر اللہ کی بڑائی کی نفی کرنا ہے اور ہاتھ باندھنا اثباتی اشارہ ہے؛ لہٰذا پہلے نفی ہونی چاہئے، پھر اثبات:

"الأصح أنه يرفع أولا ثم يكبر لأن فعله نفي الكبرياء عن غير الله تعالى ، والنفي مقدم على الإثبات" (۱)

دوسری رائے یہ ہے کہ جوں ہی ہاتھ اٹھانا شروع کرے تکبیر بھی شروع کرے اور ہاتھ باندھنے تک تکبیر مکمل کر لے، اس رائے کو قاضی خانؒ اور دوسرے اہل علم نے ترجیح دی ہے، یہی رائے علامہ حلبیؒ کی بھی ہے:

"والأفضل كون الرفع مع التكبير بأن يكون ابتداء ه عند ابتداء التكبير وانتهائه عند انتهائه" (۲)

یہی دوسرا قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہنے کا تھا:

"رأيت النبي صلى الله عليه وسلم افتتح التكبيرة في الصلاة، فرفع يديه حين يكبر" (۳)

اس مضمون کی اور روایت بھی بخاری اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے؛ اس لئے یہی طریقہ افضل ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ اور حدیث

سوال:- کیا نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا حدیث میں ذکر آیا ہے؟ اور اس طرح ہاتھ باندھے تو نماز ہو جائے گی؟ بعض لوگ اس طرح ہاتھ باندھتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ

---

(۱) کبیری، ص: ۲۹۲ (۲) کبیری، ص: ۲۹۲

(۳) بخاری، حدیث: ۷۳۸

کی کہنی تک رکھ دیتے ہیں، کیا اس طرح ہاتھ رکھنا چاہئے؟

(محمد اعجاز، دو بیر پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ باندھنے کی مختلف کیفیتیں منقول ہیں، ان میں سے ایک صورت وہ ہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھا جائے؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے پنجے پر ناف کے نیچے رکھا جائے:

"إن من السنة في الصلاة وضع الأكف على الأكف تحت السرة" (۱)

اور ظاہر ہے کہ سنت سے سنت نبوی ہی مراد ہے؛ چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب کوئی صحابی مطلق سنت کہے تو اس سے مراد سنت نبوی ہوگی:

"واعلم أن الصحابي إذا أطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبي ﷺ" (۲)

جہاں تک ہاتھ باندھنے کے طریقہ کی بات ہے تو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھنے کا حکم دیتے تھے:

"كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلاة" (۳)

لیکن یہ روایت مجمل ہے، ابوداؤد کی روایت میں اس کی تفصیل اور وضاحت آئی ہے، آپ ﷺ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت، گٹوں اور بازو پر رکھتے تھے:

"ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ

---

(۱) مسند الإمام أحمد: ۱/۱۱۰، حدیث نمبر: ۸۷۵، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة، حدیث نمبر: ۷۵۶

(۲) نصب الراية: ۱/۳۱۴، باب صفة الصلاة

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۷۴۰

والصدر" (۱)

اور ترمذی کی روایت ہے کہ داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے بھی تھے: "كان يأخذ شماله بيمينه" (۲) بظاہر ان تمام حدیثوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھا جائے کہ ہتھیلی کا ابتدائی حصہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور بقیہ حصہ گٹوں پر سے گزرتے ہوئے بازو کی ہڈی پر آجائے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کا حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹوں کے پاس پکڑ لیا جائے، اس طرح تمام حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے، اور احادیث پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مختلف حدیثوں میں منقول عمل کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ اعلم

مقتدی کے لئے ثناء

سوال:- نماز باجماعت میں مقتدی کے لئے ثنا پڑھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ یا صرف امام ہی پڑھ لے تو کافی ہوگا؟

(م ح، ابراہیم پلی)

جواب:- نماز میں پہلی رکعت میں ثنا پڑھنا مسنون ہے، حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے، ثنا امام کے لئے بھی ہے اور مقتدی کے لئے بھی، جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں، تب بھی ہے اور تنہا نماز پڑھ رہے ہوں، تب بھی ہے، بعض مقتدی حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد کچھ نہیں پڑھتے ہیں، اسی طرح بعض ائمہ تراویح کی نماز میں اتنی عجلت کرتے ہیں کہ ثنا چھوڑ دیتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہے، تنہا نماز پڑھنے والے کو بھی، امام کو بھی اور امام قراءت شروع نہ کر چکا ہو تو مقتدی کو بھی ثنا پڑھنا چاہئے۔

"ثم يقول سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، كذا في الهداية، إماما

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۷۵۹ (۲) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۵۲

کان أو مقتدیا أو منفردا ، کذا في التاتارخانیہ " (۱)

ثناء کب پڑھے؟

سوال:- چار رکعت والی سنت نماز میں تیسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ (مسعود احمد، وقارآباد)

جواب:- ثنا پہلی رکعت میں پڑھنا چاہئے؛ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اس وقت سبحانک اللہ وبحمدک الخ یعنی ثناء کے کلمات پڑھتے:

" کان النبي ﷺ إذا افتتح الصلاۃ قال : سبحانک اللھم الخ " (۲)

اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر ہے جو فرض کو بھی شامل ہے اور نفل کو بھی، دو رکعت والی نماز کو بھی شامل ہے اور چار رکعت والی نماز کو بھی؛ اس لئے ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔

تعوذ وتسمیہ نماز میں

سوال:- تعوذ وتسمیہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھا جائے گا یا سے صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہے؟ (سلمیٰ، عیدی بازار)

جواب:- تعوذ کا تعلق پوری نماز سے ہے؛ اس لئے صرف پہلی رکعت میں اعوذ باللہ پڑھا جائے گا، یہاں تک کہ اگر شروع میں پڑھنا یاد نہیں رہا، درمیان میں یاد آیا تو اب پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ البتہ بسم اللہ کا تعلق قرآن مجید کی قراءت سے ہے؛ اس لئے ہر رکعت کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا چاہئے، یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے:

---

(۱) ہندیہ: ۱/۷۳

(۲) سنن ترمذی، باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۴۳

"واتعوذ عند افتتاح الصلاة لا غير، ثم يأتي بالتسمية ويخفيها في أول كل ركعة، وهو قول أبي يوسف وعليه الفتوى" (۱)

نماز میں تعوذ وتسمیہ آہستہ پڑھے

سوال:- ایک صاحب مسجد میں مسجد کی کمیٹی سے اصرار کر رہے ہیں کہ امام صاحب کو جہری نمازوں میں تعوذ وتسمیہ بآواز بلند پڑھنا چاہیے، جب کہ تمام مصلیانِ کرام حنفی ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟ (مسعود علی خان، احمد نگر)

جواب:- احادیث میں جن چیزوں کے آہستہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے، ان میں "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" بھی ہے، اس لیے "اعوذ باللہ" تو تمام ہی فقہاء کے نزدیک آہستہ پڑھا جائے گا، "بسم اللہ" حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک زور سے پڑھنا بہتر ہے، لیکن اکثر فقہاء آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں، کیوں کہ زیادہ تر حدیثوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے، اس لیے ان صاحب کا اصرار بے جا ہے، بخصوص ایسی صورت میں جب کہ اکثر مصلیان حنفی ہیں، اور بسم اللہ زور سے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، ایسی باتیں امت میں اختلاف وانتشار کا باعث ہوتی ہیں:

"وتعوذ سراً وسمى سراً في كل ركعة أي ثم يسمي المصلي بأن يقول بسم الله الرحمن الرحيم هذا هو المراد بالتسمية هنا" (۲)

نماز میں تکبیر انتقال کا موقع

سوال:- بعض ائمہ ایک رکن سے دوسرے رکن میں

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۷۴ (۲) البحر الرائق: ۱/۵۴۲

داخل ہو کر تکبیر ختم کرتے ہیں اس سلسلہ میں صحیح طریقہ کیا ہے؟

(شیخ حبیب، مم)

جواب:- یہ تکبیرات ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہیں اس لئے جس وقت ایک رکن سے منتقل ہونا شروع ہو، اس وقت تکبیر شروع کرے اور دوسرے رکن میں پہنچنے سے پہلے تکبیر کو مکمل کرلے، یہ مسنون طریقہ ہے اور حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی عمل معلوم ہوتا ہے۔(۱)

مقتدی اور تکبیراتِ انتقال

سوال:- جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں کیا مقتدی کو بھی تکبیر کہنا ضروری ہے؟ اور ضروری ہے تو کیا امام کے ساتھ ساتھ تکبیر کہے گا؟ (شیخ سید امین، حیدرآباد)

جواب:- (الف) نماز شروع کرتے ہوئے جو تکبیر کہی جاتی ہے، اس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، یہ فرض ہے، امام کے لئے بھی کہنا ضروری ہے، اور مقتدی کے لئے بھی، اس کے علاوہ وہ ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہوتے وقت جو تکبیر کہی جاتی ہے، جیسے قیام سے رکوع کی طرف، یا رکوع سے قومہ کی طرف، ان کو ''تکبیراتِ انتقال'' کہتے ہیں، یہ واجب نہیں ہیں، سنت ہیں؛ اس لئے ان تکبیرات کو امام کو بھی کہنا چاہئے اور مقتدی کو بھی؛ لیکن اگر نہیں کہا، تب بھی نماز ہو جائے گی۔

(ب) اقتداء کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ مقتدی کا عمل امام کے اس عمل کو شروع کرنے کے بعد شروع ہو، اور امام کے ختم کرنے کے بعد ختم ہو؛ البتہ افضل طریقہ یہ ہے کہ امام کے عمل شروع کرنے کے بعد تاخیر نہ کی جائے، یہی اصول تکبیرات کی ادائیگی میں بھی ہے کہ امام کے تکبیر شروع کرنے کے بعد مقتدی بھی شروع کرے۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۷۸۵

" ومنها أي سنن الصلاة أن يكبر المقتدي مقارنا لتكبير الإمام، فهو أفضل باتفاق الروايات عن أبي حنيفة " (۱)

رکوع اور سجدہ کی تسبیحات اور ان کی تعداد

سوال:- کیا فرض نمازوں میں رکوع و سجود کی تسبیحات غیر مساوی تعداد میں پڑھی جاسکتی ہیں؟ جیسے پہلے رکوع اور سجدہ میں سات بار اور دوسرے و تیسرے میں پانچ یا تین بار تسبیحات پڑھی جائیں، یا پورے رکوع و سجود میں تعداد کا مساوی ہونا ضروری ہے؟

(احمد سعید، منجریال)

جواب:- رکوع اور سجدہ میں مختلف رکعتوں میں کم یا زیادہ تسبیحات پڑھی جاسکتی ہیں، جیسا کہ قراءت کسی رکعت میں طویل اور کسی میں نسبتاً مختصر کی جاسکتی ہے، البتہ بہتر ہے کہ رکوع اور سجدہ اور مختلف رکعتوں کے افعال میں توازن اور مقدار کے اعتبار سے یکسانیت ہو یا اس کے قریب ہو، فقہاء کی بعض عبارتوں سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے:

" ثم يكبر و ينحط للسجدة الثانية و يسبح فيها مثل ماسبح في السجدة الأولى كذا في المحيط " (۲)

رکوع سے پہلے وقفہ

سوال:- نماز میں قراءت کے فوراً بعد رکوع کرنا چاہئے، یا کچھ وقفہ کے بعد؛ کیونکہ بعض ائمہ قراءت کے ساتھ ساتھ رکوع میں جانے کے لئے اللہ اکبر کہتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱/۴۶۶ (۲) ہندیہ: ۱/۸۵

جواب:- قراءت سے فارغ ہونے کے بعد کسی قدر وقفہ کرکے پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جانا چاہئے؛ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو دفعہ سکتہ فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ تکبیر تحریمہ کے بعد جب نماز میں داخل ہوتے، دوسری بار قراءت سے فارغ ہونے کے بعد۔(۱)

سمع اللہ لمن حمدہ کے جواب میں ''حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ'' کہنا

سوال:- ایک صاحب نے جماعت کی نماز میں امام صاحب کے " سمع الله لمن حمده " کہنے کے بعد اس طرح کہا " ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه " کیا اس طرح تحمید کے کلمات کہے جاسکتے ہیں؟ (انور کریم، چار مینار)

جواب:- حضرت رفاعہ بن رافع ﷺ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ میں نماز ادا کر رہے تھے، جب حضور ﷺ نے سر اٹھایا تو فرمایا " سمع الله لمن حمده " تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک صحابی نے کہا " ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه " جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ کہنے والے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ اس کو لکھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں اس طرح تحمید کے کلمات کہے جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ البتہ صحابہ ﷺ کا جو عام معمول تھا وہ یہی کہ جماعت کی نماز میں صرف " ربنا لك الحمد " کہنے پر اکتفاء کرتے، خود رسول اللہ ﷺ کی ہدایت بھی یہی منقول ہے کہ جب امام "سمع الله لمن حمده " کہے تو تم " ربنا لك الحمد " کہو (۳) اس لئے احناف اور اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ فرض

---

(۱) دیکھئے سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۵۱ (۲) بخاری حدیث نمبر: ۷۹۹، باب نمبر: ۱۲۶

(۳) دیکھئے بخاری شریف حدیث: ۷۹۶، باب اللهم ربنا ولك الحمد

نمازوں میں اتنے ہی پر اکتفا بہتر ہے، البتہ نفل نماز میں تحمید کے وہ کلمات کہے، جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا؛ کیونکہ نفل میں بمقابلہ فرض کے گنجائش زیادہ ہے، رہ گیا حضور ﷺ کا ارشاد تو اس کا مقصد ان کلمات کی تحسین ہے نہ کہ عمل کی توثیق، یعنی حضور ﷺ کا یہ مقصود نہیں کہ لوگ اس طرح کلمہ تحمید کہا کریں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ ﷺ نے دوسرے صحابہؓ کو بھی اس طرح کہنے کی ترغیب دی ہوتی۔

نماز میں تکبیراتِ انتقال کو کھینچ کر پڑھنا

سوال:- ہمارے یہاں ایک قاری صاحب امامت فرماتے ہیں، ان کی قراءت بہت اچھی ہوتی ہے، وہ نماز میں بھی اللہ اکبر کو کافی کھینچ کر ادا کرتے ہیں، بعض نمازیوں کو اس پر اعتراض ہے، صحیح حکم کی رہنمائی فرمایئے۔ (مصباح الاسلام، پونے)

جواب:- 'اللہ' میں جس قدر مد علماء تجوید کے نزدیک بہتر ہے، اتنا ہی کھینچنا چاہیے، اس سے زیادہ کھینچنے میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ قواعد تجوید کی خلاف ورزی ہوتی ہے، دوسری اس سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر امام صاحب کے ساتھ مقتدیوں نے تکبیر تحریمہ شروع کی اور امام سے پہلے مقتدیوں کی تکبیر پوری ہوگئی، تو امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد ابن سماعہؒ نے ان سے نقل کیا ہے کہ اقتداء درست نہیں ہوگی؛ لہٰذا مقتدیوں کی نماز بھی درست نہ ہوگی، بلکہ علامہ قہستانیؒ نے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں متفق ہیں:

" و لو كبر المقتدي مع الإمام إلا أن الإمام طول قوله حتى فرغ المقتدي من قوله : الله أكبر قبل أن يفرغ الإمام من قوله : الله لم يصر شارعاً في صلاة الإمام ، كذا روى ابن سماعة في " نوادره " و يجب أن تكون

هذه المسألة بالاتفاق " (۱)

اس لیے آپ حضرات حکمت کے ساتھ اور امام صاحب کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے تنہائی میں انھیں بتائیں اور ترغیب دیں کہ وہ اللہ اکبر کو صحیح طور پر ادا کرنے کی کوشش کریں۔

نماز کے درمیان ٹیلی فون کی گھنٹی

سوال:- اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگے تو نمازی کو کیا کرنا چاہئے؟ (غوث الدین قدیر، ملاٹ پوری)

جواب:- ٹیلی فون چوں کہ معمولی کاموں کے لئے بھی کئے جاتے ہیں اور اہم کام کے لئے بھی، لیکن اس سے کوئی ایسی فوری اور ایمرجنسی ضرورت متعلق نہیں ہوتی ہے جو ٹیلیفون کرنے والے کے مخاطب سے فوری مطلوب ہو، اس لئے ٹیلی فون کی وجہ سے نماز کا توڑنا جائز نہیں، فقہاء نے اس صورت میں نماز توڑنے کو واجب قرار دیا ہے کہ کسی شخص کے چھت سے گر جانے، پانی میں ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا خطرہ ہو، والدین کے خصوصی مرتبہ و مقام کی وجہ سے اگر وہ کسی چیز کو طلب کریں، تو نماز نہیں توڑنی چاہئے؛ بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان سے ضرورت دریافت کر لینی چاہئے۔

" المصلي إذا دعاه أحد أبويه لا يجيب ما لم يفرغ من صلاته إلا أن يستغيث به لشيء ، لأن قطع الصلاة لا يجوز إلا لضرورة الخ " (۲)

غرض کہ ضرورتاً ہی نماز شروع کرنے کے بعد اس کا توڑنا جائز ہے اور ٹیلی فون ایسی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اگر عمل کثیر کے بغیر ٹیلیفون کو بند کیا جا سکتا ہو یا اس کا ریسیور ہٹایا جا سکتا ہو تو ایسا کر دینا بہتر ہوگا؛ تاکہ نماز میں یکسوئی حاصل ہو سکے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱/۳۵۰ (۲) ہندیہ: ۱/۱۰۹

ہاتھوں پر سجدہ

سوال:- میرے محلہ کے ایک بزرگ ہیں وہ سجدہ کی حالت میں بعض اوقات زمین پر ہتھیلی رکھ کر اس پر سجدہ کر لیتے ہیں، کیا ان کا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اس طرح سجدہ درست ہو جائے گا؟ (شمیم احمد، ملکپیٹ)

جواب:- سجدہ کا صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ پیشانی زمین پر ہو اور دونوں ہاتھ کاندھے کے مقابل دائیں بائیں ہوں؛ اس لئے اگر کوئی شخص ہاتھوں کو بچھا کر اس پر سجدہ کرے تو یہ سنت طریقہ کے خلاف ہوگا؛ لیکن اگر اس طرح سجدہ کر ہی لیا تو سجدہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا، ورنہ نماز درست ہو جائے گی:

"ولو وضع كفه بالأرض وسجد عليه يجوز على الصحيح" (۱)

اگر سجدہ کی جگہ اونچی ہو؟

سوال:- ہماری مسجد میں آگے کا حصہ کچھ اونچا ہے اور یہ قطب شاہی دور کی تعمیر ہے، بعد میں جو اضافہ ہوا ہے، وہ حصہ نیچا ہے، کیا اس نیچے کی زمین پر بیٹھ کر اوپر والی زمین پر سجدہ کر سکتے ہیں؟ محلہ کے بعض بیمار بزرگ حضرات ایسا کرتے ہیں۔ (صفی احمد، سعید آباد)

جواب:- صحیح طریقہ یہ ہے کہ نمازی کے کھڑے ہونے اور اس کے سجدہ کرنے کی جگہ سطح کے اعتبار سے برابر ہو، لیکن اگر تھوڑا سا فرق ہو، مگر سجدہ کی ہیئت مکمل ہو جاتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، فقہاء نے اس کے لئے یہ معیار رکھا ہے کہ زمین سے ایک بالشت سے کم

(۱) کبیری ص: ۲۸۵

اونچائی ہونی چاہئے ، ایک بالشت سے بارہ انگل مراد ہے ، اگر اس سے زیادہ اونچائی ہو تو سجدہ درست نہیں ہوگا :

" ... فمقدار ارتفاع اللبنتين المنصوبتين نصف ذراع طول إثنتي عشر إصبعا " (۱)

البتہ اگر عذر کی بنا پر ایسا کیا گیا ہو تو حرج نہیں ، عذر کی وجہ سے تو ایک نمازی اپنے آگے نماز پڑھنے والے کی پشت پر بھی سجدہ کر سکتا ہے ، جس کی اونچائی اکثر حالات میں ایک بالشت سے زیادہ ہی ہوگی :

" وإن سجد على ظهر رجل وهو أي والحال أن ذلك الرجل المسجود على ظهره في الصلاة يجوز سجوده " (۲)

ایک رکعت میں دو سجدے کیوں ؟

سوال :- نماز میں دوسرے افعال تو ایک ہی دفعہ کئے جاتے ہیں ، لیکن سجدہ ایک رکعت میں دوبار کیا جاتا ہے ، اس کی مصلحت کیا ہے ؟ (سمیع الدین ، گولکنڈہ)

جواب :- عبادات میں اصل تو یہ ہے کہ انسان کسی عمل کی حکمت و مصلحت پر غور کئے اور سمجھے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے احکام شریعت کو بجالائے ؛ اس لئے ان باتوں پر زیادہ توجہ نہ ہونی چاہئے ، البتہ شریعت کا کوئی حکم مصلحت سے خالی نہیں ہے ، علماء نے اس کی حکمت میں لکھا ہے کہ شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تھا ، اس لئے شیطان کے رویہ کی مخالفت کے طور پر بندۂ مؤمن دوہرے سجدہ کرتا ہے اور خدا کے حکم کے سامنے اپنی سرخمیدگی اور جھکاؤ کو ظاہر کرتا ہے ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سہو کے لئے دو سجدے فرمائے اور ارشاد فرمایا : " ترغيما للشيطان " (۳) بعض حضرات نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب

---

(۱) حلبی کبیر : ۲۸۶ (۲) حلبی کبیر : ۲۸۶

(۳) نسائی : ۱/ ۲۰۵ ، حدیث نمبر : ۵۰۵

حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کا حکم ہوا تو فرشتے تو بلا تامل سجدہ ریز ہوگئے، لیکن شیطان نے سجدہ نہیں کیا، جب فرشتے اٹھے اور انہوں نے شیطان کی یہ محرومی دیکھی تو دوبارہ سجدہ میں گر پڑے، ملائکہ کی اسی ادا کو نماز کا حصہ بنا دیا گیا۔ واللہ اعلم

سجدہ میں تسبیح کے بعد دعاء

سوال:- فرض، سنت اور نفل نمازوں میں حالت سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے بعد کیا دعائیں کی جاسکتی ہیں؟ (محمد سراج الدین، میدک)

جواب:- فرض نماز میں تو سبحان ربی الاعلی کہنے پر ہی اکتفا کریں، نفل نمازوں میں نسبتاً زیادہ گنجائش ہے، اس لئے ان میں تسبیحات پڑھنے کے بعد دعائیں بھی کی جاسکتی ہیں، اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی دعا کرنا ثابت ہے۔

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر ہاتھ رکھنا

سوال:- بعض بوڑھے حضرات سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر ہاتھ رکھتے ہیں پھر گھٹنے رکھتے ہیں، اسی طرح اٹھتے ہوئے گھٹنے پہلے اٹھاتے ہیں، پھر ہاتھ اٹھاتے ہیں، کیا یہ صورت درست ہے؟ (ممتاز احمد، مریال گوڑہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا عام معمول مبارک یہ تھا کہ آپ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، پھر ہاتھ، اسی طرح اٹھتے ہوئے پہلے ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر گھٹنے:

" إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه و إذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه " (۱)

اس لئے افضل طریقہ یہی ہے، البتہ جسم کے بھاری ہونے یا ضعف و نقاہت کی وجہ

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۸

سے اگر پہلے ہاتھ اٹھائے، پھر گھٹنے اٹھائے، یا سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے میں مشقت ہو تو سجدہ سے اٹھتے ہوئے بعد میں ہاتھ اٹھاتے اور سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر ہاتھ رکھنے کی گنجائش ہے:

" ویکرہ وضع الید قبل الرکبتین إذا سجد و رفعھما قبلھما إذا قام إلا من عذر " (۱)

دو کی بجائے تین سجدے

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب نے ظہر کی نماز میں تیسری رکعت میں دو کے بجائے تین سجدے کر لیا، بعض لوگوں نے اللہ اکبر کہہ کر متوجہ بھی کیا؛ لیکن چوں کہ امام صاحب ضعیف آدمی ہیں اور ان کی سماعت کمزور ہے؛ اس لئے سن نہیں سکے، نماز ختم ہونے کے بعد جب لوگوں نے بتایا تو دوبارہ نماز پڑھائی، اس سلسلہ میں شرعی مسئلہ کی رہنمائی چاہئے۔ (فاروق احمد، جگہ غیر مذکور)

جواب:- نماز میں اگر انسان کسی فرض کو بھول جائے، تب تو نماز لوٹانی ہوگی؛ لیکن اگر کسی واجب کو بھول جائے یا کسی فرض یا واجب کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے اور نماز کے اندر ہی یاد آجائے تو اس کے لئے سجدہ سہو کر لینے کی گنجائش ہے، یہاں بھی تیسرے سجدہ کی وجہ سے قعدہ اولی - جو واجب ہے - کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی؛ اس لئے امام صاحب کو سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا، سجدہ سہو کر لیتے تو نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی:

" وکذا إذا رکع في موضع السجدۃ ۰۰۰ أو سجد ثلاث سجدات لوجود تغیر الفرض عن محلہ أو تأخیر الواجب " (۲)

---

(۱) ہندیہ: ۱/۱۰۷ (۲) بدائع الصنائع: ۱/۴۰۱

اگر نماز کے اندر یاد نہ آئے، سلام پھیرنے کے بعد؛ لیکن نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے یاد آجائے تو نماز لوٹا لینا واجب ہے، جیسا کہ آپ کے امام صاحب نے کیا، اور اگر نماز کا وقت بھی گذر چکا ہو، بعد میں یاد آیا تو نماز لوٹانے کی بھی حاجت نہیں، نقص کے ساتھ نماز ادا ہوگئی۔

خواتین کیسے سجدہ کریں؟

سوال:- ایک صاحب کا بیان ہے کہ خواتین کو سجدہ کی حالت میں گھٹنے زمین پر اور کمر اٹھا کر رکھنا چاہئے، جیسا کہ مرد حضرات رکھتے ہیں، البتہ بمقابلہ مردوں کے کمر کو پست رکھنا چاہئے، جب کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ مروج ہے کہ سجدہ کی حالت میں عورتیں تورک کی کیفیت میں پاؤں رکھتی ہیں اور پاؤں کے حصے باہر نکال لیتی ہیں، کیا حدیث سے سجدہ کا یہ طریقہ ثابت ہے؟

(حمید الدین قاسمی، بھیونڈی)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر چپکا لے: وإذا سجدت ألصقت علی فخذها ''اور زیادہ سے زیادہ ستر کی کیفیت پیدا کرے: ''کأستر ما یکون''(۱) اگر مردوں کی طرح یا اس سے کچھ پست حالت میں کمر کو اٹھا کر رکھے تو پیٹ کا حصہ رانوں سے چپک نہیں سکتا، یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب تورک والی کیفیت میں پاؤں کو رکھتے ہوئے سجدہ میں جائے، اس لئے اس طریقہ کو بے ثبوت کہنا درست نظر نہیں آتا، اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس صورت میں ستر کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے۔

---

(۱) اعلاء السنن: ۲۲/۸

سجدہ گاہ، پاؤں کی جگہ سے اونچی ہو

سوال:- مجھے عید کی نماز میں اژدحام کی وجہ سے بالکل پیچھے ناہموار جگہ ملی، اس کی وجہ سے میری بیٹھک تو زمین کے ایسے حصہ پر تھی جو نشیب میں تھی اور پیشانی اونچی زمین پر رکھنی پڑی جو خاصی اونچی تھی، بعد میں کچھ لوگوں نے بتایا کہ میرا سجدہ درست نہیں ہوا، اب میں بہت فکرمند ہوں، سال میں دو ہی مرتبہ عید کی نماز آتی ہے، اس میں بھی ایک نماز درست نہیں ہوئی، برائے کرم حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟ (محمد احمد شریف، ناندیڑ)

جواب:- کوشش کرنی چاہئے کہ سجدہ مسطح جگہ پر ہو؛ تاکہ سکون اور طمانیت کے ساتھ سجدہ ادا ہو سکے، تاہم اگر سر رکھنے کی جگہ کسی قدر اونچی ہو تب بھی سجدہ ادا ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ''اگر اژدحام کی حالت ہو اور جگہ تنگ ہو تو پیشانی رکھنے کی جگہ کتنی بھی اونچی ہو، سجدہ ہو جائے گا، خواہ آگے نماز پڑھنے والے کی پشت پر سر رکھا جائے، اگر یہ صورت حال نہ ہو تو پاؤں کی جگہ سے بارہ انگشت کی اونچائی جو دو بالشت کے قریب ہوتی ہے، تک سجدہ کرنے کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ اونچی جگہ پر سجدہ کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں سجدہ کی ہیئت مکمل نہیں ہو سکے گی، درمختار میں ہے:

"ولو كان (موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز) سجوده ، وإن أكثر لا إلا لزحمة كما مر ، و المراد لبنة بخاري ، الخ " (۱)

لہٰذا آپ کی نماز عید درست ہوگئی، آپ پریشان نہ ہوں۔

---

(۱) در مختار، ص ۲-۲۱۰

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر کونسا عضو رکھا جائے؟

سوال:- ہمارے شہر کی ایک مسجد کے امام صاحب جو رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدے میں اس طرح جاتے ہیں کہ گھٹنے ٹیکے بغیر اپنے دونوں ہاتھ پہلے سجدے کی جگہ رکھ کر پھر گھٹنے ٹیکتے ہیں، پہلے گھٹنے ٹیکنا چاہئے یا ہاتھ ٹیک کر سجدے میں جانا چاہئے؟

(محمد امجد، ظہیر آباد)

جواب:- سجدے میں جاتے ہوئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے زمین پر گھٹنے رکھے، پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک؛ چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔(۱)

یہی رائے اکثر فقہاء حنفیہ، شوافع اور حنابلہ وغیرہ کی ہے،(۲) ہاں اگر کوئی شخص بڑھاپے، موٹاپے اور بیماری اور ضعف کی وجہ سے سیدھے نہ اٹھ سکتا ہو تو زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کا طریقہ

سوال:- سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے پہلے کون سا عضو رکھنا اور اٹھانا چاہئے؟ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ہٹے کٹے ہونے کے باوجود سجدہ سے اٹھتے وقت پہلے گھٹنہ کو اور پھر ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟

(احمد فیضی، شاہین نگر)

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۸

(۲) الموسوعة الفقهية: ۹۶/۲۷

جواب:- اصول یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اس ترتیب سے اعضاء زمین پر رکھے جائیں کہ جو زمین سے قریب ہے اسے پہلے، اور جو نسبتاً دور ہے وہ بعد میں، اور اٹھاتے ہوئے اس کے برخلاف اور برعکس؛ اس لئے پہلے زمین پر گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر ناک اور آخر میں پیشانی، اٹھتے ہوئے پہلے پیشانی، پھر ناک پھر ہاتھ اور آخر میں گھٹنے اٹھائے؛ (۱) چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پائے مبارک کے پنجوں پر کھڑے ہوا کرتے تھے؛ لیکن اگر کوئی شخص جسم بھاری ہونے یا بڑھاپے کی وجہ سے پہلے گھٹنہ اٹھائے اور بعد میں ہاتھ، تو اس کی بھی گنجائش ہے، رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا بھی ثابت ہے اور اہل علم کا خیال ہے کہ یہ عمل اس وقت کا ہوگا جب آپ ﷺ کا جسم مبارک بھاری ہو چکا تھا، واللہ اعلم۔

پہلی اور تیسری رکعت میں قیام کی طرف جانے کا طریقہ

سوال:- پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا چاہئے یا سیدھے کھڑے ہو جانے، دونوں طرح کا عمل پایا جاتا ہے، ان میں سے کون سا طریقہ صحیح اور حدیث سے ثابت ہے، بعض حضرات بیٹھ کر اٹھنے پر اصرار کرتے ہیں اور اسی کو سنت قرار دیتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ (محمد اسماعیل صابری، ممبئی)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے: "كان ينهض في الصلاة على صدور قدميه" (۲) اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے: "هذا عليه العمل عند أهل العلم" اس لئے اس طریقہ کو غلط قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ یہی افضل طریقہ ہے؛ البتہ سجدہ کے بعد بیٹھنا اور بیٹھ کر اٹھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے، اس لئے اس کو خلاف سنت نہیں کہا

---

(۱) ہندیہ: ۱/۷۵ (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۸۸

جا سکتا، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جوانی میں آپ کا معمول مبارک پنجوں کے بل اٹھنے کا رہا ہوگا، اور بوڑھاپے میں بیٹھ کر اٹھنے کا، تاکہ آسانی ہو، اس لحاظ سے اصل عمل بیٹھے بغیر کھڑا ہونا ہے اور جن لوگوں کو اس میں مشقت ہو، ان کے لئے آپ ﷺ کی اس دوسری سنت پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

جلسۂ استراحت

سوال:- ہم لوگ نماز اس طرح پڑھتے رہے ہیں کہ سجدہ سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، آج کل بعض احباب دوسرے سجدہ سے اٹھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے ہیں، براہ کرام اس پر روشنی ڈالئے، اس کی وجہ سے بعض لوگوں میں اختلاف بھی پیدا ہو گیا ہے۔ (حمید الرحمن، چندرائن گٹہ)

جواب:- دوسرے سجدہ سے اٹھنے کے یہ دونوں طریقے حدیث سے ثابت ہیں، سجدہ سے سیدھے کھڑا ہو جانا، سجدہ سے بیٹھنا اور بیٹھ کر کھڑا ہونا، اسی بیٹھنے کو "جلسۂ استراحت" کہتے ہیں، احناف اور مالکیہ کے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ سیدھے کھڑا ہو جائے؛ کیوں کہ بعض روایتوں میں آپ ﷺ کے سیدھے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، بہت سی روایتیں اس سلسلہ میں خاموش ہیں، صرف حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیٹھ کر اٹھنے کا ذکر آیا ہے، تو اگر بیٹھ کر اٹھنا حضور ﷺ کا مستقل معمول ہوتا، تو نماز نبوی کی کیفیت بیان کرنے والے بھی راویوں نے بیٹھنے کی بات نقل کی ہوتی، اسی لئے محققین علماء کا خیال ہے کہ آپ کا یہ فعل بطور سنت نماز کے نہیں تھا، بلکہ اخیر عمر میں جسم مبارک بھاری ہو جانے کی وجہ سے تھا، (۱) —— سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی "فتاوی اللجنة الدائمة" نے بھی یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ (۲) —— تاہم یہ ایسا اختلاف نہیں ہے، جس کی وجہ سے

---

(۱) دیکھئے: زاد المعاد: ۱/۲۴۰، فصل فی جلسة الاستراحة

(۲) فتاوی اللجنة الدائمة: ۶/۴۴۹، فتویٰ نمبر: ۱۲۷۶، جلسۂ استراحت

آپس میں نزاع پیدا کی جائے، چنانچہ بہتر تو یہی ہے کہ سجدہ سے سیدھے قیام میں چلے جائیں، لیکن اگر بیٹھ کر اٹھا جائے، تو اس میں بھی حرج نہیں: " ولو فعل لا بأس به " (۱)۔

تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ

سوال:- بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے، لیکن امام ابوحنیفہؒ تشہد میں اشارہ کرنے کے قائل نہیں ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اشارہ کرنا اور انگلیوں کو کس طرح رکھنا چاہیے؟

(حمید الدین قاسمی، بنگلور)

جواب:- یہ درست ہے کہ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں، بعض لوگوں نے سہواً امام صاحب کی طرف ایسی نسبت کردی ہے، امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اور آپ کے اقوال و آراء کے سب سے معتبر اور مستند ناقل ہیں، انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کے قائل تھے؛ چنانچہ علامہ کاسانی نقل فرماتے ہیں:

" فإن محمداً قال في " كتاب المسبحة " حدثنا عن النبي ﷺ أنه كان يشير بإصبعه ، فيفعل مثل ما فعل النبي ﷺ و يصنع ما صنعه وهو قول أبي حنيفة و قولنا " (۲)

" امام محمد نے کتاب المسبحۃ میں لکھا ہے کہ ہم تک حضور ﷺ کا یہ عمل پہنچا ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کیا کرتے تھے،

---

(۱) الدر المختار مع الرد :۲/۲۱۳، باب صفة الصلاة

(۲) بدائع الصنائع :۱/۵۰۱

پس جیسا آپ ﷺ نے کیا ہے، ویسا ہی کرنا چاہیے، یہی امام ابوحنیفہؒ
کا قول ہے اور یہی ہمارا بھی قول ہے"

اب رہ گئی انگلی کی کیفیت، تو اس سلسلہ میں دو کیفیتیں منقول ہیں، ایک یہ کہ انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر رکھے، اور باقی تین انگلیوں کو باندھ کر، اور دوسری صورت یہ ہے کہ انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنائے اور کنارے کی دو انگلیوں کو موڑ کر رکھے اور ہر دو صورت میں انگشت شہادت سے اشارہ کرے، یہ دونوں طریقے حدیث سے ثابت ہیں، (۱) اور فقہاء نے بھی دونوں صورتیں نقل کی ہیں۔ (۲)

تشہد میں انگلی کو حرکت دینا

سوال:- تشہد میں بعض حضرات انگلی کو حرکت دیتے رہتے ہیں کیا ایسا کرنا سنت ہے؟ (محمد سلیم الدین، عیدی بازار)

جواب:- تشہد میں دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کا ذکر متعدد حدیثوں میں ہے؛ اسی لئے فقہاء اس کے مستحب ہونے پر تقریباً متفق ہیں، البتہ اشارہ کا موقع کیا تھا؟ احادیث میں اس کی وضاحت نہیں، اسی لئے اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کسی قدر مختلف ہیں، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انگلی اٹھانا نفی کا اشارہ ہے اور گرانا اثبات کا اشارہ ہے؛ لہٰذا تشہد میں کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے "لا" پر انگلی اٹھائی جائے اور "الا اللہ" پر گرائی جائے، رہ گیا انگلی کو مسلسل حرکت دینا، تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر آیا ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انگلی سے اشارہ تو کرتے تھے؛ لیکن اسے حرکت نہیں دیتے تھے: "کان یشیر باصبعه إذا دعا و لا یحرکها" (۳) اور امام نوویؒ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے، نیز امام ابوداؤدؒ نے اس

---

(۱) دیکھئے: صحیح مسلم عن ابن عمر، حدیث نمبر: ۵۸۰

(۲) بدائع الصنائع ۱؍۵۰۳

(۳) ابو داؤد، حدیث نمبر: ۹۸۹، باب الإشارة فی التشهد، نسائی، حدیث نمبر: ۱۲۷۰

روایت کو نقل کر کے اس پر خاموشی اختیار کی ہے اور امام ابوداؤدؒ کے بارے میں محدثین کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ کسی روایت پر ان کا خاموشی اختیار کرنا عام طور پر اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے؛(۱) اسی لئے جمہور فقہاء کے نزدیک انگلی کو مسلسل حرکت دینے کا حکم نہیں ہے، اور یہ نماز میں جو سکون مطلوب ہے، اس سے قریب تر بھی ہے، حضرت وائل بن حجر ﷺ کی روایت کے بارے میں محدثین کا خیال ہے کہ:

''حرکت سے انگلی اٹھانا مراد ہے، یعنی آپ ﷺ حالت تشہد میں انگشت شہادت اٹھایا کرتے تھے؛ کیونکہ اٹھانا بغیر حرکت کے نہیں ہوسکتا، یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ مسلسل انگلی کو ہلاتے رہتے تھے''(۲) واللہ اعلم

سوال:- تشہد کی حالت میں انگلی اٹھانے اور گرانے کا کیا حکم ہے؟ آج کل بعض لوگ حالت تشہد میں انگلی کو پھراتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جو مصلی بازو میں ہوتا ہے، وہ اس کی وجہ سے بعض دفعہ الجھن محسوس کرتا ہے اور اس کی توجہ بٹ جاتی ہے، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہ کرم احادیث کی روشنی میں بتایئے۔ (محمد آفتاب، ٹولی چوکی)

جواب:- حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قعدہ میں جب تشہد پڑھتے ہوئے بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے، نیز انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھا کرتے،(۳) اس حدیث میں اشارہ کرنے کا ذکر آیا ہے، اشارہ سے مراد ہے اللہ تعالی کے ساتھ شرک کی نفی اور توحید کا اقرار؛ اس لئے " لا إله " پر انگلی اٹھائی جائے گی اور " إلا الله " پر گرائی جائے گی،

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۱۳-۲۱۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۵۵۸ (۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۷۹

انگلی کا اٹھانا نفی کرتا ہے اور انگلی کا گرانا اقرار کرنا ہے، چوں کہ شیطان کو کلمۂ توحید سے بے حد بغض ہے، اس لئے اس کو اس عمل سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کو یہ اشارہ لوہے سے بھی زیادہ تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے، لوہے سے مراد ہے لوہے کی چوٹ یا اس کی دھار:

"وهي أشد على الشيطان من الحديد يعني السبابة" (۱)

البتہ اس کو مسلسل حرکت دیتے رہنے کی ضرورت نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشہد پڑھتے ہوئے انگلی سے اشارہ کرتے تھے، اسے حرکت نہیں دیتے تھے: "..... كان يشير بأصبعه إذا دعا ولا يحركها" (۲)

حضرت وائل بن حجر ﷺ کی ایک روایت میں انگلی کو حرکت دینے کا ذکر آیا ہے، مشہور محدث امام بیہقی نے دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے بتایا ہے کہ حرکت دینے سے مراد ہے: ایک دفعہ اشارہ کرنے کی غرض سے حرکت دینا، نہ کہ مسلسل و مکرر حرکت دیتے رہنا؛ چنانچہ جس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں کو حرکت نہیں دیتے تھے، اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلسل حرکت نہیں دیا کرتے تھے:

"فيحتمل أن يكون المراد بالتحريك الإشارة بها لا تكرير تحريكها، فيكون موافقا لرواية ابن الزبير" (۳)

نماز میں زیادہ سے زیادہ سکون اختیار کرنے اور حرکت سے بچنے کا حکم ہے، اس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

قعدہ میں چہار زانو بیٹھنا

سوال:- قعدہ کی حالت میں آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کا کیا

---

(۱) مسند أحمد ۲: ۱۱۹، حدیث نمبر: ۵۵۵۲

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۸۹

(۳) سنن البيهقي الكبرى، كتاب الحيض، باب من روى أنه أشار بها ولم يحركها، حدیث نمبر: ۲۴۱۵، بذل المجهود ۵: ۳۱۹

حکم ہے؟ اسی طرح نماز سے باہر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے میں کیا کوئی حرج ہے؟　　(احمد حسین گلبرگہ)

جواب:- قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ وہی ہے جس طریقہ پر عام طور سے بیٹھا جاتا ہے، اس لیے بلا عذر اس طرح نماز کے اندر بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے، اگر عذر کی بنا پر اس طرح بیٹھے تو حرج نہیں، اسی طرح نماز کے باہر چہار زانو ہو کر بیٹھنے میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب صحابہ ؓ کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے تو زیادہ تر آپ کی بیٹھک اسی انداز کی ہوتی تھی۔

"ویکرہ التربع تنزیھا بغیر عذر ولا یکرہ خارجھا الخ" (۱)

قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد وضو ٹوٹ جائے

سوال:- اگر نماز میں قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد ریاح خارج ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کی نماز پوری ہوگئی؟　　(عمر خالد، آرمور)

جواب:- ایسی صورت میں وضو کرے، درمیان میں گفتگو نہیں کرے اور قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر قعدہ کے جو اوراد باقی رہ گئے ہوں، ان کو پورا کرے، پھر سلام پھیرے، اب اس کی نماز مکمل ہوگئی، کیونکہ سلام کرنا واجب ہے۔

"وإن سبقه الحدث بعد التشھد توضأ وسلم لأن التسليم واجب فلا بد من التوضی ليأتی به" (۲)

نماز میں صلاۃ وسلام

سوال:- بعض وقعہ ہم نماز کے دوران امام سے قبل حمد

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۲۱۴　　(۲) ہدایہ: ۱/۱۳۰، نیز دیکھئے: در مع الرد: ۲/۳۵۲

السلام کا نام مبارک سنتے ہیں، اور کبھی خود امام صاحب ایسی آیت کی
تلاوت کرتے ہیں جس میں آپ کا تذکرہ ہے تو نماز کی حالت میں
آپ پر صلاۃ وسلام کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے نماز فاسد ہو جائے
گی؟ (یوسف شریف شموگہ)

جواب:- نماز میں رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنے کی چار صورتیں ہیں: اول:
قعدہ اخیرہ میں صلاۃ وسلام، یہ مسنون ہے۔

دوسرے: نماز کے درمیان صلاۃ وسلام پڑھنا؛ لیکن یہ کسی اور کا جواب نہ ہو، یعنی ایسا
نہ ہو کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کا نام لیا اور آپ نے بہ حالت نماز اس کے جواب میں ﷺ کہا، کسی
کے جواب میں نہ ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن اس طرح نہیں پڑھنا چاہئے۔

" ولو صلى على النبي صلى الله عليه وسلم في
الصلاة لم يكن جوابا لغيره لا تفسد صلاته "

تیسری صورت یہ ہے کہ نماز سے باہر کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک
لیا، اور نماز پڑھنے والے نے جواب میں درود پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

" وان سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم فقال
جوابا تفسد صلاته "

چوتھی صورت یہ ہے کہ امام ایسی آیت پڑھے جس میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی تھا،
اس کے جواب میں مقتدی نے صلاۃ وسلام پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن اس طرح درود
پڑھنا بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ حدیث یا آثار صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

"ولو قرء رجل ماكان محمد ابا أحد من رجالكم
وصلى عليه رجل في الصلاة لا تفسد صلاته "(۱)

---

(۱) ہندیہ: ۱/۹۹

درودِ ابراہیمی کے بعد غیر عربی دعائیں

سوال:- قعدۂ اخیرہ میں درودِ ابراہیمی کے بعد قرآن وحدیث سے ثابت ساری یا زیادہ سے زیادہ دعائیں کیا پڑھی جاسکتی ہیں؟ کیا عربی کے علاوہ دوسری زبان مثلاً اردو میں دعا مانگی جاسکتی ہے؟ (سعید امین، حیدرآباد)

جواب:- (الف) درودِ ابراہیمی کے بعد تنہا نماز ادا کرنے والا شخص اگر قرآن وحدیث میں مذکورہ بہت سی دعائیں پڑھ لے تو حرج نہیں؛ بلکہ ان شاء اللہ باعثِ اجر وثواب ہوگا، رسول اللہ ﷺ سے اللهم إني ظلمت نفسي إلخ کے علاوہ اور بھی دعائیں اس موقع پر پڑھنا منقول ہے، یہاں ان کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا؛ اس لئے چند حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے،(۱) ——— البتہ جو شخص امامت کرے، اس کو " اللهم إني ظلمت نفسي إلخ " والی متداول دعا یا اتنی ہی مقدار قرآن وحدیث میں مروی کوئی دوسری دعا پڑھنی چاہئے، زیادہ لمبی دعائیں نہیں پڑھنی چاہئے؛ تاکہ لوگوں کے لئے مشقت اور حرج کا باعث نہ ہو۔

(ب) جہاں تک اردو میں دعا کرنے کی بات ہے تو نماز سے باہر اس میں کوئی حرج نہیں، نماز کے اندر عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دعا کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کے تین نقاطِ نظر ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ نماز میں غیر عربی زبان میں دعا کرنا حرام ہے، اس کو بعض فقہاء حنفیہ نے علامہ قرافی مالکیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، دوسرا نقطۂ نظر امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ غیر عربی میں دعا کرنا جائز ہے، تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غیر عربی میں دعا کرنا مکروہ اور خلافِ اولیٰ ہے، علامہ شامیؒ ——— جو بڑے محقق حنفی فقیہ ہیں، ——— کا رجحان یہ ہے کہ نماز

---

(۱) دیکھئے: ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب مايقول بعد التشهد، سنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الدعاء بعد الذكر، سنن بيهقي، كتاب الصلاة، باب ما يستحب له أن لا يقصر عنه من الدعاء قبل السلام، مصنف عبد الرزاق، باب القول بعد التشهد، حدیث نمبر: ۳۰۸۴، عن ابن مسعود ؓ، وحدیث نمبر: ۳۰۸۲، عن عائشة وغيره

میں غیر عربی میں دعاء کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز کے باہر غیر عربی میں دعاء مکروہ تنزیہی، یعنی خلاف مستحب۔ (۱) — بہر حال علامہ شامیؒ کا نماز سے باہر بھی غیر عربی میں دعاء کو مکروہ تنزیہی قرار دینا تو ناقابل فہم ہے؛ البتہ اس سلسلہ میں ان کی رائے رسول اللہ ﷺ کے عمل، صحابہ ؓ کے آثار اور دین کے مزاج سے قریب تر معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص عربی میں دعاء کر سکتا ہو، نماز میں اس کا غیر عربی میں دعاء کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو شخص عربی میں دعاء کرنے پر قادر نہیں ہو، جیسے نو مسلم حضرات، ان کے لئے غیر عربی میں بھی دعاء کرنے میں حرج نہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کی اصل رائے ہے۔ واللہ اعلم

مقتدی کب سلام پھیرے؟

سوال:- مقتدی امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے یا جب امام صاحب سلام پھیر لیں اس کے بعد سلام پھیرے؟ شرعی حکم کیا ہے، واضح کریں؟ (فقیر احمد، گلبرگہ)

جواب:- اصل میں امام اور مقتدی کا عمل اس طرح ہونا چاہیے کہ امام عمل کی ابتداء کرے، مقتدی امام کے بعد اس عمل کو شروع کرے، لیکن اس طرح شروع کرے کہ اس عمل کے کچھ حصہ میں امام اور مقتدی کے درمیان اشتراک پایا جائے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں سلام کے سلسلہ میں بھی یہی اصول ہے کہ پہلے امام سلام پھیرے، اور ابھی وہ اسی حالت میں ہو کہ مقتدی بھی سلام پھیر دے، امام ابوحنیفہؒ کے دو شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ جب امام سلام مکمل کر لے تو مقتدی سلام پھیرے، یعنی جب امام کا دایاں سلام پورا ہو اور وہ بائیں طرف رخ کرے تو مقتدی دائیں جانب سلام کرے، اور جب اس سلام سے فارغ ہو جائے تب بائیں جانب سلام پھیرے، امام ابوحنیفہؒ کا قول اصول کے زیادہ موافق ہے؛ لیکن اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں امام سے پہلے ہی مقتدی کا سلام مکمل ہو جائے، اس لیے جو

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار ۲۳۴/۲، مطلب في الدعاء بغير العربية

رائے ان کے شاگردوں کی ہے، اس میں احتیاط زیادہ ہے، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ جائز تو دونوں صورتیں ہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ امام کے بعد مقتدی سلام پھیرے:

"... بخلاف السلام فإن فيه روايتين عنه ، أصحهما المعية قوله ، و قالا الأفضل فيهما بعده أفاده أن خلاف الصاحبين في الأفضلية و هو الصحيح إلخ" (۱)

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بعض صحابہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں، پھر جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کے وقت ہی ہم لوگوں نے بھی سلام پھیرا"... ثم سلم و سلمنا حين سلم "(۲) —— گویا آپ ﷺ کے سلام پھیرنے اور صحابہ ؓ کے سلام پھیرنے میں اتصال ہوا کرتا تھا۔

اگر بھول کر سلام پھیر دے؟

سوال:- آج میں نے ظہر کی نماز تنہا اپنے گھر میں ادا کی اور قعدۂ اولی ہی میں یہ سمجھ کر سلام پھیر دیا کہ چار رکعتیں پوری ہوگئی ہیں، پھر فوراً یاد آیا کہ ابھی میں نے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں، چنانچہ میں جلدی سے اٹھا اور دو رکعت پوری کر لی، اس طرح بھول کر سلام پھیر دینے کی وجہ سے کہیں میری نماز فوت تو نہیں گئی؟

(حامد علی، گولکنڈہ)

جواب:- اگر آپ نے غلطی سے سلام پھیر دیا، کسی سے بات نہیں کی یا کوئی اور منافی صلاۃ عمل نہیں کیا تو آپ کی نماز فاسد نہیں ہوئی، اگر سلام پھیرنے کے بعد فوراً یاد آ گیا

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۲۴۰

(۲) نسائی شریف عن عتبة بن مالك: ۱/۱۴۹، حدیث نمبر: ۱۳۲۸

اور بلا تاخیر کھڑے ہو گئے، تب تو سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں:

" ... إلا السلام ساهيا للتحليل أي للخروج من الصلوة قبل إتمامها على ظن إكمالها فلا يفسد " (۱)

اور اگر کھڑے ہونے میں تین تسبیح کے بقدر تاخیر ہوئی تو اب سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ کیوں کہ قیام نماز کا رکن ہے اور رکن میں اتنی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

نماز کب توڑی جاسکتی ہے؟

سوال:- کن کن صورتوں میں نماز توڑنا جائز ہے؟

(ام بصیر، ہمت پورہ)

جواب:- نماز اہم ترین عبادت ہے، جس میں گویا انسان اپنے مالک سے ہم کلام ہوتا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ نماز شروع کرنے کے بعد غیر معمولی ضرورت اور مجبوری کے بغیر نماز کا سلسلہ منقطع نہ کرے، اگر آپ اپنے کسی دوست یا بزرگ سے بات کر رہے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے: چہ جائیکہ پروردگار عالم سے ہم کلام ہوں؛ اس لئے اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ غیر معمولی ضرورت و مجبوری کے بغیر نماز کو توڑنا درست نہیں، فقہاء نے ایسی چند صورتوں کا ذکر کیا ہے، جن میں نماز توڑی جاسکتی ہے، جیسے والدین یا ان میں سے کوئی کسی ضرورت کے لئے بلائے اور کوئی اور شخص ان کی آواز پر لبیک کہنے والا نہ ہو، اگر نہ ٹوکا جائے تو اجنبی شخص کے چھت سے گر جانے یا آگ میں جل جانے یا پانی میں ڈوب جانے کا خطرہ ہو، نمازی کا سامان کوئی چور لے کر بھاگ جائے، مسافر کی سواری کے نکل جانے کا اندیشہ ہو، نابینا کنویں کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کے گر جانے کا خطرہ ہو، ان تمام صورتوں میں صراحۃً فقہاء نے نماز توڑنے کی اجازت دی ہے، (۲) اس طرح کی اگر کوئی دوسری صورت ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا؛ کیوں کہ اس طرح کے احکام حالات پر مبنی ہوتے ہیں، ان کی تحدید نہیں کی جاسکتی۔

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۳۷۶ (۲) ہندیہ: ۱/۱۰۹

نماز میں تعدیل ارکان

سوال:- تعدیل ارکان کسے کہتے ہیں؟ اگر کوئی اس کی رعایت کئے بغیر نماز ادا کرے تو کیا حکم ہے؟

(سائل حیدرآبادی، گنج ملکہ پور)

جواب:- رکوع اور سجدہ میں اور دونوں سجدوں اور رکوع اور سجدہ کے درمیان کم سے کم ایک تسبیح کے بقدر اس کی مطلوبہ ہیئت پر اس طرح رہنا کہ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں، کو تعدیل کہتے ہیں:

" أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع و السجود و كذا في الرفع منهما على ما اختاره الكمال " (۱)

...... تعدیل ارکان کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے یہاں واجب ہے، احناف کے تین اقوال ہیں: ایک سنت ہونے کا، جسے علامہ جرجانیؒ نے نقل کیا ہے، دوسرے واجب ہونے کا، اسے امام کرخیؒ نے نقل کیا ہے، تیسرے یہ کہ رکوع اور سجدہ میں واجب ہے اور رکوع و سجدہ کے درمیان اور دونوں سجدوں کے بیچ مسنون یا مستحب ہے، راجح قول امام کرخیؒ کا ہے، یعنی ان چاروں مقامات پر تعدیل واجب ہے، اس کو اکثر فقہاء نے ترجیح دی ہے:

" وهو السنة عندهما في تخريج الجرجاني و في تخريج الكرخي واجب حتى تجب سجدة السهو بتركه كذا في الهداية وجزم بالثاني في الكنز و الوقاية و الملتقى وهو مقتضى الأدلة " (۲)

اور یہی بات حدیث سے ثابت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعدیل کی رعایت

---

(۱) درمختار: ۴۶۴/۱ (۲) رد المحتار: ۱۵۷/۲

کے بغیر نماز پڑھنے والے شخص کو واپس لوٹا دیا اور فرمایا: تمہاری نماز نہیں ہوئی، تم دوبارہ نماز ادا کرو۔(۱)

تعدیل کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سجدۂ سہو کرے، اور اگر سجدۂ سہو نہیں کرسکا ہے تو نماز لوٹائے، اگر نماز نہیں لوٹائی تو ناقص طور پر نماز ادا ہوگی۔

نماز کی حالت میں نگاہ کہاں رکھے؟

سوال:- نماز کی حالت میں نگاہ کو کس جانب رکھنا چاہیے؟ براہ کرم رکوع، سجدہ وغیرہ کے بارے میں الگ الگ بتائیں۔ (مظفر علی، ملک پیٹ)

جواب:- نماز میں جو کیفیت مطلوب ہے، اسے قرآن مجید نے خشوع سے تعبیر کیا ہے(۲) خشوع میں یہ بات شامل ہے کہ نظر سے بھی تواضع اور فروتنی کا اظہار ہو؛ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء نماز میں اپنی نگاہ آسمان کی طرف رکھتے تھے، پھر جب سورہ مؤمن کی ابتدائی آیت نازل ہوئیں تو آپ ﷺ اپنی نگاہ سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے،(۳) اسی لیے حالت قیام میں سجدے کی جگہ پر نظر ہونی چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ رکوع کے وقت پاؤں کی انگلیوں کے سرے پر، سجدہ میں ناک پر اور قعدہ میں اپنی گود پر نظر رکھے؛ کیونکہ یہی ہیئت اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے سامنے خشوع کے اظہار سے ہم آہنگ ہے، پہلے سلام میں نگاہ دائیں کاندھے پر ہو اور دوسرے سلام میں نگاہ بائیں کاندھے پر ہو۔(۴)

---

(۱) بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب إذا حنث ناسیا في الأیمان، حدیث نمبر: ۶۲۹۰

(۲) المؤمن: ۱

(۳) درمنثور ۵ : ۳

(۴) دیکھئے: بدائع الصنائع ۱ : ۵۰۳

نماز میں قراءت

زور سے اجتماعی قراءت

سوال:- کئی لوگوں کا ایک ساتھ مل کر زور زور سے قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن خوانی میں اسی طرح قرآن پڑھا جاتا ہے اور حفظ کے طلبہ بھی ایسا ہی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، براہ کرم حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں؟ (عبدالحسیب، سنتوش نگر)

جواب:- اصولی طور پر کئی لوگوں کا ایک ساتھ زور زور سے قرآن مجید پڑھنا کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ جب ایک شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو، تو دوسرے شخص کو خاموش رہنے اور سننے کا حکم دیا گیا ہے، اور سب لوگ زور سے پڑھنے لگیں، تو قرآن کا یہ حق کہ اسے توجہ سے سنا جائے ادا نہیں ہو سکتا:

" یکره للقوم أن یقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع و الإنصات ، و قیل لا بأس به " (۱)

جہاں تک حفظ کرنے والے بچوں کے پڑھنے کی بات ہے، تو یہ ایک ضرورت اور مجبوری ہے؛ کیوں کہ اس کے بغیر قرآن مجید کا یاد کرنا دشوار ہے اور تعلیم کے لئے بعض ایسی باتوں کی اجازت دی گئی ہے، جن کی عام حالات میں اجازت نہیں ہے، جیسے چھوٹے بچوں کے

---

(۱) طحطاوی علی المراقي :۲۱۵، فصل فیما یفعله المقتدی

ہاتھ میں قرآن مجید دینے کی ممانعت ہے کہ اس میں بے احتیاطی اور بے حرمتی کا اندیشہ ہے؛ لیکن تعلیم کی غرض سے فقہاء نے بچوں کو قرآن دینے کی اجازت دی ہے، واللہ اعلم

ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے

سوال:- نماز کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں کچھ کچھ آیات کا پڑھنا بہتر ہے یا پوری سورت کا؟

(محمد حسین، وجے نگر کالونی)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں مکمل ایک سورت پڑھی جائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمومی معمول مبارک یہی تھا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

" الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة و سورة كاملة في المكتوبة ، فإن عجز الآن يقرأ السورة في الركعتين كذا في الخلاصة " (۱)

نماز میں بغیر تلفظ کے قراءت

سوال:- میں نے اپنے دوست کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ہونٹ قراءت قرآن کے درمیان ہلتے نہیں ہیں، استفسار کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں آہستہ آہستہ پڑھتا ہوں، تو کیا اس طرح ہونٹ ہلے بغیر نماز ادا ہو جائے گی؟ اور جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، کیا ان کی نماز درست ہوگی؟

(ذکی الرحمٰن، سعید آباد)

جواب:- نماز میں اس طرح قرآن کریم کو پڑھنا کافی نہیں کہ ہونٹ میں حرکت بھی نہ ہو، بعض فقہاء کے نزدیک کم سے کم ضروری یہ ہے کہ حروف بن جائیں اور زبان و ہونٹ

(۱) ہندیہ ۱/۷۸

کی حرکت کے بغیر حروف نہیں بن سکتے ، اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسا قرآن پڑھے کہ خود یا اس کے قریب کا ایک یا دو آدمی سن سکے اور یہی صحیح و معتبر رائے ہے:

" إن أدنى المخافة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلا و أعلاها مجرد تصحيح الحروف " (۱)

اس لئے آپ اپنے دوست کو صحیح طریقہ پر قرأت قرآن کی تلقین کریں ، ہونٹ کی حرکت کے بغیر تلاوت کافی نہیں ۔

قرأت میں ایک آیت چھوٹ جائے

سوال:- ایک حافظ صاحب نے وتر کی نماز میں یا ایها الذین آمنوا إذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة .... الخ سے تلاوت شروع کی ، درمیانی آیت فإذا قضيت الصلوٰة ... ... لعلكم تفلحون چھوٹ گئی اور آگے و إذا رأوا تجارة سے پڑھ دیا تو نماز ہوگئی یا نماز لوٹانی ہوگی؟

(محبوب الرحمن ، شاہین نگر)

جواب:- اگر درمیان کی آیت چھوٹ جائے اور آگے کی جو آیت پڑھی جائے ، اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی (تغیر فاحش) نہ ہو ، اور پڑھی ہوئی آیت تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو تو نماز درست ہوگی ، اب نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ، حافظ صاحب سے جو آیت چھوٹ گئی ہے ، وہ یقیناً تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہے ، فقہاء نے تین چھوٹی آیتوں سے عام طور پر ﴿ثم نظر ، ثم عبس وبسر ، ثم أدبر و استكبر﴾ مراد لیا ہے ۔ (۲)

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۵۳ (۲) دیکھئے : در مختار مع الرد ۲:۱۴۹

لہذا اگر کوئی آیت تیس حروف پر مشتمل ہو تو اسے ایک بڑی آیت سمجھا جائے گا:

"فلو قرأ آية طويلة قدر ثلثين حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات" (۱)

یہ تین آیتیں تو ایک ہی جگہ ہیں، اگر الگ الگ جگہ کی آیتیں مراد لی جائیں تو وہ ہیں: "ثم قتل، كيف قدر، ثم نظر" ان کے حروف اٹھارہ ہوتے ہیں، چنانچہ بعض اہل علم کے نزدیک اسی کا اعتبار ہے۔ (۲)

بہر حال یہی رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، اور اس لحاظ سے بھی حافظ صاحب کی نماز درست ہوگئی، اب نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نماز میں کن آیات کی تلاوت کی جائے؟

سوال:- ایک تراشہ اس سوال کے ساتھ روانہ ہے، جس میں حدیث بیان کی گئی ہے کہ نماز اللہ کی پاکی بیان کرنے، اللہ کی بڑائی کرنے اور قرآن پڑھنے کا نام ہے، جب کہ ہماری مسجد کے نوجوان امام صاحب فجر کی نماز میں — جب ہم نیند سے بیدار ہوکر جماعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو — ایسی آیتیں پڑھتے ہیں، جن میں اللہ کے غضب کا اور قیامت کی ہولناکیوں کا یا قوموں پر اللہ کے عذاب کا ذکر ہوتا ہے، یا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی بناؤ، وغیرہ، حالاں کہ مذکورہ حدیث کو مان کر کثر مساجد میں امام صاحبان فجر میں "لا يستوي" پڑھتے ہیں، یٰسین شریف پڑھتے ہیں، سورۂ رحمٰن یا آمن الرسول پڑھتے ہیں... اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد علی حسین، ریڈ ہلز)

---

(۱) رد المحتار: ۲/۴۹ (۲) دیکھئے الفتاوی الہندیہ ۱/۷۰

جواب:- آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت معاویہ بن حکم کی روایت ہے، جسے بخاری نے اشارۃً میں صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس طرح ہے کہ:

''نماز اللہ کی پاکی بیان کرنے، اللہ کی بڑائی بیان کرنے
اور قرآن مجید کے پڑھنے کا نام ہے''(۱)

چنانچہ نماز میں جو اذکار پڑھے جاتے ہیں، وہ انہی باتوں پر مشتمل ہیں، مثلاً رکوع و سجدہ کی تسبیحات میں اللہ کی پاکی بیان کی گئی ہے، تکبیر و تحمید اللہ کی بڑائی کا بیان ہے، سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ آیات قرآنیہ قرآن مجید کی تلاوت ہے، قرآن کی آیت بعض دفعہ حمد و تسبیح کے مضمون پر مشتمل ہوتی ہیں، اور بعض دفعہ انسانیت کی ہدایت کے لئے دوسرے مضامین کا ذکر ہوتا ہے، یہ سب تلاوت قرآن مجید میں شامل ہے، اس لئے اگر آپ کے امام صاحب نماز فجر میں اللہ کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں سے متعلق آیتیں پڑھتے ہیں، تو وہ اس حدیث کے مغایر نہیں ہیں، بلکہ حدیث میں جس تیسرے نکتہ (تلاوت قرآن) کا ذکر آیا ہے، وہ اس میں شامل ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ عذاب اور دوزخ سے متعلق آیات ہوں یا سورۂ رحمن اور سورۂ یٰسین ہو، ائمہ کو ہمیشہ انہیں کے پڑھنے کا التزام نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ بدل بدل کر پڑھنا چاہئے، فقہاء نے ایک سورت یا چند متعین آیت کے التزام کو منع کیا ہے؛ کیوں کہ اس سے انہی آیتوں کی تلاوت کے واجب ہونے یا دوسرے سے مزید بہتر ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے؛ حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔

نماز میں امام کو لقمہ دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے

سوال:- اگر امام صاحب نماز میں قراءت کے درمیان کچھ آیت بھول کر آگے بڑھ گئے، تو مقتدی نے جلدی لقمہ دیا

---

(۱) دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ۹۳۱، سنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث نمبر: ۳۶۶۹

اور امام صاحب نے لقمہ نہیں لیا، پھر پیچھے سے درست کرایا تو کیا مقتدی کی ایسی حالت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ دلیل کی روشنی میں جواب دیجئے۔ (حبیب اختر، فلک نما)

جواب:- اپنے امام کو لقمہ دینے کی وجہ سے مقتدی کی نماز تو ہو جائے گی، مگر مقتدی حضرات لقمہ دینے میں عجلت سے کام نہ لیں، نیز امام کو بھی چاہئے کہ وہ درمیان قراءت بھول جائے تو دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے یا اگر بقدر واجب قراءت کرلی تو رکوع میں چلا جائے۔(۱)

نماز عشاء کی قضاء میں قراءت زور سے کرے یا آہستہ؟

سوال:- ایک دفعہ لوگوں کی عشاء کی نماز چھوٹ گئی، ہم لوگوں نے دن کے وقت ایک ساتھ اس کی قضاء کی، اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ امام کو آہستہ تلاوت کرنی چاہئے یا زور سے؟ بعض ساتھیوں کا اصرار زور سے پڑھنے پر تھا، اور بعض کا کہنا تھا کہ آہستہ پڑھی جائے، جیسے کہ ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے، بہر حال نماز پڑھانے والے صاحب نے زور سے قراءت کی اور نماز پڑھا دی، اس سلسلہ میں براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

(محمد اسعد خاں ودیگر احباب، ممبئی)

جواب:- جو نمازیں سورج نکلنے کے بعد فرض کی گئی ہیں، یعنی ظہر و عصر ان میں بنیادی طور پر آہستہ تلاوت کرنے کا حکم ہے اور جو نمازیں سورج ڈوبنے کے بعد فرض ہیں، یعنی مغرب، عشاء اور فجر، ان میں زور سے قرآن پڑھنا واجب ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک بھی تھا اور آپ کے بعض ارشادات میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے، لیکن قضاء نمازوں کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ جس طرح واجب ہوتی ہیں، بعد میں اسی طرح ان کی قضاء کرنا

(۱) طحطاوی علی المراقی ص:۱۸۳

بھی واجب ہے، نماز عشاء اگر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو زور سے قراءت کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر چھوٹی ہوئی عشاء کی قضاء دن کے وقت جماعت کے ساتھ کی جائے تو امام کے لئے زور سے ہی قراءت کرنا واجب ہے:

" ویجهر الإمام فی الفجر و أولی العشائین أداء وقضاء ... إلخ " (۱)

لہٰذا آپ لوگوں نے جس طریقہ پر نماز عشاء کی قضاء کی وہ درست ہے۔

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ

سوال:- فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ ہم نے تو یہی سن رکھا تھا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے؛ لیکن ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ فرض کے بعد کی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں، تسبیح بھی پڑھ سکتے ہیں، براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔ (شریف الدین، جوگی پیٹ)

جواب:- فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے اور خاص کر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب اور ضروری ہے؛ لیکن بعد کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بہتر ہے؛ لیکن اگر تسبیحات پڑھ لی جائیں تو اس کی بھی گنجائش ہے: "... فالقراءة أفضل بالنظر إلی التسبیح " (۲)—— کیوں کہ بعض روایتوں میں اس کا ذکر موجود ہے:

" عن علی و عبد اللہ رضی اللہ عنهما أنهما قالا : إقرأ في الأولیین ، وسبح في الأخریین " (۳)

(۱) رد المحتار: ۲/۲۵۰ (۲) رد المحتار: ۲/۲۳۱

(۳) مصنف ابن أبی شیبة ، کتاب الصلوات ، باب من کان یقول : سبح فی الأخریین ولا تقرأ ، حدیث نمبر: ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۴۴

تاہم رسول اللہ ﷺ کا عمومی معمول مبارک بعد کی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا تھا؛ اس لئے اس کا اہتمام رکھنے کی کوشش کریں:

"أن النبي ﷺ كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم القرآن وسورتين وفي الركعتين الأخريين بأم القرآن ويسمعنا الآية ..." (۱)

نماز میں قراءت کی غلطی

سوال:- ایک صاحب نے نماز پڑھاتے ہوئے "في النعيم" کی جگہ "في الجحيم" پڑھ دیا تو اس صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (حافظ عبدالمتین، قاضی پورہ)

جواب:- اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ:

(الف) ایک لفظ کی جگہ دوسرا ایسا لفظ پڑھ دیا کہ ان دونوں کے درمیان معنی کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی —— "نعیم" کی جگہ "جحیم" کا لفظ اسی نوعیت کا ہے؛ کیوں کہ "نعیم" کے معنی جنت کے ہیں اور "جحیم" کے معنی دوزخ کے ہیں، گویا بالکل متضاد معنی ہیں؛ اس لئے اس صورت میں نماز فاسد ہوگئی، نماز دوہرا لینی چاہئے۔

(ب) اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھا گیا؛ لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوں اور یہ دوسرا لفظ بھی قرآن مجید میں وارد ہوا ہو تو نماز درست ہو جائے گی، جیسے کسی نے "علیم" کی جگہ "حکیم" پڑھ دیا تو نماز ہو جائے گی۔

(ج) ایک لفظ کی جگہ ایسا دوسرا لفظ پڑھ دیا جو معنی کے اعتبار سے تو قریب ہے؛ لیکن قرآن مجید میں وہ لفظ وارد نہیں ہوا تو اس صورت میں بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، جیسے "توابین" کی جگہ "تائبین" پڑھ دے:

---

(۱) صحيح البخاري، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، حدیث نمبر: ۷۷۶

"إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته ... الخ" (۱)

"مکذبین" کی جگہ "مقبحین" پڑھنا

سوال:- امام صاحب نے نماز عشاء کی دوسری رکعت میں سورۃ "الحاقة" کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہونچے 'وإنا لنعلم أن منكم مكذبين' تو "مکذبین" کی جگہ "مقبحین" پڑھ دیا، نماز ختم ہوئی اور لوگ جانے لگے، جنھیں بھی پڑھنا شروع کردیا، کسی نے امام صاحب سے اس غلطی کا اظہار کیا، اس کے فوری بعد امام صاحب نے اعلان فرمایا کہ نماز کو لوٹانا ہوگا، پھر نماز دوبارہ لوٹائی گئی، کیا امام صاحب کا یہ عمل درست ہے؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

(محمد ذیشان، دبیر پورہ)

جواب:- آپ نے جو صورت لکھی ہے، اس میں امام صاحب کا نماز کو لوٹانا درست عمل ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا ایسا حرف پڑھ دیا، جس میں تلفظ کے اعتبار سے نمایاں فرق ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے کسی نے صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو نماز درست نہ ہوگی اور دہرانا واجب ہوگا:

"..... وإن كان الخطأ بإبدال حرف بحرف، فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرء الطالحات مكان الصالحات فتفقوا على أنه مفسد" (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۸۰

(۲) رد المحتار مع الدر، كتاب الصلاة، مطلب مسائل زلة القاري: ۲/۳۹۳

تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ سکا

سوالؒ:- ایک شخص تین رکعت والی نماز میں تیسری رکعت میں بھول کر سورہ فاتحہ کے بجائے ''التحیات'' پڑھ کر رکوع کے بعد سجدہ کے لئے قعدہ میں بیٹھ گیا، تب اسے یاد آیا کہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکا تو کیا سجدہ سہو کر لینے سے نماز ادا ہو جائے گی؟ (قاضی محمد فصیح الدین، گلبرگہ)

جوابؒ:- تین اور چار رکعت والی نمازوں میں تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، اس لئے اگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکا تب بھی نماز درست ہوگئی، سجدہ سہو بھی کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ کسی مسنون فعل کے چھوڑنے پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، واجب کے چھوڑنے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے:

"یجب بعد السلام سجدتان بتشهد وتسليم بترك واجب" (۱)

کیوں کہ حضرت علی ؓ اور حضرت ابن مسعود ؓ نے بعد کی رکعتوں میں تسبیح پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے: " قالا : اقرأ في الأوليين وسبح في الأخريين " (۲) اسی طرح ان حضرات کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ بعد کی رکعتوں میں قراءت نہیں فرماتے تھے۔ (۳)

نماز میں بلا ترتیب سورتوں کی قراءت

سوالؒ:- قرآن شریف کی سورتیں جس ترتیب سے ہیں،

---

(۱) کنز الدقائق ص: ۳۸، نیز دیکھئے: تحفة الفقهاء: ۱/۲۰۹

(۲) إعلاء السنن: ۳/۱۴۴ (۳) حوالہ سابق

اسی ترتیب سے نماز میں بھی پڑھی جاتی ہیں، لیکن بھول کر بعد والی سورت پہلے اور پہلے والی سورت بعد میں پڑھ لی تو کیا نماز ہو جائے گی؟ (محمد کفیل خان، شاہ گنج)

جواب :- نماز میں سورتوں کی ترتیب کی رعایت کا لحاظ رکھنا چاہیے، لیکن اگر خلاف ترتیب پڑھ لے تب بھی نماز ہو جاتی ہے، بھول کر پڑھا تو کوئی حرج نہیں، قصداً اس طرح پڑھے تو مکروہ ہے:

"قرأ في النفل في الركعة الاولى تبت يدا أبي لهب وفي الثانية اذا جاء نصر الله ، قال ان تعمد ذالك يكره " (۱)

نماز میں قراءت کے دوران وقفہ

سوال :- ہمارے محلہ کی مسجد میں امام صاحب فجر کی نماز میں قراءت کرتے ہوئے اگلی آیت شریفہ بھول کر کچھ دیر توقف کیا پھر یاد آنے پر قراءت جاری رکھی اور نماز پوری کر کے سلام پھیر دیا، ایک مقتدی نے اعتراض کیا کہ قراءت میں وقفہ ہوا ہے، اس لیے نماز دہرائی جائے، چنانچہ نماز دہرائی گئی، سوال یہ ہے کہ قراءت میں کتنے وقفہ پر نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ (محمد کفیل خان، شاہ گنج)

جواب :- نماز میں کسی بات کو یاد کرنے کے لیے اگر اتنا وقفہ ہو گیا کہ اس میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا تھا، جیسے ایک طویل یا تین مختصر آیتیں پڑھی جا سکتی تھیں یا رکوع یا سجدہ کیا جا سکتا تھا، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، نماز فاسد نہیں ہوگی۔

---

(۱) فتاویٰ تاتار خانیہ ۱/۴۵۳

" ثم الأصل في حكم التفكر أنه أن منعه عن أداء ركن كقراءة آية أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كقعود يلزمه السهو " (۱)

اگر پہلی رکعت میں سورہ ناس پڑھ لے؟

سوال:- نماز میں بھول کر پہلی رکعت میں سورہ ناس پڑھ لی، اب دوسری رکعت میں سورہ ناس ہی پڑھی جائے یا کوئی دوسری سورت؟ (محمد سہیل خاں، شاہ گنج)

جواب:- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے؛ اول یہ کہ آئندہ رکعت میں سورۂ بقرہ میں سے کچھ آیتیں پڑھ لے؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب نماز میں قرآن مجید ختم کرے اور پہلی رکعت میں سورہ فلق اور سورہ ناس کو پڑھے تو آئندہ رکعت میں سورہ بقرہ کی چند آیتیں پڑھ لے:

" إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى يركع ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة " (۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری رکعت میں بھی سورہ ناس ہی کو دوبارہ پڑھ لے:

" وإذا قرأ في الركعة الأولى قل أعوذ برب الناس ينبغي أن يقرأ في الركعة الثانية أيضا قل أعوذ برب الناس " (۳)

دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تلاوت

سوال:- دو رکعتوں میں ایک ہی سورت تلاوت کی جائے

---

(۱) کبیری: ۴۶۵، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۱۶۳/۲

(۲) درمختار مع الرد ۲۶۹/۲ (۳) فتاوی تاتارخانیہ ۴۵۴/۱

تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ (محمد ریاض احمد، ہوجے نگر کالونی)

جواب :- افضل طریقہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں مختلف سورتیں پڑھی جائیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا، اس لیے بلا عذر ایک ہی سورت کا دونوں رکعتوں میں پڑھنا بہتر نہیں؛ لیکن نماز ادا ہو جائے گی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حسب سہولت قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ پڑھنے کی اجازت دی ہے " فاقرؤا ما تیسر من القرآن " (۱) البتہ اگر کسی شخص کو ایک ہی سورہ یاد ہو، تو اسے مزید سورتوں کو یاد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب تک ایک ہی یاد ہو، اسی سورت کو مختلف رکعتوں میں پڑھتے رہنا چاہیے۔ (۲)

قرأت میں "ظ" کی جگہ "ت" اور "ص" کی "س"

سوال :- ہماری مسجد کے امام صاحب قواعد تجوید سے زیادہ واقف نہیں ہیں، اس لیے "ص" کی جگہ "س" اور "س" کی جگہ "ص" اور "ظ" کی جگہ "ت" اور "ت" کی جگہ "ظ" پڑھ دیتے ہیں، وہ صرف حافظ قرآن ہیں، اس لیے الفاظ کے معانی ومفہوم سے واقف نہیں ہیں، کیا ان کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی یا نماز لوٹانی چاہئے؟ (قاری سعد اللہ، مجمع بیٹ)

جواب :- امام صاحب کو کوشش کرنی چاہیے کہ جلد سے جلد قواعد تجوید سیکھ لیں، اور کم از کم اتنی صلاحیت پیدا کر لیں کہ حروف صحیح طور پر مخرج کی رعایت کے ساتھ ادا کر سکیں۔ جہاں تک آپ کے سوال کی بات ہے، تو فقہاء نے از راہ سہولت یہ اصول مقرر کیا ہے کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کا تلفظ کیا جائے، جن دونوں حروف کی ادائیگی میں فرق کرنا دشوار ہو، تو معنی میں تبدیلی ہو جانے، پھر بھی نماز درست ہو جائے گی، ایسے ہی حروف میں "ظ" اور "ض"، "س" اور "ص"، "ت" اور "ط" کو شمار کیا گیا ہے۔

(۱) المزمل: ۲۰　　(۲) المحیط البرہانی: ۲/۱۳۵، آداب الصلاۃ: ۲۹/۱

" وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه قال أكثر هم لا تفسد صلاته " (۱)

اگر نماز میں آمین کہنا بھول جائے؟

سوال:- میں نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا بھول گیا، آخر رکعت میں یاد آیا، اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا سجدہ سہو کرلینا کافی ہے؟ یا پوری نماز لوٹانی چاہیے؟

(محمد خلیل الرحمن، نائب صدر حج سوسائٹی محبوب نگر)

جواب:- آمین کہنا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں، سنت کے چھوٹ جانے سے نہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور نہ ہی نماز کے لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس لیے آپ کی نماز ادا ہوگئی۔

سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا

سوال:- نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت بھی ملائی جاتی ہے، جیسے سورۂ ناس اور سورۂ فلق وغیرہ، تو کیا اس سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا بغیر بسم اللہ شروع کردیا جائے؟

(فہیم النساء بیگم، کاغذ نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے کوئی صراحت نماز کے اندر ملائی جانے والی سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی بابت منقول نہیں ہے، اس لئے اس موقع پر بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں؛ البتہ پڑھ لے تو بہتر ہے:

" لا تسن التسمية بين الفاتحة و السورة مطلقا

(۱) فتاوی قاضی خان: ۱/۱۴۱

خلافا لمحمد وفي البدائع الصحيح قولهما ولا خلاف انه لو سمي كان حسنا "(۱)

سنت نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے؟

سوال:- اگر کسی نے سنت نماز میں سورہ فاتحہ کے بغیر ضم سورت کرلیا اور نماز ختم کردی تو کیا نماز ہوگئی یا دہرائی چاہئے؟ (اے، کے جیلانی، چینائی)

جواب:- سورہ فاتحہ پڑھنا جیسے فرض نماز میں واجب ہے، اسی طرح سنتوں میں بھی واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو ناقص قرار دیا ہے، جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جائے، اگر واجب چھوٹ جائے تو حکم یہ ہے کہ سجدۂ سہو کرلے، سجدۂ سہو نہ کرسکے تو نماز کو لوٹائے، اگر نماز نہیں لوٹائی، تو اس نے ناقص نماز ادا کی اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا:

" وواجبها قراءة الفاتحة بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبرا للنقصان الحاصل بتركها سهوا والإعادة في العمد والسهو اذا لم يسجد ، فإذا لم يعدها كانت مؤداة أداء مكروها كراهة تحريم " (۲)

---

(۱) ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر : ۱/۹۵

(۲) البحر الرائق : ۱/۵۱۵

مفسدات نماز

نماز میں ''لَاحولَ وَلاقُوّۃ'' پڑھنا

سوال:- میں ایک دینی کتاب کا مطالعہ کررہا تھا، جس میں یہ حدیث بھی مذکور تھی کہ، اگر کسی کے دل میں وسوسہ پیدا ہو، تو ''لاحول ولاقوۃ'' پڑھ لے، تو کیا اگر نماز کے درمیان دل میں وسوسہ پیدا ہو جائے تو اس وقت بھی یہ دعا پڑھی جائے گی؟

(عبدالرحیم، شاہین نگر)

جواب:- اگر نماز میں وسوسہ پیدا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وسوسہ کا تعلق دنیا کے امور سے ہو، دوسرے یہ کہ دین اور آخرت سے متعلق وسوسہ ہو، دونوں ہی صورتوں میں بحالت نماز دل ہی دل میں " لاحول ولا قوة " پڑھنا چاہئے، زبان سے نہیں پڑھے، لیکن اگر زبان سے پڑھ ہی لے تو پہلی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسری صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی:

" ولو وسوسه الشيطان فقال لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم إن كان ذالك في أمر الآخرة لا تفسد ، وإن كان في أمر الدنيا تفسد كذا في التمرتاشي " (۱)

---

(۱) ہندیہ:۱/۱۰۰

"و لا الضالین" کی جگہ "و لا الدالین"

سوال:- سورہ فاتحہ میں امام ضالین کے بجائے دالین یا کوئی اور ایسا کلمہ کہے جس سے معنی بدل جاتا ہو تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور کیا ایسی صورت میں مقتدی کو آمین کہنا چاہئے؟

(نام غیر مذکور، پتھرگٹی)

جواب:- قرآن مجید کے حروف کی ادائے گی میں احتیاط برتنی چاہئے اور صحیح طور پر انہیں ادا کرنا چاہئے؛ کیوں کہ عربی زبان آبگینہ سے کم نہیں، تلفظ کی معمولی سی غلطی سے معنی کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے، اب یہی دیکھئے کہ "ضالین" کے معنی گمراہ کے ہیں اور "دالین" کے معنی راستہ بتانے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، گویا بالکل متضاد معنی ہیں، قدیم فقہاء تو ایسے تغیر کی وجہ سے نماز کو فاسد قرار دیتے تھے، جس سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے؛ لیکن بعد کے فقہاء نے عمومی جہالت کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ اگر قریب المخرج الفاظ میں ایک کی جگہ دوسرے کا تلفظ کیا گیا ہو، یا مخرج کی قربت نہ ہو؛ لیکن فی الجملہ یہ لفظ قرآن مجید میں وارد ہوا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی اصول پر اگر ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھ دیا تب بھی غلط ہونے کے باوجود نماز درست ہو جائے گی:

"... ولا الضالين بالضاد المعجمة أو الدالين المهملة لا تفسد لوجود لفظهما في القرآن و قرب المعنى لصحة تقدير ولا الضالين أي المستمرين في الضلال و الدالين أي القائلين هل ندلكم على رجل الخ" (۱)

چوں کہ امام کا مقصد "ولا الضالین" پڑھنا ہوتا ہے اور مقتدی کا مقصود بھی سورہ

---

(۱) کبیری ۴۳۹، بحث زلۃ القاری

فاتحہ کے ختم پر آمین کہنا ہوتا ہے، اس لئے آمین کہنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ امام مسجد کا ایسی غلطی کرنا افسوس ناک ہے، انہیں ترغیب دینا چاہئے کہ وہ اپنے قرآن کو درست کریں۔

نماز میں موبائل فون بند کرنا

سوال:- اکثر مسجدوں میں بورڈ آویزاں کردیا گیا ہے کہ موبائل بند کرکے مسجد میں داخل ہوں؛ لیکن بعض اوقات لوگ بھول جاتے ہیں اور بیچ نماز کے درمیان کوئی فون آجاتا ہے، فون کی گھنٹی کی آواز سے تمام ہی لوگوں کو خلل واقع ہوتا ہے، نیز ایسی صورت میں بحالت نماز موبائل کو بند کردینا چاہئے؟ اور کیا اس عمل سے نماز فاسد ہوجائے گی؟ (عبدالحبیب، مہدی پٹنم)

جواب:- اولاً تو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ مسجد میں موبائل فون بند کرلیا جائے؛ کیوں کہ ایک تو اس سے نماز پڑھنے والے اور تلاوت و ذکر کرنے والوں کو خلل ہوسکتا ہے، دوسرے فون پر دنیوی باتیں کرنی پڑتی ہیں اور مسجد میں دنیوی گفتگو کی ممانعت ہے، تاہم اگر غفلت اور بھول کی وجہ سے موبائل کھلا رہ گیا اور وہ ایک ہاتھ اور معمولی عمل سے موبائل کو بند کرسکتا ہو تو نماز کے درمیان موبائل کو بند کردینا بہتر ہے؛ کیوں کہ اس سے تمام لوگوں کی نماز بے لطفی اور وحشت سے محفوظ ہوجاتی ہے اور محض اس عمل کی وجہ سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس حقیر کے خیال میں یہ صورت عمل کثیر کے دائرہ میں نہیں آتی، عمل کثیر کی فقہاء کے یہاں پانچ تعریفیں منقول ہیں: ایسا عمل کہ جس کو دیکھ کر اس کے بارے میں نماز میں ہونے کا شک بھی نہ ہو سکے، یعنی اس کے نماز میں نہ ہونے کا غالب گمان ہوجائے، دوسرے: وہ افعال جو دو ہاتھ سے انجام دیئے جاتے ہیں، تیسرے: مسلسل تین دفعہ حرکت کرنا، چوتھے: ایسا کام جس کے لئے مستقل نشست کا اہتمام کیا جاتا ہے، پانچویں: یہ خود مصلی کی رائے پر منحصر ہوگا، جس کو وہ کثیر سمجھے وہ کثیر ہے، جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے، ان میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

وفيه أقوال خمسة، أصحها ما لا يشك الناظر ،

صححه في البدائع و تابعه الزيلعي و الولوالجي ، وفي المحيط أنه الأحسن ، وقال الصدر الشهيد : إنه الصواب و في الخانية و الخلاصة أنه اختيار العامة الخ " (۱)

میرے خیال میں اگر کوئی شخص ایک ہاتھ باندھے ہوا ہو اور ایک ہاتھ سے موبائل کو بند کردے تو دیکھنے والوں کو گمان نہیں ہوتا کہ یہ شخص نماز کی حالت میں نہیں ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو سہولت اور یکسوئی بھی میسر آتی ہے ، اس لئے یہ صورت درست ہوگی اور اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی ۔

مسجد میں موبائل

سوال :- (الف) اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک مسجد میں فرض نماز کی پہلی رکعت میں تھا ، فون کی گھنٹی بجی ، میں نے نماز توڑ کر پیغام سنا اور اپنی بات ختم کرکے پہلی رکعت میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا ؛ کیوں کہ امام صاحب کوئی طویل سورہ پڑھ رہے تھے ، کیا میری نماز ہوگئی ؟

(ب) کیا میں مسجد کے اندر موبائل فون ساتھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں ؟ (افضل شریف ، ملے پلی ، حیدرآباد)

جواب :- (الف) فون کی گھنٹی پر نماز کا توڑ دینا مناسب نہیں ، فرض نماز کو بہت ہی مجبوری کی صورت میں ہی توڑنا چاہئے ، جیسے کسی معذور شخص کے گر جانے کا اندیشہ ہو یا کوئی اور غیر معمولی خطرہ پیدا ہو جائے ، محض فون کی گھنٹی کی وجہ سے نماز کا توڑنا درست نہیں ؛ کیوں کہ فون تو لوگ معمولی ضرورت کے تحت ، بلکہ بعض اوقات بلا ضرورت بھی کرتے رہتے ہیں ، تاہم جب آپ نے نیت توڑ کر اور فون پر بات کر کے دوبارہ اس رکعت کو پالیا تو آپ کی نماز ادا ہوگئی ۔

(۱) رد المحتار : ۲/۳۸۵ ، نیز دیکھئے : حلبی : ۱۴۱

(ب) مسجد میں کھلا ہوا موبائیل لے کر جانا مناسب نہیں، اس سے لے جانے والے کو بھی اور دوسرے نمازیوں کو بھی خلل واقع ہوتا ہے، اور فون پر چوں کہ اکثر دنیوی باتیں کرنی پڑتی ہیں، اور مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔(۱) ہاں! موبائل بند کر کے مسجد میں رکھا جا سکتا ہے۔

نماز میں چل کر اگلی صف پُر کرنا

سوال:- مجھے رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا اتفاق ہوا، حرمین شریفین میں نماز کے درمیان ایسا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آگے کی صفوں کو پُر کرنے کے لئے نماز کے درمیان ہی لوگ اپنی صف سے اگلی صف میں بلکہ بعض دفعہ دو دو تین تین صف آگے جا کر شریک ہو جاتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (سید مصطفیٰ، فلک نما)

جواب:- صحیح طریقہ یہ ہے کہ نماز کی صف بناتے وقت بیچ میں خلا نہ چھوڑا جائے اور اگلی صف پُر کرنے کے بعد دوسری پُر کی جائے، تاہم اگر نماز پڑھنے والے کی اگلی صف خالی ہوئی اور پچھلی صف کا شخص آگے چلا گیا تو نماز درست ہو جائے گی، اگر مسلسل دو صف کے بقدر چلے اور بیچ میں وقفہ بھی نہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر ایک صف آگے بڑھا اور ٹھہر گیا، پھر ایک صف آگے بڑھا تو نماز درست ہو جائے گی:

" ولو مشى فى صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلاته، ولو كان مقدار صفين إن مشى دفعة واحدة فسدت صلاته و إن مشى إلى صف و وقف ثم إلى صف، لا تفسد " (۲)

لہذا اگر آگے کی صف خالی ہو تو اس رعایت کے ساتھ آگے کی صف کو پُر کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۶۰ (۲) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۰۳۔

نماز میں تکلیف سے ''اللہ'' کہنا

سوال:- ایک شخص بیمار ہے، نماز کے درمیان کھڑے ہوتے ہوئے یا جھکتے ہوئے تکلیف کی شدت اور مشقت کی وجہ سے بے ساختہ اللہ کہہ دیتا ہے، تو کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

(امتیاز احمد، یاقوت پورہ)

جواب:- چوں کہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام خود قرآن کریم میں وارد ہوا ہے اور بار بار اس کا ذکر آیا ہے اور تکلیف کی وجہ سے بے اختیار یہ لفظ اس کی زبان سے نکل رہا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی، چنانچہ فقہاء نے مشقت اور درد کی وجہ سے بسم اللہ کہنے کا یہی حکم لکھا ہے:

" مريض صلى فقال عند قيامه أو عند انحطاطه : بسم الله لما يلحقه من المشقة و الوجع لا تفسد صلوته "(۱)

رکوع سے اٹھتے ہوئے دامن جھٹکنا

سوال:- رکوع میں جاتے ہوئے بعض دفعہ کپڑے جسم سے چپک جاتے ہیں، خاص کر کمر کے نیچے کپڑے کا چپک جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا، ایسی صورت میں اگر رکوع سے اٹھتے ہوئے دامن جھٹک لیا جائے تو کیا اس سے نماز پر اثر پڑے گا؟

(سمیع اللہ، گولکنڈہ)

جواب:- نماز عمل کثیر سے فاسد ہوتی ہے اور عمل کثیر سے ایسا کام مراد ہے کہ دیکھنے والے کو اس کے نماز میں رہنے کا شک بھی باقی نہ رہے، اگر اس سے کم درجہ کا عمل ہو، لیکن بے

(۱) فتاوی هندیه :۱/ ۹۹، باب فيما يكره في الصلوة وفي ما لا يكره فيها

فائدہ اور بے مقصد ہو تو مکروہ ہے، لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، جیسے کپڑے سے یا ڈاڑھی سے معمولی طور پر کھیلنا، البتہ جو عمل کثیر کے درجہ کا نہ ہو اور نہ بے مقصد ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور نہ کراہت ہوگی، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کپڑے کو اٹھائے؛ تاکہ رکوع میں جسم سے چمٹ نہ جائے تو ایسے عمل سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا:

"ولا بأس بأن ينفض ثوبه كيلا يلتف بجسده في الركوع "(۱)

رکوع سے اٹھتے ہوئے دامن کو ہلکے طریقے پر جھٹک دینا تاکہ وہ جسم سے چپکے نہیں، اور بد ہیئتی پیدا نہ ہو، اسی طرح کا عمل ہے؛ اس لئے یہ بلا کراہت جائز ہوگا؛ البتہ ایک ہی ہاتھ کا استعمال کرنا چاہئے، اس لئے کہ بعض اہل علم کی رائے کے مطابق دو ہاتھ کی مدد سے جو کام کیا جاتا ہے، وہ عمل کثیر کے دائرہ میں آجاتا ہے۔

نماز کے درمیان نوشتۂ دیوار کا پڑھنا

سوال:- مسجد نبوی میں ترکی عہد کی عمارت میں بھی اور موجودہ تعمیر میں بھی مختلف آیات، نیز صحابہ کرام اور سلف صالحین کے نام لکھے ہوئے ہیں، نماز پڑھتے وقت بھی ان پر نظر پڑتی ہے، اور پڑھا لکھا شخص سمجھ جاتا ہے، اور بعض دفعہ لوگ اسے پڑھ بھی لیتے ہیں، ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی یا اس کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی؟ (عبدالقادر، مشیر آباد)

جواب:- کسی چیز پر نظر پڑ جانا اور بے ساختہ و بلا ارادہ اس کو سمجھ لینا ایسا عمل نہیں ہے جو نماز کے مغایر ہو؛ اس لئے اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی، ہاں! بالارادہ ایسی چیزوں کی طرف دیکھنا اور اپنے ذہن کو اس میں مشغول کرنا مکروہ اور باعث گناہ ہے؛ کیوں کہ جب آدمی دیواروں کی طرف تکتا رہے، تو نماز کی حالت میں نگاہ کا جو مرکز ہونا چاہئے، اس کی

---

(۱) الفتاوی الهندیہ :۱/۱۰۵

رعایت نہیں ہوسکے گی: "ولو نظر إلى مكتوب وفهمه ... لا تفسد وإن أثم "(۱)

اگر اسے دل ہی دل میں پڑھ لے، زبان اور ہونٹوں میں حرکت نہ ہو، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، گو ایسا کرنا نہیں چاہئے، اگر زبان سے پڑھے، تو نماز فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ یہ یا تو نماز میں گفتگو کرنا ہے، اور اگر آیت یا ذکر وغیرہ ہو، تب بھی تعلیم وتعلم کے درجہ میں ہے:

"... الفساد إنما يتعلق في مثله بالقراءة وبالنظر مع الفهم لم تحصل، وصحح المصنف في الكافي أنه متفق عليه "(۲)

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب

سوال:- کل میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، میرے دوست اچانک کمرے میں داخل ہوئے اور سلام کیا، میں نے زبان سے تو جواب نہیں دیا، مگر بے اختیار میرا ہاتھ اٹھ گیا، اور اشارہ میں جواب دے دیا، اسی حالت میں نماز پوری کرلی، بعد میں میرے دوست نے کہا کہ تمہاری نماز درست نہیں ہوئی؛ کیوں کہ تم نے نماز میں سلام کا جواب دیا ہے، کیا واقعی میری نماز درست نہیں ہوئی اور مجھے نماز کو دہرالینا چاہئے؟ (قمر الدین، اکبر باغ)

جواب:- اصل تو یہی ہے کہ نماز میں سلام کا جواب نہیں دیا جائے، نہ زبان سے اور نہ ہاتھ کے اشارہ سے؛ کیوں کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی کا وقت ہے، اگر آپ کسی سے گفتگو کرتے ہوئے بیچ میں دوسری طرف متوجہ ہوجائیں تو کیا یہ مناسب ہوگا؟ تاہم اگر زبان سے جواب نہ دیا جائے، اور ہاتھ کے اشارہ پر اکتفا کیا جائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا بھی مکروہ تنزیہی ہے، رسول اللہ ﷺ امت پر شفقت فرماتے ہوئے اور ان کے لئے سہولت ملحوظ رکھتے ہوئے، ان افعال کو بھی کبھی کبھی فرمالیا کرتے

---

(۱) البحر الرائق: ۱۴/۲

(۲) البحر الرائق: ۱۴/۲

تھے، جو خلاف مستحب ہونے کے باوجود جواز کے دائرہ میں ہوا کرتے تھے؛ تا کہ لوگوں کو جواز کی آخری حد معلوم ہوسکے، یہ فعل امت کے حق میں تو مکروہ ہوتا؛ لیکن آپ کے حق میں مکروہ نہیں تھا؛ یوں کہ آپ کا یہ عمل تعلیم کے لئے تھا؛ چنانچہ ابوداؤد و ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے نماز کی حالت میں سلام کا جواب دیا ہے:

"عن صهيب ﷺ أنه قال مررت برسول الله ﷺ وهو يصلي فسلمت عليه فرد إشارة" (۱)

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ نے اس سے نماز فاسد نہ ہونے کی صراحت کی ہے:

"ورد السلام ولو سهوا بلسانه لا بيده بل يكره على المعتمد (۲) ويدل بعدم الفساد أنه عليه الصلاة والسلام فعله كما رواه أبو داؤد، وصححه في الترمذي وصرح في المنية بأنه مكروه أي تنزيها" (۳)

نماز میں دانت کی پھنسی ہوئی چیز نگل لینا

سوال:- میرے دانت میں کیڑا لگ جانے کی وجہ سے بڑا سوراخ ہوگیا ہے، اس میں کھانے پینے کی چیزیں اٹک جاتی ہیں، جب تک وہ نکل نہیں جائے، بے چینی سی رہتی ہے، اگر کوئی چیز کھا کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے تو بعض دفعہ بے خیالی میں زبان سے پھنسی ہوئی چیز نکال کر نگل جانے کی نوبت آجاتی ہے، ایسی صورت میں نماز ٹوٹ تو نہیں جائے گی؟ (شاہد پرویز، سلطان پلی)

جواب:- نماز کے درمیان اگر کوئی چیز باہر سے منھ میں ڈالی جائے اور اسے نگل

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام في الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۲۵

(۲) در مختار مع الرد (۳) رد المحتار: ۲/۴۰۳

پڑھنے والا نگل جائے تب تو نگلی ہوئی چیز تھوڑی ہو یا زیادہ، نماز فاسد ہو جائے گی؛ لیکن دانت میں پھنسی ہوئی چیز یا کوئی بھی ایسی چیز جو نماز شروع کرتے وقت منھ کے اندر موجود رہی ہو، اگر چنے کے دانہ سے کم مقدار کی ہو، اور اسے نماز کے درمیان نگل گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اگر چنے کے دانہ کی مقدار ہو یا اس سے زائد ہو اور نماز کی حالت میں نگل جائے، تو نماز فاسد ہو جائے گی:

" ... ثم اختلفوا في القلة والكثرة ، بعضهم قدروا القليل ، بمادون الحمصة " (۱)

اس لئے اول تو آپ اچھی طرح کلی اور مسواک کر کے نماز پڑھنے کا اہتمام کریں، تا کہ دانت میں کوئی چیز پھنسی نہ رہ جائے، دوسرے آپ اندازہ لگالیں کہ جو چیز نگلی گئی ہے، وہ چنے کے دانہ سے کم مقدار کی ہے یا اس سے زیادہ ہے، عام طور پر دانت میں اس سے کم مقدار ہی پھنستی ہے۔

خارج نماز کا لقمہ

سوال:- ہم لوگ انجینیرنگ کے طلبہ ہیں، مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکے تو آپس میں جماعت بنالی، ہمارے جو ساتھی نماز پڑھا رہے تھے، وہ ایک آیت پڑھنے میں غلطی کر رہے تھے، ایک ساتھی جو نماز سے باہر تھے، انہوں نے صحیح الفاظ پڑھ دیئے، امامت کرنے والے ساتھی نے اس کے مطابق قراءت کی اور نماز پوری کر لی، اب بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کی نماز درست نہیں ہوئی، یہ کہاں تک درست ہے؟ (چند طلبہ جامعہ عثمانیہ)

---

(۱) هندیہ: ۱/۱۳۹

جواب:- نماز پڑھنے والے کے لئے ایسے شخص کا لقمہ قبول کرنا درست نہیں، جو نماز میں شامل نہیں ہو، ہاں، اپنے مقتدیوں میں سے کسی کا لقمہ قبول کرلے تو حرج نہیں؛ کیوں کہ امام اور مقتدی کی نماز مل کر ایک ''وحدت'' کا درجہ رکھتی ہے، گویا اس نے باہر سے کوئی لقمہ نہیں لیا، حدیث سے بھی اس کا ثبوت موجود ہے؛ اس لئے جن لوگوں نے آپ سے بتایا ہے کہ آپ کی نماز درست نہیں ہوئی، انہوں نے صحیح کہا ہے: ''.... وتفسد بأخذ الإمام ممن ليس معه'' (۱) لہٰذا آپ حضرات اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔

نماز میں ہاتھ سے مچھر بھگانا

سوال:- بعض دفعہ نماز میں مچھروں کا غول آجاتا ہے اور وہ کان کے پاس آواز لگانے لگتا ہے، اس سے بڑا خلل ہوتا ہے، طبیعت بے چین ہوجاتی ہے، اور نماز کا جاری رکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا ہاتھ سے مچھر کو بھگا سکتے ہیں؟ (عبدالقیوم، عنبر پیٹ)

جواب:- جہاں تک ممکن ہو مچھر کی آواز کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جائے؛ کیوں کہ ایک مرتبہ انہیں بھگا بھی دیا جائے تب بھی دوبارہ اس کے آدھمکنے میں دیر نہیں ہوتی؛ لیکن اگر اس کی وجہ سے بہت بے چینی ہو تو ایک ہاتھ سے ایک بار ہنکانے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ عمل قلیل یعنی ''نماز سے غیر متعلق معمولی مشغولیت'' کے دائرے میں آتی ہے، جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

''ويكره أن يذب بيده الذباب أو البعوض إلا عند الحاجة بعمل قليل'' (۲)

لیکن ایک ہی رکن میں ایک سے زیادہ دفعہ ہنکانے یا بیک وقت دونوں ہاتھوں سے

---

(۱) طحطاوی علی المراقي، ص: ۱۸۳ (۲) طحطاوی، ص: ۱۹۳

ہنکانے سے گریز کرے؛ کیوں کہ اندیشہ ہے کہ یہ "عمل کثیر" یعنی "نماز سے غیر متعلق زیادہ مشغولیت" کے درجہ میں آجائے، اور ایسے عمل سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جب نماز میں مصروف آدمی کو آواز دی جائے

سوال:- اگر کوئی شخص بند کمرہ میں نماز پڑھ رہا ہے؛ لیکن باہر سے کوئی آواز دے رہا ہے تو نماز میں جواب تو نہیں دے سکتے، اس لئے اس نے اشارتاً کھنکھارا یا کھانس دیا، تو کیا اس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

(مجیب الرحمٰن، سعید آباد)

جواب:- اگر نماز میں ایسی نوبت آجائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر مرد ہو تو "سبحان اللہ" کہہ دے اور عورت ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھپتھپائے، جس کو "تصفیق" کہتے ہیں، یہ نماز میں متوجہ کرنے کا صحیح طریقہ ہے، جو حدیث سے ثابت ہے (۱) ویسے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مصروف نماز ہونے کو بتانے کے لئے کھانس دے تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"التنحنح لإعلام أنه في الصلاة لا يفسد" (۲)

غلاف میں بند نجاست اور نماز

سوال:- میں شعبۂ پیتھالوجی میں کام کرتا ہوں، ہمیں شیشی میں مریض کا خون لینا ہوتا ہے، کبھی پاخانہ اور پیشاب بھی شیشہ کے اندر بند رہتا ہے، اسے پیک کر دیا جاتا ہے، بعض ٹسٹ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے دوسری لیباریٹری میں انہیں لے کر

---

(۱) دیکھئے: بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۰۳، باب التصفيق للنساء، عن أبي هريرة ﷺ

(۲) ہندیہ: ۱/۱۰۱

جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شیشی میری جیب میں ہو اور وہ پوری طرح بند اور محفوظ ہو، تو کیا اس حالت میں نماز ادا کی جا سکتی ہے؟ (ڈاکٹر نفیس اکبر، ممبئی)

جواب:- نجاست اگر کسی بند شئی کے اندر ہو تو اصول یہ ہے کہ اگر وہ شئی اس کا فطری محل ہے تو ناپاکی کا حکم نہیں ہوگا، جیسے انڈا خراب ہو کر خون ہو گیا ہو؛ لیکن اپنے چھلکے کے اندر ہو اور اس کا چھلکا ٹوٹا نہ ہو تو اسے پاک ہی سمجھا جائے گا، اگر نمازی کی جیب میں ہو تب بھی نماز ہو جائے گی، لیکن اگر وہ شئی نجاست کا فطری محل نہ ہو تو اس کا حکم ناپاک شئی کا ہوگا، یہی حکم ٹسٹ کے لئے لئے جانے والے اس خون، پاخانہ اور پیشاب کا ہے، جسے کسی شیشی میں محفوظ کر دیا گیا ہو:

"رجل صلی وفی کمه قارورة فیها بول لا تجوز الصلوة سواء کان ممتلئة أو لم تکن : لأن هذا لیس في مظانه و معدنه" (۱)

اس لئے صورت مسئول میں نماز نہیں ہوگی۔

رشوت کے کپڑے میں نماز

سوال:- اگر کسی کی جیب میں رشوت کا روپیہ پڑا ہو، اور بدن پر رشوت کے روپیوں سے خریدا ہوا کپڑا ہو تو نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ (قاری ایم ایس خان، ملک پیٹ)

جواب:- رشوت حرام اور سخت گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف رشوت لینے والے پر؛ بلکہ رشوت دینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے؛ (۲) لیکن یہ نماز کے درست ہونے

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۶۲/۱

(۲) سنن أبي داؤد، کتاب الأقضیة، باب في کراهیة الرشوة، حدیث نمبر: ۳۱۰۹، سنن الترمذي، کتاب الأحکام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحکم، حدیث نمبر: ۱۲۵۶

میں رکاوٹ نہیں، اصل میں نجاست کی دو قسمیں ہیں: ایک مادی نجاست، جیسے پیشاب پاخانہ کا لگا ہوتا یا انسان کا بے وضو ہونا، جو شخص ایسی نجاست سے آلودہ ہو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، دوسری قسم: روحانی نجاست ہے، یعنی جس نجاست کا تعلق جسم اور کپڑے وغیرہ سے نہ ہو؛ بلکہ انسان کے عمل سے ہو، جیسے سود، رشوت وغیرہ، اگر کوئی شخص ایسی نجاست سے آلودہ ہو تو اس کی نماز فقہی اعتبار سے تو درست ہو جائے گی؛ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے دربار میں مقبول نہیں ہوگی، اور بندہ کا کوئی عمل رحمن و رحیم کے دربار سے واپس ہو جائے، اس سے بڑھ کر محرومی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؛ اس لئے ایسے شخص کی نماز تو ادا ہوگی؛ لیکن اسے توبہ کرنا چاہئے اور آئندہ ایسے فعل سے بچنا چاہئے۔

اگر غلط فہمی میں مقتدی نے رکوع کر لیا؟

سوال:- امام صاحب نے عشاء کی نماز میں ایسی آیت پڑھ دی جس میں سجدۂ تلاوت واجب ہے، چوں کہ پہلے سے ان آیات کو پڑھنے کا ارادہ نہیں تھا؛ اس لئے مقتدی کو متنبہ نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اوپر کی منزل میں تھے وہ سجدہ میں جانے کی بجائے رکوع میں چلے گئے اور جب امام صاحب سجدہ سے اٹھے وہ رکوع سے کھڑے ہو گئے، پھر انہوں نے امام صاحب کے ساتھ نماز پوری کر لی، ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

(امان اللہ خان قاسمی، نبی)

جواب:- اس صورت میں مقتدیوں کی نماز ادا ہوگئی، بظاہر خلل یہ پیدا ہوا کہ ان مقتدیوں نے ایک رکوع زیادہ کر لیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ویسے بھی رکوع احناف کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہوتا ہے اور چوں کہ وہ مقتدی ہیں، جن کی نماز امام کی نماز سے مربوط ہے اور امام کی نماز درست ہوگئی ہے، نیز خود مقتدیوں نے بھی نماز کے منافی کوئی کام نہیں کیا ہے؛ اس لئے کہ رکوع بھی نماز کا جز ہے، فقہاء کے یہاں اس مسئلہ کی

صراحت موجود ہے:

" إذا قرأ الإمام آية السجدة وبعض القوم كان في الرحبة ، فكبر الإمام للسجدة وحسب من كان في الرحبة أنه كبر للركوع فركعوا ثم قام الإمام من السجدة وكبر فظن القوم أنه رفع رأسه من الركوع فكبروا ورفعوا رؤسهم إن لم يزيدوا على ذلك لم تفسد صلاتهم لأنهم مازادوا إلا ركوعا وبزيادة الركوع لم تفسد الصلاة " (۱)

نماز میں ریح خارج ہوجائے

سوال:- ایک محفل میں ایک دانشور صاحب کی طرف سے یہ بات سامنے آئی کہ ہوا خارج ہوجائے تو اسی حالت میں نماز مکمل کرلی جائے ، جس پر ایک صاحب نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے ؛ بلکہ نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرکے جماعت میں شامل ہوں اور اگر جماعت چھوٹ جائے تو نماز علحدہ مکمل کرلیں ، دانشور صاحب نے کہا کہ نہیں میں نے حدیث پڑھی ہے کہ نماز بغیر توڑے مکمل کی جائے اور ساتھ ہی کہا کہ ہوا خارج ہونے کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ یا تو بدبو محسوس ہو یا آواز سے خارج ہو تو ہی وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں ، پہلے صاحب نے کہا : ایسا نہیں ہے ؛ بلکہ اگر یہ محسوس کرلیا جائے کہ ہوا خارج ہوئی ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور بغیر وضو نماز ادا نہیں کی جاسکتی ، دانشور صاحب نے کہا کہ اگر صف میں سے نکلیں تو دوسروں کی نماز خراب ہوگی ، پہلے صاحب نے کہا کہ صف سے باہر نکلنے کے

---

(۱) فتاوی قاضی خاں علی هامش الهندية : ۱/۱۴۰

دو طریقے ہیں یا تو پچھلی صف کے مقتدی کو آگے بڑھا کر باہر نکلیں، یا
ایک ہاتھ ناک اور منہ پر اور دوسرا ہاتھ لمبا سیدھا کرتے ہوئے
صف کے سامنے سے گذر کر باہر نکلا جائے، مگر دانشور صاحب ان
باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں، وہ بضد ہیں کہ ہوا خارج ہونے
سے وضو نہیں ٹوٹتا ... آپ سے استدعاء ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی
شرعی احکام سے واقف کروائیں تو مناسب ہوگا"

(سرفراز خاں، چنچل گوڑہ)

جواب:- دانشور صاحب کی بات درست نہیں، دوسرے صاحب کی بات درست ہے، یہ بات تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نماز ادا کرنے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے:

﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (۱)

اور قرآن ہی میں اس بات کا اشارہ بھی موجود ہے کہ خروج ریح کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ تیمم کا حکم جن لوگوں کو دیا گیا ہے، ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ﴾ (۲) یعنی جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے، جب انسان قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہے تو پیشاب پاخانہ اور ریح تینوں کے خروج کی نوبت آتی ہے، گویا اس آیت میں خروج ریح کے ناقض وضو ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ موجود ہے، حدیثیں اس مسئلہ میں صریحاً موجود ہیں کہ خروج ریح ناقض وضو ہے،

اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ نماز سے باہر اس کی نوبت آئے تو ایسی صورت میں وضو کر کے ہی نماز شروع کی جا سکتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کے اندر اس کی نوبت آجائے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی بھی اجازت دی کہ اسی حالت میں وہ جا کر وضو کرلے

(۱) المائدہ: ۶ (۲) المائدہ: ۶

اور جہاں سے نماز چھوڑ دی تھی وہاں سے اپنی نماز پوری کرلے؛ البتہ درمیان میں نہ گفتگو کرے اور نہ کوئی ایسا عمل جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

"إذا فسا أحدكم في الصلاة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلاة" (۱)

اور ایک روایت میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ: من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلاته وهو في ذلك لا يتكلم" (۲)

اسی کو فقہ کی اصطلاح میں "بناء" کہتے ہیں، یعنی وہ اپنی بعد میں پڑھی جانے والی نماز کی بنیاد ابتداء میں پڑھی جانے والی نماز کے تحریمہ پر رکھ رہا ہے، یہ ساری باتیں صریح حدیثوں سے ثابت ہے، رہ گیا صف سے باہر نکلنا تو اس میں کوئی قباحت نہیں؛ کیوں کہ نمازیوں کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت اس کے لئے ہے، جو خود نماز کی حالت میں نہ ہو، جب کہ یہ شخص ایک درجہ میں نماز ہی کی حالت میں ہے؛ اسی لئے مسجد حرام میں طواف کرنے والوں کو مصلی کے سامنے سے گذرنے کی اجازت دی گئی؛ کیوں کہ طواف بھی نماز ہی کے حکم میں ہے اور طواف کرنے والا نماز پڑھنے والے کے درجہ میں ہے، غرض کہ خروج ریح کا ناقض وضو ہونا قرآن سے اشارۃً اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ حدیث میں اس وقت نماز ٹوٹنے کی بات کہی گئی جب بدبو محسوس ہو یا آواز آئے تو اس حدیث کا منشا یہ نہیں ہے کہ اگر یقینی طور پر خروج ریح کا ادراک ہو جائے اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو وضو نہیں ٹوٹے گا؛ بلکہ حدیث کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب من يحدث في الصلاة، حدیث نمبر ۲۰۵

(۲) سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة، باب ما جاء في البناء على الصلاة، حدیث نمبر: ۱۲۲۸

معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق وسوسہ سے ہے، بعض لوگوں کو خروج ریح کا وسوسہ ہوتا رہتا ہے، اور ریاح کے زیادتی کی وجہ سے انھیں اپنے وضو کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے، یہ ایک طرح کی بیماری ہے تو ایسے لوگوں کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک خروج ریح کا یقین یا غالب گمان نہ ہو جائے، اس وقت تک وضو کے ٹوٹ جانے کا فیصلہ مت کرو، اور اس یقین کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آواز سنی جائے یا بدبو محسوس ہو: "لا وضوء إلا من صوت أو ريح" (۱)

اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ خروج ریح کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا عین قرین قیاس اور قرین عقل ہے؛ کیوں کہ مقامِ براز مقام نجاست ہے اور وہاں سے ریاح کا گذر ہوتا ہے تو اس میں نجاست کے ذرات شامل ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے بدبو پیدا ہوتی ہے، اور جسم سے نجاست کا باہر نکلنا ہی اصل میں ناقض وضو ہے — اللہ تعالیٰ ان دانشور صاحب کو ہدایت دے۔ وباللہ التوفیق

مسجد کی دیوار پر لکھی ہوئی تحریر کو نماز میں دیکھنا اور سمجھ لینا

سوال:- میں ایک نو تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا، اس مسجد میں قبلہ کی سمت اور نمازی کے دائیں بائیں کی دیواروں پر پوری سورہ رحمن کندہ ہے، حروف بھی خوبصورت اور پُر کشش ہیں، میں پوری نماز اسی کو دیکھنے میں مصروف رہا، قرآنی آیات کے علاوہ اچھے دینی اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں، ان پر بھی نظر جمتی رہی، ایسی صورت میں میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟

(احمد بخاری، ممبئی)

جواب:- اگر کسی شخص نے نماز کی حالت میں کوئی تحریر دیکھی، الفاظ اور اس کے معانی کو سمجھ لیا؛ لیکن زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، امام محمدؒ کے نزدیک اگر

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء في الوضوء من الريح، حدیث نمبر: ۷۴

خاص طور پر بالارادہ اس تحریر کے الفاظ و معانی کو سمجھنے کی کوشش کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے ان الفاظ کی ادائیگی نہ پائی جائے؛ البتہ بالارادہ نماز کی حالت میں کسی تحریر یا نقش پر نظر جمائے رہنا مکروہ ہے:

"..... ولا یفسدها نظره إلی مکتوب وفهمه ولو مستفهما وإن کره" (۱)

اگر بلا ارادہ نظر پڑ جائے اور سمجھ میں آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ شریعت کے احکام اختیاری اور ارادی افعال پر مرتب ہوتے ہیں، غیر ارادی افعال پر نہیں: "أما لو وقع نظره بلا قصد وفهمه فلا یکره" (۲) —— البتہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ آج کل مسجدوں کی تزئین و آرائش اور بطور تزئین کے آیات کے لکھنے کا جو رواج چل پڑا ہے، وہ شریعت کی روح کے مطابق نہیں ہے، ایک تو اس کی وجہ سے نمازیوں کی توجہ بٹتی ہے، دوسرے قرآن مجید کی بے حرمتی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، بعض اوقات پرندے دیوار پر بیٹھ جاتے ہیں اور بیٹ کر دیتے ہیں، ایک عرصہ کے بعد جب کسی ضرورت کے تحت مسجد کی عمارت شہید کی جاتی ہے تو دیوار پر نقش آیات بھی ساتھ ساتھ منہدم ہو جاتی ہیں، بہت سی دفعہ انہیں فرش کو بھرنے میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ انسان کے قدموں میں آ جاتی ہیں: اس لئے مسجد کو حتی المقدور سادہ رکھنا چاہئے، خیر القرون کا معمول بھی یہی تھا، مسجدوں کی حد سے زیادہ آرائش سلف صالحین اور اولیاء امت کی سنت نہیں ہے؛ بلکہ یہ سلاطین اور بادشاہوں کی سنت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳۹۷/۲

(۲) رد المحتار: ۳۹۸/۲

مکروہاتِ نماز

نماز میں تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنا

سوال:- میں ہر ہفتہ جمعہ کو صلاۃ التسبیح پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں، مگر تین سو کی تعداد کو یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے؛ اس لئے انگلیوں پر گنتی جاتی ہوں، کیا اس طرح انگلیوں پر گن کر تسبیحات کا پڑھنا درست ہے یا اس سے نماز فاسد تو نہیں ہو جائے گی؟

(شبانہ عظمی، ریڈہلز)

جواب:- ہر ہفتہ صلاۃ التسبیح کا اہتمام کرنا بہت مبارک عمل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر استقامت عطا فرمائے! —— جہاں تک انگلیوں پر تسبیحات کی تعداد شمار کرنے کی بات ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ جیسے نماز سے باہر انگلیوں پر تسبیحات پڑھی جاتی ہے، جن میں انگلیوں کو حرکت دی جاتی ہے اور کبھی انگلی سے انگوٹھے کو یا ہتھیلی سے کسی انگلی کو ملایا جاتا ہے، اسی طرح تسبیحات کی تعداد شمار کی جائے، نماز میں یہ صورت اختیار کرنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے، البتہ اگر کوئی ایسا کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی: "ویکرہ عد الآي والتسبیحات بالید فی الصلاۃ" (۱) ممتاز حنفی فقیہ علامہ بابرتیؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس طرح تسبیح شماری فرض نماز میں بھی مکروہ ہے اور نفل نماز میں بھی، یہ قول

---

(۱) هدایه مع الفتح ۱: ۴۱۷

زیادہ درست ہے، البتہ ایک قول فرض میں ممانعت کا اور نفل میں اجازت کا بھی ہے، (۱) ہاں، اگر دل ہی دل میں شمار کرے اور اس کے لئے اپنی قوت خیالیہ کو استعمال کرے یا انگلیوں کو حرکت دینے کے بجائے صرف انگلیوں کو دبا تا جائے، جیسے پہلی پندرہ تسبیحات پر انگشت شہادت کو دبائے رکھے، دوسری دس تسبیحات پر درمیانی انگلی کو، وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی کراہت ہے: " أما إذا أحصى بقلبه أو غمز بأنامله فلا كراهة " (۲)—— اس لئے آپ تسبیحات کو شمار کرنے کے لئے یہ طریقہ استعمال کریں، اور انگلیوں کو حرکت نہ دیں۔

سوال:- نماز میں آسانی کے لئے تسبیحات کو ہاتھ سے شمار کرنا کیسا ہے؟ خاص کر صلوۃ التسبیح میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے؟　　(محمد فہیم، نولی چوکی)

جواب:- نماز میں ہاتھ سے تسبیحات کو شمار کرنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر انگلی کو موڑا نہیں جائے، بلکہ بطور علامت کے صرف دبا کر رکھا جائے تو درست ہے:

" وكره تنزيها عد الآي و السور و التسبيح باليد في الصلاة مطلقا ولو نفلا أما خارجها فلا يكره كعده بقلبه أو بغمزه أنامله" (۳)

بلکہ صلوۃ التسبیح میں انگلیوں پر گننے کی بھی گنجائش ہے، کیوں کہ بعض فقہاء نے نفل نماز میں انگلیوں پر تسبیح گننے کو جائز قرار دیا ہے، (۴) البتہ بہتر ہے کہ ذہن کو جما کر رکھے اور انگلیوں پر گننے سے احتیاط کرے۔

نمازی کے سامنے تصویر

سوال:- تصویر اگر سامنے ہو تو نماز نہیں ہوتی، لیکن اگر

---

(۱) عنایہ مع الفتح ۱: ۴۱۹　　(۲) فتح القدیر ۱: ۴۱۸

(۳) دیکھئے: رد المحتار ۲: ۴۲۰　　(۴) در مختار مع الرد ۲: ۴۲۰

حالت نماز میں جیب سے شناختی کارڈ وغیرہ جس میں تصویر لگی ہو، سامنے گر جائے تو کیا کرنا چاہئے ؟ کیا مکہ و مدینہ کی تصویر اور خوبصورتی کے لئے لگائی جانے والی "Scenaries" کے چارٹ اگر نمازی کے سامنے ہوں تو کیا نماز درست ہوگی؟ جائے نماز پر اگر مکہ مدینہ نقش ہوں تو کیا نماز درست ہوگی؟ اور اگر غلطی سے کوئی جائے نماز پر کھڑا ہو جائے جس میں مکہ و مدینہ کی تصویر ہو تو کیا سزا کا مستحق ہوگا؟ تفصیل سے بتائیں؟ (محمد علی خان، مصری گنج)

جواب:- اگر تصویر سامنے ہو تو نماز ہو جائے گی، لیکن یہ فعل سخت مکروہ ہے۔(۱) مکہ و مدینہ کی تصویر یا ایسی تصویریں جن میں ذی روح کی قابل شناخت صورت نظر نہ آتی ہو، کی ممانعت نہیں ہے: "أو لغير ذي روح لا (يكره) "(۲) البتہ چوں کہ اس سے نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے؛ اس لئے ایسی تصویریں بھی نمازی کے سامنے نہ رہیں تو بہتر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے کپڑے میں نماز ادا فرمائی جو منقش تھا، اس کے نقوش پر آپ ﷺ کی نظر پڑی، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ کپڑا ابوجہم ﷺ صحابی کو واپس بھیج دیا، جنھوں نے یہ کپڑا آپ ﷺ کو تحفۃً پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ سے نماز میں میری توجہ ہٹ گئی" فإنها ألهتني عن صلاتي "(۳) لہٰذا نمازیوں کے سامنے بے روح چیزوں کی ایسی تصویریں بھی نہ رکھی جائیں، جو توجہ کو بانٹنے والی ہوں۔

جائے نماز پر آج کل حرمین شریفین کے نقش کا رواج سا ہو گیا ہے، ایسی جانمازوں پر کھڑا ہونا ان مقامات مقدسہ کی توہین نہیں؛ کیوں کہ تصویریں اصل کا درجہ نہیں رکھتیں اور عام حالات میں کھڑے ہونے والے کی نیت توہین کی نہیں ہوتی، ہاں! اگر کوئی بدبخت توہین کی

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۱۹

(۲) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۱۸

(۳) صحيح البخاري ،حدیث: ۳۷۳، باب : إذا صلى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها

نیت سے کھڑا ہو تو یقیناً گناہ ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے؛ لیکن حرمین کی تصویروں کو جائے نماز پر منقش کرنا بجائے خود کوئی مناسب بات نہیں؛ بلکہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی اہل مغرب کی سازش ہے اور اس کا مقصود فی الجملہ شعائر اسلامی کی اہانت ہے، اس لئے سادہ اور غیر منقش جائے نماز کا استعمال بہتر ہے، جیسے کہ سلف صالحین کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔

اگر شناختی کارڈ نیچے گر جائے اور وہ سجدہ یعنی پیشانی رکھنے کے مقام پر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، اگر معمولی عمل کے ذریعہ اٹھا سکتے ہوں تو اٹھالیں، ورنہ اسی حال میں چھوڑ دیں؛ لیکن اگر سجدہ گاہ میں ہو تو سجدہ کے وقت ضرور ہٹالینا چاہئے؛ کیوں کہ اس میں تصویر کو سجدہ کرنے کا ایہام ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء نے مقام سجدہ میں بچھی ہوئی تصویر کو بھی منع فرمایا ہے۔

" و الصحیح أنه لایکره علی البساط إذا لم یسجد علی التصاویر وهذا إذا کانت الصورة کبیرة تبدو للناظر بغیر تکلف " (۱)

سوال:- دیوار پر فوٹو کا البم لگا ہوا ہے، جس پر انسانی تصویریں ہیں، کیا ایسی جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(محمد مسعود احمد، کرنول)

جواب:- یوں تو تصویر ہی کی ممانعت ہے؛ لیکن دیوار پر تصویر لٹکا کر رکھنے کی اور بھی سخت ممانعت ہے؛ کیوں کہ اس میں تصویر کی تعظیم کا پہلو بھی پایا جاتا ہے؛ اس لئے اول تو مسلمانوں کو ایسے گناہ کے کام سے ہی بچنا چاہئے، جہاں تک نماز کی بات ہے، تو پڑھنے والے کے سامنے یا اس کے اوپر یا دائیں اور بائیں یا اس کے کپڑے میں تصاویر کا ہونا مکروہ ہے:

و یکره أن یصلی و بین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینه أو علی یساره أو فی ثوبه تصاویر ۔ (۲)

اس لئے اگر تصویر کا البم سامنے ہو اور نماز پڑھی جائے تو نماز تو ادا ہو جائے گی، لیکن

---

(۱) الفتاوی الهندیة : ۱/ ۱۰۷ (۲) ہندیہ: ۱/ ۱۰۷

مکروہ ہوگی، اور اس طرح نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔

نماز میں اِدھر اُدھر کے خیالات آئیں؟

سوال:- نماز میں اِدھر اُدھر کے خیالات آتے رہتے ہیں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟ (منور احمد شاہ علی بنڈہ)

جواب:- نماز چوں کہ نیکی اور بھلائی کا عمل ہے، بلکہ سب سے افضل ترین عبادت ہے، اس لئے شیاطین خاص طور سے نمازی کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے برخلاف اگر آدمی کسی برے کام میں مشغول ہو، تو شیطان کوئی خلل پیدا نہیں کرتا؛ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص تو ہماری ہی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے، اس سے گھبرانا نہ چاہئے، ایسے موقع پر حتی المقدور خیالات کو جھٹکنا چاہئے، اس کے باوجود بھی جو بے اتفاقی ہو، اس کے لئے نماز کے بعد استغفار کر لینا چاہئے، لیکن بہرحال اس کیفیت سے عاجز آکر نماز کی ادائے گی سے غافل نہ ہوں۔

نماز میں غیر عربی دعاء

سوال:- مجھے عربی زبان نہیں آتی، اور دل چاہتا ہے کہ نماز میں دعا کروں، جو کہ زیادہ قبول ہو، تو کیا میں اردو زبان میں نماز کے اندر دعا کر سکتا ہوں؟ (سلیمان شریف، ملے پلی)

جواب:- فرض نماز میں صرف وہی اذکار و ادعیہ پڑھنے چاہییں، جو عموماً پڑھے جاتے ہیں، اور وہ سب حدیث سے ثابت ہیں، لیکن نفل نماز میں مزید دعائیں کی جا سکتی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ سے بھی نمازِ تہجد کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے، البتہ نماز میں کی جانے والی دعاؤں میں دو باتوں کی رعایت ہونی چاہیے، ایک یہ کہ وہ دعا قرآن و حدیث میں آئی ہو، یا اس کے مشابہ ہو، ایسی دعا نہ ہو جو لوگوں کے عام کلام کے انداز کی ہو، جیسے میرے بیٹے کا فلاں کالج میں داخلہ کرا دیجئے وغیرہ، دوسرے دعا عربی زبان میں ہو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی

زبان ہی عربی رکھی ہے، اور شریعت نے جتنے ادعیہ واذکار دیے ہیں، وہ سب عربی میں ہیں، اردو یا کسی اور زبان میں نماز کے اندر دعا کرنا مکروہ ہے، بعض فقہاء کا رجحان مکروہ تحریمی ہونے کی طرف ہے، اور بعض نے فرمایا کہ وہ تنزیہی ہے، لیکن بہرحال کراہت سے خالی نہیں۔(۱) اس لیے جو دعائیں اردو میں کرنا چاہتے ہوں، انہیں نماز کے بعد کرلیں؛ کیوں کہ نماز کے بعد کا وقت بھی دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

نمازی اور مصور ڈبے

سوال:- دوا کی دکان میں تقریباً ہر ڈبہ اور شیشی پر تصویریں ہوتی ہیں، کیا اس دکان میں سنت یا نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، یا کبھی جماعت چھوٹ جائے، تو فرض پڑھی جاسکتی ہے؟ (سید عابد علی، حیدرگوڑہ)

جواب:- یہ بات مطلوب ہے کہ نمازی کے سامنے اور اس کے دائیں بائیں تصویریں نہ ہوں، خاص کر سامنے تصویریں ہونے کی زیادہ کراہت ہے، اس لیے یا تو کوئی ایسی جگہ نماز کے لیے رکھیں، جو تصویر سے خالی ہو؛ تاکہ نماز ادا کی جاسکے، مسلمانوں کا گھر ہو یا دکان یا دفتر، ہر جگہ ایک ایسی جگہ ہونی چاہیے، جو نماز ادا کرنے کے لائق ہو، جس کو فقہاء نے ''مسجد بیت'' سے تعبیر کیا ہے، لیکن اگر یہ سہولت نہ ہو تو کم سے کم کوئی چادر یا پردہ وہاں وقتی طور پر ڈال دے اور نماز ادا کرے۔

کھلے سر نماز پڑھنا

سوال:- کیا ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا ننگے سر نماز پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا ننگے سر نماز پڑھنے پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے؟ (محمد رفیق الدین، بورابنڈہ)

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار ۲۳۴/۲، مطلب في الدعاء بغير العربية

جواب:- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کا عام معمول سر ڈھک کر نماز ادا کرنے کا ، بلکہ زیادہ تر عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کا رہا ہے ، اسی پس منظر میں حدیث کی کتابوں میں عمامہ پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں روایتیں آئی ہیں ؛ البتہ ایک موقع پر کھلے سر نماز پڑھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چادر میں نماز ادا فرمائی ، ظاہر ہے کہ اس چادر کو آپ ﷺ نے بطور تہبند استعمال فرمایا ہوگا ، مگر اس سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں :

ایک یہ کہ کھلے سر نماز پڑھنا آپ ﷺ کے عام معمول مبارک کے خلاف تھا اور یقیناً ہمیں اس عمل کو اختیار کرنا چاہئے ، جس پر رسول اللہ ﷺ کا زیادہ تر عمل رہا ہو ؛ کیوں کہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک اس طریقہ کو ترجیح نہیں ہوتی تو آپ ﷺ نے اس کو اپنا معمول نہیں بنایا ہوتا ، دوسرے آپ ﷺ کی ذات احکام شریعت کی ترجمان تھی اور امت پر آپ ﷺ کی شفقت کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ امت کو دشواری سے بچانا چاہتے تھے ؛ اسی لئے بعض ایسے افعال جو خلاف مستحب ؛ لیکن کسی درجہ میں جائز تھے ، آپ ﷺ انہیں کیا کرتے تھے ؛ تاکہ امت کے لئے سہولت کا راستہ کھلا رہے ، اس طرح کے افعال عام لوگوں کے حق میں تو خلاف مستحب یا مکروہ ہیں ؛ لیکن حضور ﷺ کے حق میں جائز تھے ؛ کیوں کہ اگر اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا عمل موجود نہیں ہوتا تو امت کی رہنمائی کیوں کر ہوتی ؟

یہ واقعہ اسی پس منظر میں ہے ، چنانچہ ایک صحابی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ یہاں تو دوسری چادر بھی موجود تھی ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : کیا ضروری ہے کہ میری امت میں تمام لوگوں کو دو چادریں میسر ہوں ؟ اس حدیث سے ایک تو امت پر آپ ﷺ کی بے پایاں شفقت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل عام معمول کے برخلاف تھا ، اسی لئے آپ ﷺ کے اس عمل پر ان صحابی کو تعجب ہوا ؛ اس لئے سر ڈھک کر نماز پڑھنی چاہئے ، البتہ اگر کبھی ٹوپی میسر نہ ہو یا ٹوپی کی تلاش میں جماعت کے یا نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا نماز پڑھتے ہوئے ٹوپی گر

گئی ہو اور عمل کثیر سے بچتے ہوئے اس کا اٹھانا دشوار ہو تو ان صورتوں میں کھلے سر نماز ادا کر لینے میں حرج نہیں، چنانچہ حضور ﷺ کے عام معمول کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ٹوپی رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص کھلے سر نماز پڑھے تو اس کا یہ عمل سستی و کسل مندی پر مبنی ہوگا، یہ مکروہ ہے:

"وتكره الصلاة حاسرا رأسه، إذا كان يجد العمامة وقد فعل ذلك تكاسلاً إلخ" (۱)

رہ گیا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونا تو حدیث میں ایسی کوئی بات وارد نہیں ہوئی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا ہے اور ایسی چیزوں کا علم رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتا، تاہم ایک مسلمان کے نزدیک کسی عمل کی اہمیت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا معمول مبارک ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تکبیر انتقال کہنا بھول جائے

سوال:- چند روز پہلے میں نماز پڑھا رہا تھا اور ذہن منتشر تھا، اس کی وجہ سے قیام سے رکوع کی طرف جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہی، یوں ہی جھک گیا، لوگ بھی مجھے دیکھ کر رکوع میں چلے گئے، لیکن بعد میں نمازیوں نے بتایا کہ آپ تکبیر کہے بغیر رکوع میں چلے گئے تھے، مجھے شبہ تھا کہ نماز ہوئی ہے یا نہیں؟ مگر لوگوں نے نماز لوٹانے کا مطالبہ نہیں کیا، اس لئے میں نے نماز نہیں لوٹائی، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے تھا؟　　(حافظ سعید الحق، گکھور)

جواب:- نماز جنازہ کی تکبیرات "فرض" اور عیدین کی تکبیرات زوائد "واجب" ہیں، باقی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے جو تکبیرات کہی جاتی ہیں، جنہیں اصطلاح میں "تکبیرات انتقال" کہتے ہیں، وہ مسنون ہیں، واجب یا فرض نہیں، گر سہواً

---

(۱) الفتاوی الہندیة: ۱/۱۰۶

چھوٹ جائے تو نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ گناہ ہوگا اور قصداً چھوڑ دے تب بھی نماز ہو جائے گی ؛ البتہ وہ ایک سنت کا تارک ہوگا ، جو یقیناً نامناسب عمل ہے اور کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے ، غرض اس سے نہ سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ نماز لوٹانے کی ضرورت ہوگی :

" بخلاف تكبيرات الركوع والسجود فإنها من السنن ونقصان السنة لا يجبر بسجود السهو " (۱)

البتہ ازراہِ خیر خواہی یہ عرض ہے کہ ائمہ کرام کو نماز کے تمام ہی مسائل اور خاص کر سجدۂ سہو کے مسائل کا اچھی طرح مطالعہ کر لینا چاہئے ؛ کیوں کہ امام سے صرف اسی کی نماز متعلق نہیں ہے ، تمام مقتدیوں کی نمازیں بھی متعلق ہیں ، اور اگر اس کی کوتاہیوں سے نماز درست نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کی نماز درست نہ ہونے کا بھی وبال اسی پر ہو۔

رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

سوال :- ہم لوگ احناف ہیں اور سعودی عرب میں رہتے ہیں ، ہم میں سے بعض احباب کبھی کبھی امام کے ساتھ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین بھی کر لیتے ہیں ، ایک عالم نے بتایا کہ ایسا کرنے والوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ، جب کہ سعودی عرب میں علماء رفع یدین کرنے کو کہتے ہیں ، تو کیا ایسا کرنے والوں کی نماز فاسد ہو گئی ؟ (عبدالسلام ، محمد مبین و رفقاء ، جدہ)

جواب :- احناف کے یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کیا جائے ، اس کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا جائے ؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین کیا کرتے تھے ، بعض فقہاء رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کے قائل ہیں اور بعض روایات ان کے پیش نظر

---

(۱) بدائع الصنائع : ۱/۴۰۷

ہیں، پس بہتر طریقہ یہی ہے کہ آپ ابتداء نماز میں رفع یدین کرنے پر اکتفاء کریں، لیکن اگر کسی نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرلیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، یہی صحیح ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ عمل ہوگا، اور اگر ایک آدھ دفعہ اس نیت سے کرلیا کہ ہر منقول سنت پر عمل ہو جائے تو ان شاء اللہ اجر کی امید ہے، ایسے مسائل میں شدت نہ ہونی چاہئے:

"فلا يفسد برفع اليدين في تكبيرات الزوائد على المذهب وما روي من الفساد فشاذ" (۱)

مصور کپڑے میں نماز

سوال:- سوٹس وغیرہ پر جاندار چیزوں اور مختلف اشخاص کی تصویریں ہوتی ہیں، کیا ایسے لباس میں نماز پڑھنے سے نماز درست ہوگی؟ (جیلانی نور، چینئی)

جواب:- جاندار کی تصویر اتارنا اور اس کا بلا ضرورت استعمال کرنا حرام ہے، کپڑوں پر تصویر کی کوئی ضرورت نہیں؛ اس لئے ایسے کپڑے خریدنا ہی نہیں چاہئے، جن پر تصویریں ہوں اور جن کو پہن کر انسان چلتا پھرتا فوٹو اسٹوڈیو نظر آتا ہو، ان کا خریدنا اور عام حالات میں استعمال کرنا بھی گناہ ہے، نماز میں خاص طور پر تصویروں کے استعمال کو منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس سے تصویر پرستی کا وہم پیدا ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھ لے تو نماز تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا اور نماز بھی مکروہ ہوگی:

"وكره ... (ولبس ثوب فيه تماثيل) ذي روح ..." (۲)

اگر صفوں کے بیچ میں قبر ہو؟

سوال:- آج کل عام طور پر مسجد میں پرانی قبریں ہوتی

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳۸۶/۲

(۲) الدر المختار مع الرد: ۴۱۲/۲

ہیں اور کبھی کبھی اتفاق ایسا بھی ہوتا ہے کہ صف کے بیچوں بیچ قبر
ہوتی ہے اور جمعہ میں کثیر تعداد کے مجمع میں لوگوں کو مجبوراً اس قبر کے
بالکل سامنے بھی نماز پڑھنے کا موقع آتا ہے، کیا اس صورت میں
نماز صحیح ہوجاتی ہے؟ (حافظ فیض، اوسہ)

جواب:- اگر قبر نمازی کے دائیں، بائیں یا پیچھے ہو تب تو حرج نہیں؛ لیکن اگر سامنے رہے تو مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں قبر کی عبادت سے مشابہت پیدا ہوتی ہے اور کسی چیز کی طرف نماز پڑھنا دو صورتوں میں ممنوع ہوتا ہے یا تو اس چیز کی تعظیم مقصود ہو یا تعظیمی فعل یا عبادت سے مشابہت پیدا ہوتی ہو:

"... وقد ظهر من هذا أن علة الكراهة في المسائل
كلها إما التعظيم أو التشبيه" (۱)

اگر قبریں نماز کی جگہ کے درمیان آگئی ہیں تو مسجد کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ نمازی کے سامنے پتھر یا کسی چیز کی آڑ کھڑی کردیں؛ تاکہ بعینہ قبر کی طرف سجدے کی صورت پیدا نہ ہو۔

تصویر پر مشتمل موبائل کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:- موبائل کے اندر فوٹو وغیرہ رہتا ہے، اس کو
جیب میں رکھ کر نماز وغیرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (محمد فرقان)

جواب:- ڈیجیٹل فوٹو کے بارے میں اگرچہ اس عہد کے علماء کی آراء مختلف ہیں، بعض اس کو عکس سمجھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ بھی تصویر ہے؛ لیکن بہرحال احتیاط یہی ہے کہ موبائل میں تصویر کشی سے بچا جائے، اگرچہ وہ غیر محرم کی تصویر نہ ہو؛ لیکن نماز کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر موبائل کے اندر تصویر محفوظ ہو، مگر اسکرین پر نمایاں نہ ہو تو موبائل رکھ کر نماز پڑھنے والے کا حکم تصویر رکھ کر نماز پڑھنے والے کا نہیں ہے، اور اگر

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار: ۲/۴۱۷، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها

اسکرین پر تصویر نمایاں ہو تو پھر یہ تصویر کے ساتھ رکھ کر نماز پڑھنے کی نوعیت ہے، باوجود یکہ اس سے بچنا ممکن ہے؛ اس لئے ایسا کرنا مکروہ ہوگا، اس سے ضرور بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے ۔

طبعی ضرورت کے دباؤ کے وقت نماز اور اس کا اعادہ

سوال:- پیشاب پائخانہ کے تقاضہ کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے؛ لیکن اگر اس طرح نماز پڑھ ہی لی گئی تو نماز ادا ہو جائے گی یا اسے لوٹانا واجب ہوگا ؟

(کلیم اللہ، شاہین نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ انسان پر طبعی ضروریات کے لیے بہت زیادہ دباؤ ہو اور اس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کی توجہ اللہ تعالی کی طرف یکسور ہے؛ اسی لیے اس سے بچنا چاہیے، ایسے شدید دباؤ کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کراہت تحریمی کے ساتھ جو نماز ادا کی جاتی ہے، وہ ہو تو جاتی ہے؛ لیکن اس کا اعادہ کرنا چاہیے، اگر اعادہ نہیں کریں گے تو نقص کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی، پھر نماز کے اعادہ کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نماز کا وقت باقی ہو تو اعادہ کرنا واجب ہے اور اگر نماز کا وقت گذر گیا ہو تو نماز لوٹانا مستحب ہے:

" كذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها (درمختار) الظاهر أنه يشمل نحو مدافعة الاخبثين، ووجوب الإعادة في أداء صلاة مع كراهة التحريم بما قبل خروج الوقت أما بعد فتستحب " (۱)

اگر جیب میں تصویر ہو؟

سوال:- اگر کسی کی جیب میں شناختی کارڈ Identy

(۱) ردالمحتار: ۱/۱۴۸

Card یا بس پاس ہو، جس پر تصویریں ہوتی ہیں، تو کیا اس کی وجہ سے نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی، یا نماز کی حالت میں ان کو نکال کر رکھ دینا ضروری ہے؟ (شفیع اللہ، حشمت پیٹ)

جواب:- جن چیزوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان کی حفاظت کے لئے بسا اوقات انہیں جیب میں رکھنا ضروری ہوتا ہے، دوسرے بعض فقہاء نے ایسی تصویر کو نماز میں کراہت کا باعث قرار نہیں دیا ہے، جو نمازی کے پیچھے یا اس کے پاؤں کے نیچے ہو:

"فلو كانت الصورة خلفه أو تحت رجليه ففي شرح عتاب لا تكره الصلاة" (۱)

اس لئے ان کو جیب میں رکھتے ہوئے نماز ادا کرنے میں حرج نہیں۔

نماز کے درمیان جسم کھجانا

سوال:- اکثر لوگ نماز کے دوران اپنا ہاتھ سر پہ یا کان میں اور منہ پر بار بار سہلاتے یا کھجاتے ہیں اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہیں، کیا ایسا کرنے سے شرعی اعتبار سے نماز درست ہو سکتی ہے؟ (بابو اکیلا، جہانگیر واڑہ، کوہیر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے کہ نماز ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے؛ اس لئے نماز کی کیفیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور ایسے افعال سے بچے، جس سے بے توجہی اور لاپروائی کا اظہار ہوتا ہے، خواہ مخواہ بدن کو کھجانا ایسے ہی افعال میں ہے؛ البتہ اگر بہت زیادہ کھجاہٹ ہو کہ کھجائے بغیر چین نہیں آتا تو اس طرح کھجانا چاہئے کہ مسلسل تین بار کھجانے کی کیفیت نہیں پائی جائے؛ کیوں کہ ایک ساتھ مسلسل تین بار کسی حرکت کا ارتکاب کرنا بعض فقہاء کے نزدیک عمل کثیر کے دائرہ میں آجاتا ہے اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے: "الحركات الثلاث متوالية

(۱) فتح القدیر ۱: ۴۱۵

کثیر وإلا فقلیل " (۱) ویسے راجح قول یہ ہے کہ نمازی کوئی ایسا عمل کر رہا ہو کہ دیکھنے والے کو یقین ہو جائے کہ یہ نماز کی حالت میں نہیں ہے تو یہ عمل "عمل کثیر" ہے اور اگر دیکھنے والے کو صرف شک پیدا ہو کہ یہ نماز کی حالت میں ہے یا نہیں؟ تو یہ "عمل قلیل" ہے، جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی؛ لیکن بلا وجہ عمل قلیل کا ارتکاب بھی کراہت سے خالی نہیں ہے:

" أن كل عمل لا يشك الناظر أنه ليس في الصلاة فهو كثير وكل عمل يشتبه على الناظر أن عامله في الصلاة فهو قليل ، قال في البدائع : وهذا أصح " (۲)

بس جہاں تک کھجانے کی وجہ سے نماز کے فاسد ہو جانے کی بات ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کیا اس عمل سے نمازی کی مشغولیت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ نمازی کو اس کے نماز کی حالت میں نہ ہونے کا یقین ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ لیکن عام طور پر اس عمل کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی؛ اس لئے اس کی وجہ سے نماز فاسد تو نہیں ہوگی، مگر مکروہ ضرور ہو جائے گی۔

---

(۱) رد المحتار : ۳۸۵/۲

(۲) البحر الرائق : ۱۹/۲-۲۰، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندية : ۱۰۲/۱-۱۰۳